ناول
دی
ہابٹ
''دی لارڈ آف دی رِنگز'' کا ابتدائیہ
جے آر آر ٹولکین
ترجمہ: شوکت نواز نیازی

J.R.R. Tolkien.

تجسس سے بھرپور اور دھیمے لطیف مزاح سے مزین ایک زبردست مہم کی شاندار پرکشش داستان....خوبصورت پیرائے میں بیان کی گئی ''دی ہابٹ'' کی کہانی مہم جوئی کی داستانوں کے کمسن، بڑے اور بوڑھے شائقین کے دلوں میں اتر جائے گی۔

نیویارک ٹائمز بک ریویو

''ایک امر ذہن نشین کرنا ہوگا کہ یہ کتاب محض اس حد تک بچوں کے ادب میں شمار ہوتی ہے کہ اسے بچپن میں بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ ''ایلسز ایڈوینچر اِن ونڈر لینڈ'' کو بچے سنجیدگی سے پڑھتے ہیں اور بالغ تفریحِ طبع کے لیے۔ اس کے برعکس ''دی ہابٹ'' اپنے کم عمر قارئین کے لیے پُرمزاح تحریر ثابت ہوگی جبکہ سالوں بعد جب وہ یہ کتاب دسویں یا بیسویں مرتبہ پڑھیں گے تو انھیں احساس ہوگا کہ اس کتاب کو ایک مکمل، پُرلطف اور اپنے ہی انداز میں حقیقی داستان بنانے میں کیسی عالمانہ چابکدستی اور گہری فکری مہارت کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔ پیشین گوئی کا عمل اکثر خطرناک ثابت ہوتا ہے لیکن ''دی ہابٹ'' یقیناً ایک شاندار کلاسیکی شہ پارہ ثابت ہوگا۔''

سی ایس لیویس

دی ٹائمز لٹریری سپلیمنٹ، 2 اکتوبر 1937ء

(سی ایس لیویس بچوں کے شہرہ آفاق ادبی سلسلے ''کرانیکلز آف نارنیا'' کے مصنف ہیں)

''جے آر آر ٹولکین کے شیدائیوں کی تعداد مٹھی بھر انگریزی دانوں سے بڑھتے ہوئے دنیا بھر میں لاکھوں میں پہنچ گئی۔''

1973ء میں ٹولکین کی وفات پر ٹائم میگزین کا اداریہ

1938ء میں نیویارک ہیرلڈ ٹریبیون نے ''دی ہابٹ'' کو نوجوان قارئین کے لیے بہترین ناول قرار دیا۔

2012ء میں امریکی جریدے ''سکول لائبریری جرنل'' نے بچوں کے 100 بہترین ادب پاروں کی فہرست میں 14ویں نمبر پر رکھا۔ ''بکس فار کیپس'' نامی امریکی اشاعتی ادارے نے ''دی ہابٹ'' کو ایک جائزے میں ''نوجوانوں کے لیے بیسویں صدی کا اہم ترین ناول'' قرار دیا۔
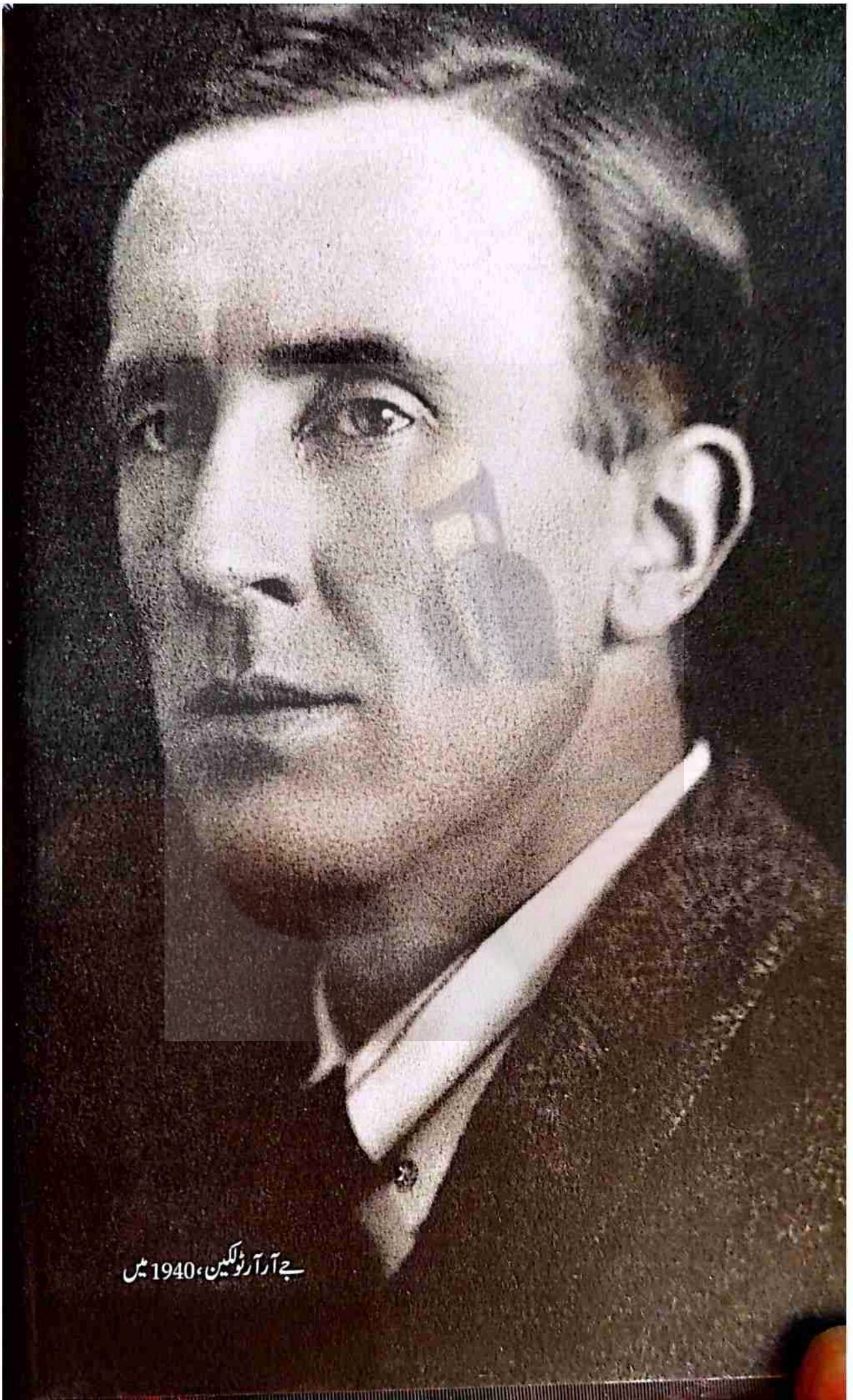
جے آر آر ٹولکین، 1940 میں

جان رانلڈ روئیل ٹولکین (3 جنوری 1892 - 2 ستمبر 1973) ناول نگار، لغت نویس اور ماہر لسانیات، بلوم فونٹین، جنوبی افریقہ میں پیدا ہوئے۔ چار سال کی عمر میں اپنے بینک منیجر والد کے انتقال کے بعد وہ اپنی والدہ اور چھوٹے بھائی کے ساتھ واپس انگلستان میں برمنگھم کے قریب آن بسے۔ سولہ سال کی عمر میں وہ ایک یتیم لڑکی ایڈتھ براٹ کی محبت میں گرفتار ہو گئے۔ بعدازاں ان کا ایک تصوراتی کردار لوتھیان ٹینوویئل درحقیقت ایڈتھ براٹ پر ہی مبنی تھا۔ تاہم ان کے سرپرست پادری اس رشتے پر رضامند نہ ہوئے اور ٹولکین اپنی اکیسویں سالگرہ کے بعد ہی ایڈتھ کا ہاتھ مانگ سکے۔ اس دوران انھوں نے کنگ ایڈ ورڈ کالج برمنگھم سے 1915 میں بی اے اور ایکسیٹر کالج آکسفرڈ سے 1919 میں ایم اے کیا۔ پہلی جنگِ عظیم کے دوران فرانس میں سوم کے محاذ پر جنگ میں شریک ہوئے۔ جنگ بندی کے بعد مختصر دورانیے کے لیے آکسفرڈ انگلش ڈکشنری کی ترتیب میں شامل رہے۔ ٹولکین نے اپنی پیشہ ورانہ زندگی کا بڑا حصہ لیڈز یونیوسٹی (1920-1925) اور آکسفرڈ یونیورسٹی (1925-1959) میں انگریزی زبان اور انگریزی ادب پڑھانے میں گزارا۔ انھیں قدیمی انگریزی زبان (1100ء سے پہلے) اور وسطی زمانے کی انگریزی زبان (1100ء سے 1500ء تک رائج) پر خصوصی مہارت اور دسترس حاصل تھی۔ اپنی تعلیمی مصروفیات اور دیگر یونیورسٹیز میں ممتحن کے فرائض سرانجام دینے کے ساتھ ساتھ تحقیقی سرگرمیاں بھی جاری رکھیں۔ اس دوران ٹولکین اپنی تفریحِ طبع کے لیے طلسماتی اور مہماتی کہانیاں لکھتے رہے جن کا پس منظر ان کی اپنی تخلیق کردہ ایک نئی تصوراتی دنیا تھی۔ یہی وہ وقت تھا جب انھوں نے اپنی زیرِترتیب طویل کہانی Silmarillion کے لیے ایک نئی زبان Elvish ایجاد کی۔ بنیادی طور پر اپنے بچوں کو سنانے کے لیے ترتیب دی گئیں ان ہلکی پھلکی اور اکثر پُرمزاح کہانیوں میں ایک قدرے طویل دقیق اور مفصل کہانی "The Hobbit" تھی جو شاید 1930 میں شروع کی گئی۔ 1937 میں شائع ہونے والی اس کتاب میں مصنف کے اپنے ہاتھ سے بنائی گئی تصاویر اور نقشے شامل تھے۔ "دی ہابٹ" اتنی مقبول ہوئی کہ ناشر نے اسے سلسلے وار جاری رکھنے کا مطالبہ کیا۔ اس کا نتیجہ سترہ سال بعد "The Lord of the Rings" کی صورت میں ظہور پذیر ہوا۔ "دی ہابٹ" کے کچھ عناصر اس نئے ناول میں شامل کیے گئے جن میں ایک طلسماتی انگوٹھی مرکزی کردار ادا کرتی ہے جسے دنیا پر قبضہ کرنے پر تلے بیٹھے ایک خوفناک جادوگر لارڈ ساؤرون کے ہاتھ لگنے سے پہلے تباہ کرنا لازم تھا۔ 'لارڈ آف دی رنگز' دراصل "Silmarillion" کا اضافہ تھا جو اس نئی کہانی کو تاریخی بنیاد فراہم کرتا تھا جس میں پری زادوں، بھتنوں، اوروں، بونوں اور انسانوں کا بیان تھا۔ ٹولکین کی زندگی میں ان کے دیگر قدرے مختصر فن پارے بھی سامنے آئے۔ پیرانہ سالی کی بنا پر ٹولکین "The Silmarillion" کو پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا سکے۔ بعد از مرگ اس کی تدوین اور طباعت ان کے بیٹے کرسٹوفر ٹولکین کے ہاتھوں 1977 میں ہوئی۔ ٹولکین کے کاغذات، مخطوطات اور دستاویزات کے مطالعے کے بعد کرسٹوفر ٹولکین نے "Unfinished Tales of Númenor and Middle-earth"، بارہ کتب پر مشتمل "The History of Middle-earth" اور "The Children of Húrin" شائع کیں۔ 2017 میں ترتیب کردہ "Beren and Lúthien" کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ٹولکین اور ان کی اہلیہ کی داستانِ محبت پر مبنی ہے۔ جے آر آر ٹولکین کی وفات 2 ستمبر 1973 کو بورنمتھ، ہیمپشائر (انگلستان) میں ہوئی۔

شوکت نواز نیازی متعدد فرانسیسی اور انگریزی ادب پاروں کا اُردو زبان میں ترجمہ کر چکے ہیں۔ ان کے فرانسیسی اُردو تراجم میں ژاں پال سارتر، گی دموپاساں، مولیئر، ژاں آنہوئی، یوجین ایونیسکو اور ماریس ماترلینک جیسے شہرۂ آفاق نام شامل ہیں۔ ان کے اردو تراجم میں موپاساں کا ناول ''بیل آمی'' (ہوئے تم دوست جس کے)، ناولٹ ''بوُل دسویف'' (چکنی)، موپاساں کی ساٹھ سے زائد افسانوں کے دو مجموعے اور فرانسیسی زبان کا شیکسپیئر کہلائے جانے والے ڈراما نگار مولیئر کے مشہور ترین کھیل ''لاوار'' (کنجوس) اور ''تارتوف'' (ریاکار) شائع ہو چکے ہیں۔ علاوہ ازیں معروف قوّال اور موسیقار نصرت فتح علی خان کی فرانسیسی زبان میں لکھی گئی سوانح عمری کا اُردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ ان کی تازہ ترین کاوش ژاں پال سارتر کا ناول ''لانوزے'' کا اُردو ترجمہ (متلی) ہے۔ انگریزی زبان سے اُردو میں ترجمہ شدہ کتب میں ہارپر لی کا مقبول عام ناول ''ٹو کِل اے ماکنگ برڈ'' (معصومیت کا قتل)، ایف سکاٹ فٹز جیرلڈ کا ناول ''دی گریٹ گیٹسبی'' اور ولیم گولڈنگ کا ناول ''لارڈ آف دی فلائز'' (مکھیوں کا دیوتا) شامل ہیں۔ فرانسیسی ادب سے اُردو زبان میں تراجم کی کاوشوں کے اعتراف میں شوکت نواز نیازی کو ''گراں پری دلا فرانکوفونی 2007ء'' سے نوازا گیا۔ 2021ء میں انھیں حکومتِ فرانس نے ''آفیسر آف دی آرڈر آف دی آرٹس اینڈ لیٹرز'' کا اعزازی تمغا عطا کیا۔

دی ہابٹ

"دی لارڈ آف دی رِنگز" کا ابتدائیہ

جے آر آر ٹولکین

ترجمہ: شوکت نواز نیازی

The Hobbit
by J. R. R Tolkien
Trans. Shaukat Nawaz Niazi
Jhelum: Book Corner. 2022
344p.
1. Novel - Fiction - Translation
ISBN: 978-969-662-418-9

بانی مہتمِ اعلیٰ: شاہد حمید

ناشرین: گگن شاہد * اَمر شاہد

اشاعت: فروری ۲۰۲۱ء

کتاب: دی ہابٹ (ناول)

مصنف: جے آر آر ٹولکین

ترجمہ: شوکت نواز نیازی

لفظ خواں: طلال ہاشمی

سرورق (آفیشل): ڈیوڈ وایٹ

سرورق ڈیزائن: ابوامامہ

تزئین وزیبائش: ہادیہ

خطاط: احمد علی بھٹہ

کمپوزنگ وصفحہ سازی: عمر فاروقی

کتابت: نُوری نستعلیق، علوی نستعلیق

مطبع: فائن پرنٹرز، لاہور

ناشر: بک کارنر

ویب سائٹ: www.bookcorner.com.pk

بک سٹور: بک کارنر شوروم، بالمقابل اقبال لائبریری، اقبال لائبریری روڈ، جہلم، پاکستان 49600

00 92 544 278051, 00 92 544 614977 · 00 92 314 4440882, 00 92 321 5440882

bookcornerjlm · /bookcornershowroom · /bookcorner

bookcornerjhelum · info@bookcorner.com.pk

فہرست
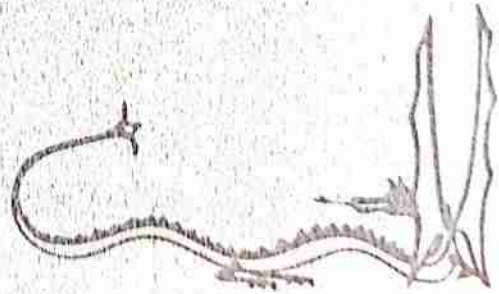
پہلا باب

بزمِ ناگہاں

زمین کے نیچے غار نما گھروندے میں ایک ہابٹ رہتا تھا۔ یہ کیچوؤں کی مرطوب سرانڈ سے تعفن زدہ اور کیچڑ سے بھرا تاریک غار نہ تھا اور نہ ہی بیٹھنے اور کھانے پینے کی سہولت سے عاری خشک ریتلا اور ویران تھا۔ یہ ایک ہابٹ کا غار تھا یعنی آرام دہ اور پُرآسائش رہائش گاہ تھی۔

سمندری جہاز کی کھڑکی کی مانند گول سبز رنگ کے بیرونی دروازے کے عین درمیان میں پیلے رنگ کا ایک چمکدار کنڈا نصب تھا۔ یہ دروازہ بیضوی چھت والے ایک سُرنگ نما ہال میں کھلتا تھا۔ ہال میں دیواروں پر چوبی تختے نصب تھے، فرش پر پتھریلی سِلیں اور قالین اور دیواروں کے ساتھ پالش کردہ کُرسیاں رکھیں تھیں۔ ہیٹ اور کوٹ ٹانگنے کے لیے کھونٹیوں کی ایک قطار نصب تھی۔ صاف ظاہر تھا کہ یہ ہابٹ مہمانداری کا دلدادہ ہے۔ سرنگ ٹیلے میں قدرے سیدھی چلتی جاتی تھی۔ اردگرد کے باسی اس ٹیلے کو ''پہاڑی'' کے نام سے پکارتے تھے۔ جوں جوں سرنگ آگے بڑھتی جاتی تھی اس کے دونوں جانب دروازے دکھائی دیتے تھے۔ ہابٹ سیڑھیاں چڑھنے کا شوقین نہ تھا اس لیے تمام کمرے یعنی شب خوابی کے کمرے،

غسل خانے، باورچی خانے، توشہ خانے، متعدد تہ خانے اور کپڑوں کے کمرے (اس نے کپڑوں کے لیے بھی علیحدہ کمرے بنوا چھوڑے تھے) کھانے کا کمرہ، سبھی ایک ہی سطح پر تھے اور ان سب کو ایک ہی راستہ جاتا تھا۔ بہترین کمرے بائیں جانب تھے کیونکہ صرف انہی کمروں میں موٹی دیواروں والی کھڑکیاں تھیں جہاں سے باہر باغیچے اور دُور دریا تک پھیلے کھیتوں کھلیانوں کا منظر دکھائی دیتا تھا۔

یہ ہابٹ اچھا خاصا متموّل ہابٹ تھا اور اس کا نام بلبو بیگنز تھا۔ بیگنز خاندان کے افراد اس علاقے میں نجانے کب سے رہائش پذیر تھے اور لوگوں میں احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ لوگ محض ان کی دولت کی بنا پر ان کی عزّت نہ کیا کرتے تھے بلکہ اس لیے کہ وہ کبھی کسی مہم جوئی میں شامل نہ ہوتے تھے اور کبھی کوئی غیر متوقع حرکت نہ کرتے تھے۔ ایک بیگنز کسی سوال کا کیا جواب دے گا یہ کوئی بھی اس سے پوچھے بغیر بتا سکتا تھا۔ یہ کہانی ایک ایسے بیگنز کی ہے جو ایک مہم پر نکل کھڑا ہوا اور ایسے کام کر بیٹھا، ایسی باتیں کہہ بیٹھا جو مکمل طور پر غیر متوقع تھیں۔ اس مہم جوئی کے بعد وہ ہمسائیوں کی نگاہوں میں اپنا عزّت و احترام کھو بیٹھا لیکن جو کچھ اس نے حاصل کیا..... خیر اس داستان کے اختتام تک ہم سب جان جائیں گے کہ وہ کچھ حاصل کر پایا یا نہیں۔

اس ہابٹ کی ماں..... یہ ہابٹ ہوتا کیا ہے؟ میرے خیال میں یہاں ہابٹوں سے متعلق مختصر بیان ضروری ہے کیونکہ فی زمانہ ہابٹ ندارد ہوتے جا رہے ہیں اور یوں بھی وہ ہم جیسے لوگوں (جنھیں وہ بڑے لوگ کہہ کر پکارتے ہیں) سے دُور رہنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ ہابٹ پستہ قامت لوگ ہوتے ہیں یا ہوا کرتے تھے۔ وہ ہمارے قد سے تقریباً نصف اور لمبی گھنی داڑھی والے بونوں سے بھی کچھ کم قد کاٹھ کے حامل ہوتے ہیں۔ ہابٹوں کی داڑھی نہیں ہوتی۔ ان میں کوئی جادوئی یا طلسماتی خصوصیت نہیں پائی جاتی۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ جب جی چاہے یکلخت چھپ جاتے ہیں، خصوصاً اس وقت جب ہم جیسے بڑے بے ڈھنگے لوگ ہاتھیوں کی طرح جھومتے جھامتے شور مچاتے قریب آئیں۔ ہماری آمد کی خبر انھیں میلوں دُور سے ہو جاتی ہے۔

یہ عموماً کمر کے گرد گول مٹول ہوتے ہیں اور شوخ رنگ کا لباس پہننے کے شوقین ہوتے ہیں جو اکثر پیلا اور سبز ہوتا ہے۔ یہ جوتے نہیں پہنتے کیونکہ ان کے پیروں کے تلوے قدرتی طور پر سخت اور کھردرے ہوتے ہیں اور پاؤں کے اوپر گھنے بھورے گھنگریالے بال ہوتے ہیں۔ ایسے ہی بال ان کے سر پر بھی ہوتے ہیں۔ ان کی انگلیاں طویل، مخروطی اور چہرے خوش طبع اور ہشاش بشاش ہوتے ہیں۔ وہ کھلے دل کے ساتھ قہقہہ لگا کر ہنستے ہیں، خصوصاً کھانے کے بعد، جس سے وہ دن میں دو مرتبہ انتہائی دلجمعی کے ساتھ لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اب آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ ہابٹ کیسے ہوتے ہیں۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ اس ہابٹ، یعنی بلبو بیگنز کی ماں بیلا ڈونا ٹوک اعلیٰ خاندان کی چشم و چراغ اور دریا کے اُس پار رہنے والے ہابٹوں کے ٹوک خاندان کے سرپنچ بوڑھے ٹوک کی تین بیٹیوں میں ایک تھی۔ کہا جاتا تھا کہ بہت پہلے ٹوک خاندان کے کسی جدِّ امجد نے کسی پری زاد سے شادی رچائی تھی۔ اگرچہ بات تو احمقانہ تھی لیکن ٹوک خاندان کے افراد میں کچھ ایسا ضرور تھا جو انھیں دوسرے ہابٹوں سے ممتاز کرتا تھا اور پھر ٹوک خاندان کے لوگ گاہے بگاہے کسی نہ کسی پُراسرار مہم پر نکل کھڑے ہوتے۔ وہ یکا یک بغیر کسی کو بتائے غائب ہو جاتے اور خاندان کے دیگر ارکان ان کی غیر موجودگی کو چھپانے کی کوشش کرتے۔ حقیقت یہی تھی کہ اگرچہ وہ بیگنز خاندان سے کہیں زیادہ دولت مند تھے پھر بھی ٹوک قبیلے کو اس علاقے میں بیگنز کی سی عزت وتکریم حاصل نہ تھی۔

مسز بنگو بیگنز بننے کے بعد بیلا ڈونا ٹوک نے انتہائی پُرسکون زندگی گزاری۔ بلبو بیگنز کے باپ بنگو بیگنز نے اپنی بیوی کے لیے (اور شاید اپنی بیوی کی دولت سے ہی) پہاڑی کے نیچے اور دریا کے پار پُرآسائش ترین بھٹ تعمیر کی اور اس میں اپنی ساری عمر رہائش پذیر رہا۔ پھر بھی اس بات کا امکان موجود تھا کہ بلبو بیگنز یعنی بنگو بیگنز کا اکلوتا بیٹا، جو اگرچہ شکل و شباہت اور حرکات وسکنات میں اپنے باپ سے مماثلت کا حامل تھا، اپنے اندر اپنی ماں کے ٹوک خاندان کی کوئی نہ کوئی پُراسرار خاصیت ضرور رکھتا تھا جو باہر نکلنے کے موقع کی تلاش میں تھی۔ یہ موقع اس وقت تک نہ آیا جب بلبو بیگنز پچاس سال کا ہو گیا اور اپنے باپ کے تعمیر کردہ آرام دہ

گھر میں سکون کی زندگی گزار رہا تھا، اس وقت تک جب یوں لگتا تھا کہ بلبو بیگنز مستقل طور پر یہاں کا باسی ہو چکا تھا۔

اور پھر یونہی بہت عرصہ پہلے جب دنیا میں شور شرابا کم اور سبزہ زیادہ ہوا کرتا تھا اور ہابٹوں کی تعداد اور دولت دونوں زیادہ ہوا کرتی تھیں، ایک دن جب بلبو بیگنز ناشتے کے بعد اپنے گھر کے باہر کھڑا اپنے بازو سے بھی طویل اور اپنے گھٹنوں تک پہنچنے والے چوبی پائپ سے لطف اندوز ہو رہا تھا کہ یکا یک گنڈالف آن پہنچا۔ آہ گنڈالف! گنڈالف کے متعلق جو کچھ میں سن چکا ہوں (اور اس کے بارے میں جو کچھ سنا جا چکا ہے میں اس کا عشرِ عشیر بھی نہیں سن پایا) اگر آپ اس کا ایک چوتھائی حصّہ بھی سن چکے ہیں تو یقیناً آپ ایک انتہائی حیرت انگیز داستان کے لیے تیار ہو چکے ہوں گے۔ وہ جہاں بھی جاتا غیر معمولی طور پر عجیب وغریب کہانیاں اور پُراسرار واقعات وقوع پذیر ہوتے۔ سالہا سال ہونے کو آئے کہ وہ یہاں پہاڑی کے قریب دکھائی نہ دیا تھا۔ آخری مرتبہ اسے اپنے دوست بوڑھے ٹوک کی وفات پر دیکھا گیا تھا اور سچ تو یہ تھا کہ بہت سے ہابٹوں کو اس کی شکل بھی یاد نہ رہی تھی۔ بڑی عمر کے ہابٹ جب کمسن بچّے تھے تو گنڈالف پہاڑی سے دُور اور دریا کے اُس پار نجانے کن سرگرمیوں میں مصروف تھا۔

بہر حال بلبو کو اس دن صبح سویرے اپنے گھر کے سامنے صرف ایک عمر رسیدہ بوڑھا شخص ہاتھ میں لاٹھی تھامے کھڑا دکھائی دیا۔ اس کے سر پر نیلے رنگ کا ایک بلند نوکیلا ہیٹ تھا، کاندھوں پر ایک بوسیدہ سرمئی کوٹ، گلے میں نقرئی انگوچھا، جس کے اوپر گھنی سفید داڑھی جو اس کے پیٹ تک پہنچ رہی تھی اور پاؤں میں بھاری بھرکم سیاہ بوٹ تھے۔

''صبح بخیر۔'' بلبو خوش مزاجی سے بولا، اور بات بھی ٹھیک تھی۔ سورج کی روشنی میں سرسبز وشاداب گھاس لہلہا رہی تھی۔ لیکن گنڈالف نے اپنی گھنی بھنوؤں کے نیچے سے اسے گھور کر دیکھا جو اس کے ہیٹ کے چھجے سے بھی باہر نکلی پڑتی تھیں۔

وہ بولا، ''کیا مطلب؟ کیا تم مجھے صبح بخیر کہہ رہے ہو یا مجھے بتا رہے ہو کہ یہ صبح اچھی ہے اور میرے چاہنے نہ چاہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا؟ یا تمھیں یہ صبح اچھی لگ رہی ہے؟ یا پھر یہ

ایسی صبح ہے جب سب کچھ اچھا ہونا چاہیے؟''

بلبو بولا، ''سب ہی اچھا ہے، اور خاص طور پر دھوپ میں باہر بیٹھ کر پائپ سے لطف اندوز ہونے کی تو کیا ہی بات ہے۔ اگر آپ کے پاس پائپ ہے تو آئیں یہاں بیٹھیں اور میرے ساتھ کچھ دیر شغف فرمائیں۔ جلدی کی کوئی بات نہیں ہے۔ ابھی تو سارا دن باقی ہے۔'' یہ کہہ کہ بلبو اپنے دروازے کے پاس رکھے ایک سٹول پر ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر بیٹھ گیا اور پائپ کا ایک لمبا کش لیتے ہوئے ہوا میں سرمئی دھوئیں کا ایک دائرہ نما مرغولا اڑایا جو بکھرے بنا دُور تک پہاڑی پر ہوا میں اڑتا چلا گیا۔

گنڈالف بولا، ''واہ.... لیکن آج میرے پاس دھوئیں کے مرغولے اڑانے کا وقت نہیں ہے۔ مجھے ایک ایسے شخص کی تلاش ہے جو میرے ساتھ ایک مہم میں شامل ہو سکے۔ لیکن ایسے شخص کا ملنا بہت مشکل لگتا ہے۔''

مسٹر بیگنز نے اپنی پتلون کے فیتے میں انگوٹھے اڑسائے اور ہوا میں دھوئیں کا ایک اور پہلے سے بڑا مرغولہ اڑایا۔ ''ہاں، اس علاقے میں تو کوئی نہیں ملے گا۔ یہاں سب امن پسند شریف لوگ رہتے ہیں اور ذاتی طور پر مجھے کسی مہم جوئی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ عجیب تکلیف دہ چیزیں ہوتی ہیں یہ۔ رات کے کھانے کے لیے بھی واپس وقت پر نہیں لوٹ پاتے۔ مجھے تو سمجھ نہیں آتا کہ لوگوں کو ایسی چیزوں میں کیا ملتا ہے؟'' یہ کہتے ہوئے اس نے اپنے کوٹ کی جیب سے ڈاک نکالی اور ان کے مطالعے میں یوں مصروف ہو گیا جیسے اسے گنڈالف میں کوئی دلچسپی نہ ہو۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اسے اس بوڑھے سے کوئی سروکار نہ ہے اور اب وہ اس کے جانے کا انتظار کر رہا تھا۔ لیکن بوڑھا اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوا۔ وہ یونہی اپنی لاٹھی سے ٹیک لگائے خاموشی سے بلبو کو ٹکٹکی باندھے دیکھتا چلا گیا۔ اب بلبو جزبز ہو رہا تھا بلکہ اب اسے بوڑھے پر غصہ آنے لگا تھا۔

وہ پھر بولا، ''صبح بخیر! یہاں کسی کو مہم جوئی سے دلچسپی نہیں ہے۔ بہت شکریہ۔ وہاں پہاڑی کے پاس یا دریا کے پار کوشش کریں، شاید وہاں آپ کو اپنے مطلب کا کوئی شخص مل

جائے۔'' وہ کہنا چاہتا تھا کہ ان کی گفتگو ختم ہو چکی ہے۔

گنڈالف بولا، ''تم تو صبح بخیر کے بہت سے مطلب نکال لیتے ہو۔ اب تمھارا مطلب ہے کہ تم مجھ سے جان چھڑانا چاہتے ہو اور یہ صبح اس وقت تک اچھی نہ ہوگی جب تک میں یہاں سے چل نہ دوں گا؟''

''نہیں، نہیں، میرے عزیز دوست، بالکل نہیں۔ ویسے آپ کا اسم گرامی کیا ہے؟''

''تم میرا نام خوب جانتے ہو ویسے ہی جیسے میں تمھارا نام جانتا ہوں، مسٹر بلبو بیگنز، اور تم بھی میرا نام جانتے ہو اگرچہ تم بھول رہے ہیں کہ وہ میرا نام ہے۔ میں گنڈالف ہوں اور گنڈالف کا مطلب میں ہوں۔ کیا وقت آ گیا ہے کہ میں بیلاڈونا ٹوک کے بیٹے سے صبح بخیر سن رہا ہوں جیسے میں اس کی دہلیز پر بٹن اور دھاگے بیچنے آیا ہوں۔''

''گنڈالف.... گنڈالف.... اوہ میرے خدا! وہی جہاں گرد جادوگر جس نے بوڑھے ٹوک کو ہیرے کے طلسماتی آستین کے بٹن دیئے تھے جو خود بخود بند ہو جاتے تھے اور حکم دینے پر کھل جاتے تھے؟ وہی شخص جو دعوتوں پر اژدھوں، بھتنوں اور دیوؤں اور شہزادیوں اور بہادر جنگجوؤں کے عظیم کارناموں کی داستانیں سنایا کرتا تھا؟ وہی شخص جس کی آتش بازی کے مظاہروں کے قصے آج بھی زبان زدِ عام ہیں؟ مجھے آج بھی یاد ہیں۔ بوڑھا ٹوک ہمیشہ گرمیوں کے وسط کی رات کو ان کا اہتمام کرایا کرتا تھا۔ زبردست! وہ رنگا رنگ آتشیں پھلجھڑیاں جو آسمان پر آگ کے گلِ داؤدی، گلِ میمون اور لبرنم بکھیر دیتی تھیں جو صبح ہونے تک دکھائی دیتی تھیں۔'' آپ جان گئے ہوں گے کہ مسٹر بیگنز کو پھولوں سے کتنا شغف تھا۔ ''اوہ میرے خدا۔'' وہ بولتا گیا، ''وہی گنڈالف جس کی داستانیں سن کر نجانے کتنے نوجوان خزانوں اور کامیابیوں کی تلاش میں اپنا گھر بار چھوڑ کر نجانے کہاں چلے گئے؟ آسمانوں کو چھوتے ہوئے درختوں پر چڑھنے، پری زادوں سے ملنے، یا بڑے بڑے دخانوں والے بحری جہازوں پر سمندر پار جانے.... آہ، وہ زندگی بھی کتنی دلچسپ.... میرا مطلب ہے ان دنوں میں آپ لوگوں کی زندگیوں میں کتنی مشکلات پیدا کر دیا کرتے تھے۔ معذرت چاہتا ہوں لیکن مجھے اندازہ ہی نہ تھا کہ آپ

آج بھی انہی حرکتوں میں مصروف ہیں۔"

جادوگر بولا، "تو اور میں کیا کرتا؟ چلو اچھا ہوا کہ تمھیں میرے بارے میں کچھ تو یاد رہا۔ تمھیں کم از کم میری آتش بازی تو یاد ہے اور یہ بھی اچھی بات ہے۔ بہر حال تمھارے دادا بوڑھے ٹوک اور بیچاری بیلا ڈونا کی خاطر میں تمھیں وہ کچھ دینے پر تیار ہوں جو تم مانگ رہے ہو۔"

"معاف کیجیے، میں نے تو آپ سے کچھ نہیں مانگا۔"

"ہاں! مانگ چکے ہیں۔ دو مرتبہ! اور میں تمھیں یہ دینے پر تیار ہوں۔ سچ تو یہ ہے کہ میں تمھیں اس مہم پر بھیجنے پر بھی تیار ہوں۔ یہ میرے لیے لطف کی بات ہوگی اور تمھارے لیے بھلے کی.... اور اگر تم اسے پایۂ تکمیل تک پہنچا سکو تو شاید منفعت بخش بھی۔"

"معافی چاہتا ہوں لیکن مجھے کسی مہم جوئی کا شوق نہیں ہے۔ کم از کم آج نہیں۔ خدا حافظ! لیکن کسی روز چائے کے لیے ضرور تشریف لایئے گا۔ آپ کل بھی آسکتے ہیں۔ ہاں، کل آیئے گا۔ خدا حافظ۔" یہ کہتے ہوئے ہابٹ مڑا اور اپنے سبز گول دروازے میں داخل ہو گیا اور قدرے تیزی سے دروازہ بند کر دیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی کسی حرکت سے جادوگر ناراض ہو جائے۔ جادوگر آخر جادوگر ہوتے ہیں۔

وہ خود کلامی کے انداز میں بولا، "افوہ، میں نے اسے چائے کی کیوں دعوت دے ڈالی؟" اور توشہ خانے میں داخل ہو گیا۔ اس نے ابھی ناشتہ کیا تھا لیکن گنڈالف کی باتوں سے پیدا ہونے والے اضطراب کے بعد اسے احساس ہوا کہ اسے ایک دو کیکوں اور کسی مشروب سے سکون ملے گا۔

اس دوران گنڈالف باہر دروازے کے سامنے کھڑا خاموشی سے زیرِ لب مسکراتا رہا۔ چند لمحوں بعد وہ آگے بڑھا اور اپنی لاٹھی کی نوک سے ہابٹ کے صاف ستھرے خوبصورت سبز دروازے پر ایک عجیب سا نشان کھرچ ڈالا۔ عین اس وقت جب بلبو اپنا دوسرا کیک منہ میں ٹھونس رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ وہ اس مہم جوئی سے جان بچانے میں کامیاب ہو گیا ہے،

گنڈالف لمبے لمبے ڈگ بھرتا روانہ ہو گیا۔

دوسرے دن وہ گنڈالف کے بارے میں بھول چکا تھا۔ اسے وہ چیزیں یاد نہ رہتی تھیں جو وہ اپنی ڈائری میں درج نہ کرتا تھا، مثلاً ''گنڈالف، چائے، بدھ دوپہر۔'' گزشتہ روز وہ اپنی بے چینی کی بنا پر ایسا نہ کر سکا۔ تاہم سہ پہر کو چائے کے وقت سے کچھ پہلے ہی کسی نے بیرونی دروازے پر زور سے گھنٹی بجائی اور اسے یاد آ گیا۔ اس نے تیزی سے چولہے پر چائے کی کیتلی دھری، میز پر ایک اور پرچ پیالی رکھی، ایک پلیٹ میں چند بسکٹ رکھے اور دروازے کی جانب لپکا۔

دروازہ کھول کر وہ کہنے ہی لگا تھا، ''اوہ، میں معذرت چاہتا ہوں کہ آپ کو انتظار کی زحمت....'' لیکن وہاں گنڈالف نہ تھا۔ باہر دہلیز پر ایک بونا کھڑا تھا جس کی نیلگوں داڑھی اس کی سنہری پیٹی میں اڑسی تھی۔ اس کے گہرے سبز کوٹ کے کنٹوپ کے نیچے اس کی عقابی نگاہیں چمک رہی تھیں۔ جیسے ہی دروازہ کھلا وہ بلبو کو ایک جانب دھکیلتا ہوا اندر داخل ہو گیا جیسے اسے معلوم ہو کہ بلبو اس کا انتظار کر رہا تھا۔

اس نے دروازے سے قریب پہلی کھونٹی پر اپنا کوٹ لٹکایا اور تعظیماً سر جھکاتے ہوئے بولا، ''ڈوالین، آپ کا خادم۔''

بلبو جو حیرت سے اسے دیکھتا جا رہا تھا، ہڑبڑا کر بولا، ''بلبو بیگنز، آپ کا خادم۔'' چند لمحے وہ دونوں آمنے سامنے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے پھر بلبو بول اٹھا، ''میں چائے پینے والا تھا، آپ بھی تشریف لایئے اور چائے نوش فرمایئے۔'' اس کا لہجہ اگرچہ قدرے سخت تھا لیکن اس کی نیت صاف تھی۔ اب کوئی کیا کرے اگر کوئی بونا بن بلائے آن پہنچے، اور ایک لفظ کہے بغیر اپنا کوٹ آپ کے استقبالیہ کمرے میں لٹکا دے؟

ابھی ان دونوں کو میز پر بیٹھے چند لمحے ہی ہوئے تھے اور تیسرے کیک کی جانب ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ دروازے کی گھنٹی پہلے سے بھی زیادہ زور سے بجی۔

بلبو اٹھا اور دروازے کی جانب لپکا، ''معاف کیجیے۔''

دروازہ کھولتے ہی وہ گنڈالف سے کہنے لگا تھا، ''تو بالآخر آپ آن ہی پہنچے۔'' لیکن باہر دروازے پر گنڈالف نہیں تھا۔ وہاں سفید داڑھی والا ایک بہت عُمر رسیدہ بونا کھڑا تھا جس نے سرخ ٹوپی والا کوٹ پہنا تھا۔ جیسے ہی دروازہ کھلا وہ بھی یوں اندر لپکا جیسے اسی کا انتظار ہورہا ہو۔

جیسے ہی اس کی نظر کھونٹی پر لٹکے ڈوالین کے سبز کوٹ پر پڑی، وہ بولا اٹھا، ''اوہ، تو سب پہنچنا شروع ہوگئے ہیں۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے ساتھ والی کھونٹی پر اپنا کوٹ لٹکا دیا اور اپنے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے جھک کر بولا، ''بالین، آپ کا خادم۔''

بلبو نے جواب دیا، ''شکریہ۔'' یہ مناسب جواب تو نہ تھا لیکن وہ نئے مہمان کے جملے ''سب پہنچنا شروع ہوگئے ہیں'' سے قدرے پریشان ہوگیا تھا۔ اسے مہمانوں کی خاطر مدارات پسند تھی لیکن بن بلائے مہمانوں کی نہیں۔ پھر اچانک اس کے ذہن میں ایک ہولناک خیال آیا، اگر کیک ختم ہوگئے تو؟ مہمان جیسے بھی ہوں وہ میزبان تھا اور مہمانوں کی مناسب خاطر تواضع اس کا فرض تھا۔

لیکن پھر اس نے ایک گہری سانس لی اور بولا، ''آیئے اور چائے نوش فرمایئے۔''

سفید داڑھی والے بالین نے کہا، ''محترم، اگر زحمت نہ ہو تو ایک بیئر زیادہ مناسب رہے گی۔ لیکن کیک بھی ٹھیک رہے گا۔ اگر مل جائے تو....''

بلبو کو خود بھی حیرت ہوئی جب اس کے منہ سے نکلا، ''ہاں، بہت ہیں۔'' اور پھر وہ تہ خانے میں پہنچا اور ایک بیئر کا بڑا مگ اور دو کیک اُٹھائے لوٹا۔ یہ کیک اس نے آج ہی تیار کیے تھے کہ شاید ان کی ضرورت پڑ جائے۔

وہ واپس آیا تو بالین اور ڈوالین دونوں میز پر بیٹھے پرانے دوستوں کی طرح گپیں ہانک رہے تھے۔ درحقیقت وہ دونوں بھائی تھے۔ بلبو نے ان کے سامنے کیک اور بیئر کا مگ رکھا۔ یکایک یکے بعد دیگرے دروازے پر دو مرتبہ گھنٹیاں بجیں۔

وہ ہانپتا ہوا دروازے کی جانب چلا اور سوچنے لگا، ''اب تو لازماً گنڈالف ہوگا۔'' لیکن ایسا نہ تھا۔ باہر مزید دو بونے کھڑے تھے۔ دونوں کے کوٹ نیلے، پیٹیاں سنہری اور داڑھیاں

پیلی تھیں۔ دونوں نے ہاتھوں میں اوزاروں کی بوریاں اور بیلچے تھامے تھے۔ دروازہ ابھی پورا کھلا نہ تھا کہ وہ دونوں اندر گھس آئے۔ اب بلبو کو حیرت نہ ہوئی۔ وہ بولا، ''میں آپ کی کیا خدمت کرسکتا ہوں، میرے دوستو؟''

ایک بونا بولا، ''کیلی، آپ کا خادم۔'' اور دوسرا بولا، ''اور میں فیلی۔'' دونوں نے اپنے نیلے کوٹ اتارے اور بلبو کے سامنے تعظیماً جھکے۔

اب بلبو آداب نہ بھول پایا تھا، ''اور میں آپ کا اور آپ کے خاندان کا خادم۔''

کیلی بولا، ''اوہ، بالین اور ڈوالین پہنچ چکے ہیں۔ چلو دیکھتے ہیں کیا سارا گروہ پہنچ گیا یا نہیں؟''

بلبو سوچ میں پڑ گیا، ''سارا گروہ؟ معاملہ کچھ گڑبڑ لگتا ہے۔ مجھے ایک منٹ کے لیے بیٹھ کر سوچنا چاہیے اور کچھ پینا چاہیے۔'' وہ ایک کونے میں بیٹھ گیا۔ میز کے گرد چاروں بونے اپنی باتوں میں مشغول ہو گئے۔ وہ غاروں کی باتیں کرنے لگے، سونے کی کانوں، بھتنوں کے جھگڑے اور اژدھوں کی غارت گری کی باتیں اور دیگر چیزوں کی باتیں جو یا تو بلبو کی سمجھ سے باہر تھیں یا وہ سمجھنا ہی نہ چاہتا تھا کیونکہ یہ سب باتیں ضرورت سے زیادہ ہی جان لیوا اور خطرناک لگتی تھیں۔ یکا یک ''ڈِنگ ڈونگ ڈِنگ آلنِگ ڈِنگ'' کی آواز بلند ہوئی جیسے کوئی شرارتی ہابٹ بچہ دروازے کی گھنٹی اکھیڑنے پر تلا ہو۔

وہ بڑبڑایا، ''باہر کوئی آیا ہے۔''

فیلی بولا، ''کوئی نہیں آیا.... لگتا ہے چار آئے ہیں۔ ویسے بھی میں نے انھیں اپنے پیچھے آتے دیکھا تھا۔''

بیچارہ ہابٹ ہال کے ایک کونے میں بیٹھ گیا اور اپنا سر اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام کر سوچنے لگا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے اور کیا ہونے والا ہے اور کہیں یہ سب رات کے کھانے کے لیے تو نہیں رکیں گے۔ گھنٹی ایک مرتبہ پھر بجی۔ وہ دروازے کی جانب لپکا۔ لیکن باہر چار بونے نہیں تھے۔ پانچ تھے۔ جب وہ ہال میں بیٹھا سوچوں میں گم تھا تو ایک اور بونا پہنچ چکا تھا۔ اس

نے دروازے کا ہینڈل گھمایا ہی تھا وہ سارے اندر داخل ہو گئے۔ یکے بعد دیگرے ''آپ کا خادم۔'' کی تکرار ہوئی اور سب جھک کر آداب بجا لائے۔ ان کے نام ڈوری، نوری، اوری، اوئین اور گلوئین تھے۔ جلد ہی کھونٹیوں پر دو بنفشی، ایک سرمئی، ایک بھورا، اور ایک سفید کوٹ لٹک رہے تھے اور وہ سب اپنی سنہری اور نقرئی پیٹیوں میں انگوٹھے اڑسے دوسروں سے جا ملے۔ اب وہ ایک گروہ کی ہی صورت اختیار کر چکے تھے۔ کچھ نے شراب کا مطالبہ کیا، کچھ نے بیئر کا اور ایک نے کافی مانگی۔ کیک سبھی نے مانگا۔ یوں ہابٹ کافی دیر تک مصروف رہا۔

چولہے پر کافی کی کیتلی دھری تھی۔ میدے کے کیک ختم ہو چکے تھے اور اب بونے جَو کی مکھن لگی نرم روٹی پر ہاتھ صاف کر رہے تھے۔ پھر دروازے پر زوردار دستک ہوئی۔ گھنٹی نہیں دستک، جیسے کوئی لاٹھی سے دروازہ پیٹ رہا ہوں۔ بلبو ہال میں دروازے کی جانب لپکا، اب وہ زِچ، حیران اور پریشان ہو چکا تھا۔ یہ اس کی زندگی کا عجیب ترین بدھ تھا۔ اس نے ایک جھٹکے کے ساتھ دروازہ کھولا اور باہر موجود افراد ڈھیر کی صورت میں ایک دوسرے پر اندر آن گرے۔ مزید بونے، چار مزید بونے! اور ان کے عقب میں گنڈالف اپنی لاٹھی پر ٹیک لگائے ہنس رہا تھا۔ اس کی لاٹھی سے بلبو کے خوبصورت دروازے پر رگڑ لگ گئی تھی اور ساتھ ہی گزشتہ روز اس نے جو نشان کھرچا تھا وہ اب غائب ہو چکا تھا۔

وہ بولا، ''آرام سے، آرام سے! یہ کیا بات ہوئی بلبو؟ ایک تو اپنے مہمانوں کو اتنی دیر دروازے پر کھڑا رکھا اور پھر یوں توپ کے گولے کی مانند یکا یک دروازہ کھول دیا؟ خیر، میں ان کا تعارف کراتا ہوں۔ یہ ہیں، بیفور، بوفور، بومبور اور تھورین۔''

ایک قطار میں کھڑے ہوئے بیفور، بوفور اور بومبور بولے، ''آپ کا خادم۔'' پھر انھوں نے دو پیلے اور ایک زردی مائل سبز کوٹ کھونٹیوں پر ٹانگے۔ چوتھا کوٹ آسمانی نیلے رنگ کا تھا جس پر ایک نقرئی پھندنا لگا تھا۔ یہ کوٹ تھورین کا تھا جو بونوں میں عالی منصب اور محترم مانا جاتا تھا۔ وہ دراصل تھورین اوکن شیلڈ تھا اور اس وقت بلبو کے دروازے پر گرنے اور بیفور، بوفور اور بومبور کے نیچے دب جانے پر خفت محسوس کر رہا تھا۔ بومبور تھا بھی بہت فربہ اور بھاری

بھر کم۔ تھورین نخوت سے کھڑا رہا اور دوسروں کے برعکس ''آپ کا خادم۔'' نہ بولا۔ لیکن جب بلبو بیگنز بہت دیر تک معذرت کرتا رہا تو اس نے بالآخر بڑبڑاتے ہوئے ''کوئی بات نہیں۔'' کہا اور اس کے ماتھے سے تیوری غائب ہوئی۔

گنڈالف نے کھونٹیوں پر لٹکے تیرہ کوٹ اور اپنے لمبوترے نوکدار ہیٹ پر ایک نگاہ ڈالی اور بولا، ''چلو اب سب لوگ پہنچ چکے ہیں۔ کیا خوب محفل جمے گی۔ امید ہے دیر سے آنے والوں کے لیے کھانے پینے کو کچھ بچ گیا ہوگا۔ یہ کیا ہے؟ چائے؟ نہیں شکریہ! میرے لیے تو سرخ شراب ہی ٹھیک رہے گی۔''

تھورین بولا، ''اور میرے لیے بھی۔''

بیفور بولا، ''رس بھری کا مربّہ اور سیب کی پیسٹری۔''

بوفور بولا، ''قیمے والی روٹی اور پنیر۔''

بومبور بولا، ''گوشت کے پارچے اور تازہ سبزیوں کا سلاد۔''

اندرونی دروازے سے پہلے سے موجود بونوں کی آواز بلند ہوئی، ''اور مزید کیک.... اور شراب....اور کافی بھی، اگر زحمت نہ ہو تو....''

بلبو اپنے توشہ خانے کی جانب بھاگا تو اسے پیچھے سے گنڈالف کی آواز سنائی دی، ''اور کچھ انڈے بھی اُبالنے رکھ دو، میرے دوست اور سوکھا مرغی کا گوشت اور تھوڑا سا اچار بھی لیتے آنا۔''

''یہ تو میرے باورچی خانے کے بارے میں مجھ سے بھی زیادہ جانتا ہے۔'' بلبو بیگنز نے سوچا جو اَب مکمل طور پر زچ ہو چکا تھا اور سوچ رہا تھا کہیں کوئی منحوس مہم اس کے گھر میں تو نہیں آن پہنچی۔ جب تک اس نے ساری پلیٹیں اور بوتلیں اور چھریاں اور کانٹے اور گلاس اور چمچے ٹرے میں رکھیں تو اس کا مزاج بالکل بگڑ چکا تھا اور اس کا چہرہ لال بھبھوکا ہو رہا تھا۔

وہ بڑبڑانے لگا، ''بدحواس کر ڈالا ہے ان بونوں نے! ان سے یہ بھی نہ ہو سکا کہ یہاں آ کر میرا ہاتھ ہی بٹا دیں۔'' لیکن، ارے یہ کیا! وہ کیا دیکھتا ہے بالن اور ڈوالین دونوں

باورچی خانے کے دروازے میں کھڑے ہیں اور ان کے عقب میں فیلی اور کیلی ہیں۔ اس سے پیشتر کہ وہ مزید ایک لفظ بھی منہ سے نکالتا وہ سارے برتن، ٹرے اور بوتلیں اٹھا کر لے گئے اور چند ہی لمحوں میں کھانے کی میز تیار تھی۔ میز کے ایک کونے پر گنڈالف براجمان تھا اور اس کے اردگرد تیرہ بونے بیٹھے تھے۔ بلبو آتشدان کے پاس ایک چوکی پر بیٹھا ایک بسکٹ چبا رہا تھا (اس کی بھوک نجانے کیوں اڑ گئی تھی) وہ یوں ظاہر کر رہا تھا کہ جیسے ہر چیز معمول کے مطابق ہو اور اس سارے معاملے میں اچنبھے کی کوئی بات نہ ہو۔ بونے کھاتے گئے اور کھاتے گئے اور باتیں کرتے گئے اور باتیں کرتے گئے اور یوں وقت گزرتا گیا۔ بالآخر انھوں نے اپنی کرسیاں پیچھے کھسکائیں اور بلبو پلیٹیں اور گلاس سمیٹنے اٹھا اور شائستگی سے بولا، ''آپ لوگ رات کے کھانے کے لیے تو رکیں گے؟''

تھورین نے جواب دیا، ''ہاں ضرور! اور اس کے بعد تک بھی۔ ہمیں اپنے معاملات طے کرتے کافی دیر لگے گی۔ لیکن پہلے کچھ موسیقی ہو جائے۔ چلو اب میز صاف کرو۔''

یہ سنتے ہی تھورین کے سوا سارے بونے فوراً اٹھے اور میز پر پڑی ہوئی چیزوں کو بلند ڈھیروں کی صورت میں اٹھانے لگے۔ تھورین اپنی اعلیٰ منصب کی بنا پر بیٹھا رہا اور گنڈالف سے باتیں کرتا رہا۔ بونوں نے چیزوں کو ٹرے پر رکھنے کا تکلف تک نہ کیا اور پُھرتی سے ایک کے اوپر دوسری پلیٹ رکھتے گئے اور لاپروائی سے باورچی خانے کے جانب لپکنے لگے۔ بلبو برتن ٹوٹنے کے خوف کے عالم میں ان کے پیچھے بھاگتا رہا اور منمناتا رہا، ''ذرا احتیاط سے.... آپ زحمت نہ کریں.... میں سنبھال لوں گا....'' لیکن بونے اس کی پریشانی سے بے نیاز باآواز بلند گانے لگے۔

گانے کے بول فی البدیہہ تھے جس میں بونے شرارتی انداز میں وہ سب کچھ کہہ رہے تھے جس کا بلبو کو دھڑکا لگا تھا۔ انھیں اندازہ ہو چکا تھا کہ بلبو اپنے برتنوں کے بارے میں کتنا فکرمند ہے اسی لیے ان کے گیت میں کانٹوں چمچوں کا ٹیڑھا ہونا، چھریوں کا کند ہونا اور کانچ کے برتنوں کا چکنا چور ہونا شامل تھا۔ گیت ہی گیت میں صفائی پسند بلبو کو جتایا گیا تھا کہ اس

کے باورچی خانے کے فرش پر گھی، میز پر دودھ اور چاروں جانب چوسی ہوئی ہڈیاں بکھری پڑی ہیں۔ دسترخوان پر شراب کے چھینٹے لگے ہیں اور کھولتے پانی میں برتن دھوتے ہوئے تقریباً سارے ہی برتن ٹوٹ چکے ہیں۔ آخری بند میں بلبو کو تسلی دلائی گئی کہ یہ سب ہنسی مذاق میں کہا جا رہا ہے اور انھیں احساس ہے کہ میز بان کے برتنوں کو احتیاط سے استعمال کیا جانا چاہیے۔

گانا بجانا اپنی جگہ لیکن چند ہی لمحوں میں بلبو کے تمام برتن سلیقے سے صاف کر کے قرینے سے اپنی اپنی جگہ پر رکھ دیئے تھے۔ تاہم بلبو اس دوران اِدھر اُدھر بھاگتا پھرتا تھا کہ کہیں بونے کوئی نقصان تو نہیں کر بیٹھے۔ سکون کا ایک سانس لینے کے بعد وہ واپس لوٹا تو تھورین میز پر پیر رکھے پائپ سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ وہ دھوئیں سے گول گول دائرے بنا کر ہوا میں اڑا رہا تھا اور حیرت کی بات یہ تھی کہ وہ جہاں چاہتا گول مرغولے وہیں کا رخ اختیار کر لیتے.... چمنی میں، کارنس پر پڑی گھڑی کے پیچھے، میز کے نیچے یا چھت کے ساتھ ساتھ چاروں جانب.... گنڈالف بھی اس کے ساتھ دھوئیں کے مرغولے اڑانے میں مقابلہ کر رہا تھا۔ تھورین کا مرغولہ جیسے ہی ہوا میں بلند ہوتا گنڈالف کا ایک مرغولہ تیزی سے بلند ہوتا اور اس کے درمیان سے گزرتا جاتا۔ پھر گنڈالف کا دھوئیں کا مرغولہ سبز رنگ اختیار کرتا اور واپس آ کر گنڈالف کے سر پر منڈلانے لگتا۔ اب اس کے سر کے گرد متعدد دائرے منڈلا رہے تھے۔ دھیمی روشنی میں وہ انتہائی پُراسرار اور عجیب وغریب دکھائی دے رہا تھا۔ بلبو دروازے میں کھڑا مسحور انداز میں اسے تکتا رہا۔ اسے تمباکو کے دھوئیں سے مرغولے بنانا بہت پسند تھا۔ اب وہ خجالت محسوس کر رہا تھا کہ کل صبح وہ اپنے مرغولوں پر کتنا فخر کر رہا تھا۔

پھر تھورین بولا، ”چلو اب کچھ گانا بجانا ہو جائے۔ جاؤ، اپنے ساز لاؤ۔“

کیلی اور فیلی اپنے تھیلوں کی جانب لپکے اور اپنے اکتارے نکال لائے۔ ڈوری، نوری اور اوری اپنے کوٹوں کی جیبوں سے اپنی بنسریاں نکال لائے اور بومبور واپس لوٹا تو اس کے ہاتھ میں ایک ڈھول تھا۔ بیفور اور بوفور اپنی شہنائیاں اٹھا لائے جو وہ باہر اپنی لاٹھیوں کے

ساتھ ہی رکھ آئے تھے۔ ڈوالین بولا، ''اوہ، میں اپنا ساز باہر ہی رکھ آیا۔'' تھورین بولا، ''میرا بھی لیتے آنا۔'' وہ واپس لوٹے تو ان کے ہاتھوں میں ان کے قد کے برابر سارنگیاں تھیں اور ایک ہاتھ میں سبز کپڑے میں لپٹا تھورین کا بربط تھا۔ جیسے ہی تھورین نے خوبصورت سنہری بربط کی تاروں کو چھیڑا، چاروں جانب جادوئی موسیقی کی لہریں پھیلنے لگیں اور بلبوسب کچھ بھول کر کسی انجانی دنیا میں کھو گیا، دریا کے اس پار، پُورن ماشی کے چاند تلے، دُور پہاڑی کے نیچے، اپنے گھر سے بہت دُور....

پہاڑی کی جانب کھلنے والی کھڑکی سے تاریکی ہولے ہولے کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔ اپریل کی ہوا سے لیمپ کا شعلہ ٹمٹما رہا تھا۔ سب بونے اپنے اپنے ساز بجانے لگے اور دیوار پر گنڈالف کی لمبی داڑھی کا سایہ ناچنے لگا۔

پھر کمرہ مکمل طور پر تاریکی میں ڈوب گیا، دیواروں پر ناچتے ہوئے سائے ختم ہو گئے، آتشدان کے شعلے دم توڑ گئے اور وہ سب پھر بھی اپنے ساز بجاتے رہے اور پھر ایک کے بعد دوسرا اور پھر سب بونے گانے لگے، بونوں کی بھاری آواز والے گیت جو وہ اپنے گھروں میں گایا کرتے تھے۔ ان کی موسیقی کے بغیر ان کا گیت جیسا بھی تھا، کچھ ایسا تھا...

سرد دھند میں پوشیدہ پہاڑوں کے پار، قدیم گہرے غاروں میں
ہمیں دن ڈھلنے سے پہلے پہنچنا ہے تاکہ طلسمی سونا حاصل کر سکیں
پرانے زمانے کے بونے طاقتور جادو کیا کرتے تھے
جب ان کے ہتھوڑے گھنٹیوں کی مانند گرتے تھے
ان جگہوں پر جہاں تاریک چیزیں سوتی تھیں
چٹانوں کے نیچے وسیع و عریض سرنگوں میں
قدیم بادشاہ اور پری زادوں کے شہنشاہ کے لیے سونے چاندی کے چمکتے پہاڑ
کُوٹ کُوٹ کر، تراش تراش کر، تلواروں کے دستوں پر جڑاؤ نگینے

ہاروں کی لڑیوں میں، اور تاجوں پر ستاروں کی مانند
اژدھوں کی آتشیں سانس کی مانند تاروں میں پروئی
سورج چاند کی روشنی کی مالا
سرد دھند میں پوشیدہ پہاڑوں کے پار، قدیم گہرے غاروں میں
ہمیں دن ڈھلنے سے پہلے پہنچنا ہے تا کہ ہم اپنا گمشدہ خزانہ حاصل کر سکیں
انھوں نے اپنے لیے سنہری جام ڈھالے، اور سونے کے بربط،
جہاں کوئی انسان نہ گیا تھا، وہ وہیں پر تھے صدیوں تک،
جہاں کسی انسان اور پری زاد کی آواز سنائی نہ دی تھی
بلندیوں پر سرو کے درخت چیخ رہے تھے، رات میں ہوا رو رہی تھی
آگ کے سرخ شعلے پھیل رہے تھے
اور درخت روشنی میں مشعلوں کی مانند دہک رہے تھے
وادیوں میں گھنٹیاں بج رہی تھیں
اور لوگ زرد چہروں کے ساتھ اوپر دیکھ رہے تھے
اور اژدھے کا غیظ وغضب جہنّم کی آگ کی مانند،
ان کے گھروں اور میناروں کو راکھ کر گیا
چاند کی روشنی میں پہاڑوں سے دھواں اٹھ رہا تھا،
بونوں کو اپنی بربادی کی دھمک سنائی دے رہی تھی
وہ اپنی سرنگوں سے بھاگ نکلے،
اور چاند کی روشنی میں اس کے پیروں کے نیچے کچلے گئے
سرد دھند میں پوشیدہ پہاڑوں کے پار، قدیم اور گہرے غاروں میں
ہمیں دن ڈھلنے سے پہلے پہنچنا ہے،
تا کہ اپنے بربط اور اپنے خزانے اس سے واپس لے سکیں

ان کا گیت سنتے ہوئے بلبو کو احساس ہوا کہ اپنے ہاتھ اور اپنی عقل سے تخلیق کردہ چیزوں سے کتنا انس ہوسکتا ہے اور کسی جادو کی طرح اس کے دل میں سفر پر نکل اٹھنے کی شدید تمنا پیدا ہونے لگی۔ اس کے بدن میں ٹوک نسل کا خون جوش مارنے لگا اور اس کا جی چاہا کہ وہ بھی سرد دھند میں پوشیدہ پہاڑ دیکھے، سرو کے درختوں اور آبشاروں کی سرسراہٹ سنے، غاروں میں گھومے، اس کے ہاتھ میں بھی چھڑی کی جگہ تلوار ہو۔ اس نے کھڑکی سے باہر دیکھا۔ درختوں کی چوٹیوں کے اوپر تاریک آسمان میں ستارے جھلملا رہے تھے۔ اس کے ذہن میں بونوں کے تاریک غاروں میں چمکتے دمکتے ہیرے جواہرات کا تصوّر ابھرا۔ پھر دریا کے پار جنگل میں یکا یک ایک شعلہ بلند ہوا، شاید کسی نے آگ جلائی تھی، اور اس کے تصوّر میں آگ کے شعلے برساتے اژدھوں کی تصویر ابھری جو اس کے گاؤں پر آن گرے اور سارے گاؤں کو خاکستر کر گئے۔ اس کے بدن میں کپکپی چھوٹ گئی اور ایک ہی لمحے میں وہ ایک مرتبہ پھر مسٹر بلبو بیگنز بن گیا تھا.... بیگ اینڈ کا رہائشی.... پہاڑی کے نیچے!

وہ یونہی لرزتا کانپتا کھڑا ہوا۔ ایک لمحے کو اس کا جی چاہا کہ لیمپ اٹھا لائے۔ پھر اس کا جی چاہا کہ لیمپ لانے کے بہانے نیچے تہ خانے میں اتر جائے اور اس وقت تک شراب کے کنستروں کے پیچھے چھپا بیٹھا رہے جب تک سارے بونے یہاں سے چلے نہ جائیں۔ پھر اچانک اسے احساس ہوا کہ موسیقی اور گانا بجانا رک گیا تھا اور سب لوگ خاموشی سے اندھیرے میں چمکتی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھ رہے تھے۔

تھورین بولا، ''تم کہاں جا رہے ہو؟'' اس کے لہجے سے لگتا تھا کہ اس نے بلبو کا ارادہ بھانپ لیا تھا۔

بلبو معذرت خواہانہ انداز میں بولا، ''وہ دراصل.... کچھ روشنی نہ ہو جائے؟''

''ہمیں تاریکی پسند ہے۔'' سارے بونے ایک ساتھ بولے، ''تاریکی میں تاریک منصوبے.... ابھی صبح ہونے میں بہت وقت ہے۔''

''ہاں، ہاں، کیوں نہیں۔'' یہ کہتے ہوئے بلبو فوراً بیٹھ گیا۔ اس کا اندازہ چوک گیا اور وہ

سٹول پر بیٹھنے کے بجائے دھڑام سے زمین پر جا گرا۔

''شش۔'' گنڈالف بولا،''تھورین کی بات سنو۔''اور یوں تھورین بولنے لگا۔

''گنڈالف، میرے بونے دوستو اور مسٹر بلبو بیگنز! ہم اس وقت اپنے دوست اور ساتھی منصوبہ ساز کے گھر جمع ہیں، جو ایک معزز اور دلیر ہابٹ ہے۔ میری دعا ہے کہ اس کے پیروں کے بال ہمیشہ سلامت رہیں۔ میں اس کی عمدہ شراب اور پُرجوش مہمان نوازی کو خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں۔'' وہ ایک لمحے کو رکا تا کہ بلبو اس کی احسان مندی کا شکریہ ادا کر سکے۔ لیکن بلبو کا ذہن ان تشکرانہ کلمات سے کہیں دُور تھا۔ وہ تو خود کو''دلیر'' اور اس سے بھی زیادہ ''ساتھی منصوبہ ساز'' پکارے جانے پر احتجاج کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اس کے اضطراب کا یہ حال تھا کہ اس کے ہونٹ ہلتے رہے لیکن اس کے حلق سے کوئی آواز نہ نکلی۔ تھورین بولتا گیا۔

''ہم یہاں جمع ہوئے ہیں کہ اپنے منصوبے، طریقۂ کار، ذرائع اور حکمتِ عملی طے کر سکیں۔ صبح پَو پھوٹنے سے پہلے ہم ایک طویل سفر پر روانہ ہو رہے ہیں۔ ایسا سفر جس سے ہم میں کچھ یا شاید (سوائے ہمارے دوست اور رہنما، انتہائی خوش تدبیر جادوگر گنڈالف کے) ہم سارے کبھی واپس نہ آ سکیں۔ یہ ایک گھمبیر لمحہ ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہم سب اپنے مقصد سے آگاہ ہیں۔ اپنے معزز دوست مسٹر بیگنز اور ہمارے نوجوان ساتھی کیلی اور فیلی کی خاطر میرا خیال ہے کہ موجودہ صورتِ حال میں اس سفر کے بارے میں ایک مختصر بیان موزوں رہے گا....''

تھورین کا اندازِ بیان ایسا ہی تھا۔ اگر اُسے موقع دیا جاتا تو وہ ساری رات یونہی بولتا جاتا اور کسی کو کوئی ایسی بات معلوم نہ ہوتی جو وہ پہلے سے نہ جانتا ہو۔ لیکن اسے موقع ہی نہ ملا۔ بلبو اب مزید برداشت نہ کر سکا۔ ''کبھی واپس نہ آ سکیں'' کے الفاظ سنتے ہی اسے اپنے اندر سے ایک چیخ اُبھرتی محسوس ہوئی اور پھر یکا یک کسی تاریک سرنگ میں سے نمودار ہونے والے سٹیم انجن کی سیٹی کی مانند وہ چیخ بلند ہوئی۔ تمام بونے اچھل پڑے اور میز اُلٹ گئی۔ گنڈالف نے اپنی طلسماتی لاٹھی کے سرے پر ایک نگینہ نصب کیا اور زیرِلب چند الفاظ ادا کیے تو اس پتھر میں

سے آنکھوں کو چندھیا دینے والی روشنی نکلی اور چاروں جانب پھیلتی گئی۔ اس نیلگوں روشنی میں سب نے دیکھا کہ بیچارہ ہابٹ آتشدان کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھا کسی خزاں رسیدہ پتے کی مانند کانپ رہا ہے۔ پھر وہ فرش پر اوندھے منہ گر گیا۔ اس کے منہ سے ''بجلی گری، بجلی گری۔'' کے الفاظ لگاتار نکل رہے تھے۔ بونوں نے اسے اسی حالت میں اٹھایا اور ڈرائنگ روم میں صوفے پر لا کر لٹا دیا۔ اس کے قریب ایک تپائی پر پانی کا گلاس رکھ دیا اور واپس اپنے منصوبوں کی جانب لوٹ گئے۔

گنڈالف بولا، ''ہمارا دوست جلد پریشان ہو جاتا ہے! اسے عجیب سے دورے پڑتے ہیں۔ لیکن اپنے کام میں انتہائی ماہر ہے.... انتہائی ماہر ہے اور مشکل وقت میں کسی اژدھے کی مانند خونخوار ہو سکتا ہے۔''

اگر آپ نے کبھی کسی اژدھے کو مشکل وقت میں دیکھا ہو تو آپ جانتے ہوں گے کہ کسی ہابٹ سے متعلق یہ بات کہنا پرلے درجے کی مبالغہ آرائی تھی۔ حتیٰ کہ بلبو بیگنز کے پڑدادے کے چچا بُل روَرر کے متعلق بھی نہیں۔ حالانکہ وہ ہابٹ ہوتے ہوئے بھی اتنا قدآور تھا کہ گھڑسواری کر سکتا تھا۔ کوہِ گرامَ پر ہونے والی گرین فیلڈز کی جنگ میں بُل روَرر بھتنوں کی صفوں میں گھس گیا تھا اور اپنے چوبی لٹھ کے ایک ہی وار سے بھتنوں کے بادشاہ گولفم بول کا سر گردن سے جدا کر ڈالا۔ اس کا سر ایک سو گز تک ہوا میں اڑتا گیا اور ایک خرگوش کی بھٹ میں جا گرا۔ یوں یہ جنگ جیت لی گئی اور ساتھ ہی گولف کا کھیل بھی ایجاد ہوا۔

بہر حال اس دوران شہ زور بُل روَرر کی نسل کا وارث اپنے ڈرائنگ روم کے صوفے پر اپنے ہوش سنبھال رہا تھا۔ چند لمحوں بعد جب اس کے حواس بحال ہوئے تو وہ دھیرے دھیرے اس کمرے کی جانب بڑھا جہاں وہ سب جمع تھے۔ گلوئین بول رہا تھا، ''ہونہہ۔ کیا وہ یہ کام کر بھی سکتا ہے؟ گنڈالف کا یہ کہنا کہ وہ ہابٹ بہت خونخوار ہے اپنی جگہ درست ہو گا، لیکن اگر کسی وقت اس کی ایسی ہی ایک چیخ نکل گئی تو وہ اژدھا اور اس کی سات نسلیں جاگ جائیں گی اور ہم سب کی بوٹی بوٹی ہو جائے گی۔ مجھے تو لگتا ہے اس کی چیخ جوش و جذبے کی بنا پر نہیں بلکہ خوف

سے نکلی ہوگی۔ اگر باہر دروازے پر وہ نشان نہ ہوتا تو مجھے یقین تھا کہ ہم کسی غلط گھر میں آن پہنچے ہیں۔ جب میری پہلی نظر اس چھوٹے سے ہابٹ پر پڑی جب وہ دروازے کے سامنے پھدک رہا تھا مجھے اسی وقت شک ہو گیا تھا۔ یہ تو ماہر چور کی بجائے پنساری لگتا ہے۔"

اس پر مسٹر بیگنز کمرے میں داخل ہو گیا۔ اس کے اندر ٹوک نسل کا خون کھولنے لگا تھا۔ یکایک اسے احساس ہوا کہ وہ خود کو خونخوار ثابت کرنے کے لیے نرم بستر اور گرم ناشتے کو تیاگ دے گا اور یوں بھی "چھوٹے سے ہابٹ" اور "پھدک رہا تھا" کے الفاظ نے اسے خونخوار بنا ہی ڈالا تھا۔ بعد میں متعدد مرتبہ اس کے اندر کا بیگنز اس کے اگلے قدم پر پشیمانی کا شکار ہوا اور کہنے لگا، "بلبو، تم کتنے احمق تھے! تم سوچے سمجھے بنا کمرے میں داخل ہو گئے اور اس معاملے میں اپنی ٹانگ اڑا ڈالی۔"

لیکن اس وقت وہ بولا، "معذرت چاہتا ہوں، لیکن میں آپ کی باتیں سن چکا ہوں۔ اگرچہ میں اس بات کا دعویٰ تو نہیں کرتا کہ میں آپ کی گفتگو سمجھ چکا ہوں یا یہ جان گیا ہوں کہ آپ مجھے ماہر چور کیوں کہہ رہے ہیں، لیکن ایک بات ظاہر ہے کہ آپ کو میری قابلیت پر قطعاً اعتبار نہیں ہے۔ لیکن میں آپ کو دکھا سکتا ہوں کہ میرے دروازے پر کوئی نشان نہیں ہے۔ دروازہ ابھی پچھلے ہفتے ہی رنگ ہوا ہے اور مجھے یقین ہے کہ آپ غلط گھر میں آ گئے ہیں۔ مجھے تو اسی وقت شک ہو گیا تھا جب میں نے گھر کے باہر آپ کی مضحکہ خیز شکلیں دیکھی تھیں۔ لیکن ایک لمحے کو یہی جانیں کہ یہی درست گھر ہے۔ مجھے بتائیں کہ آپ مجھ سے کیا کام لینا چاہتے ہیں اور میں اپنی پوری کوشش کروں گا۔ چاہے مجھے یہاں سے مشرق تک ہی کیوں نہ جانا پڑے اور چاہے مجھے آخری صحرا کے بن کیچوؤں سے ہی کیوں نہ لڑنا پڑے۔ آپ شاید نہیں جانتے کہ میرے پڑدادا کے چچا بُلر رورَر ٹوک نے...."

گلوئین اس کی بات کاٹتا ہوا بولا، "ہم جانتے ہیں، لیکن یہ پرانی باتیں ہیں۔ میں تمھارے بارے میں بات کر رہا ہوں اور یقین کرو دروازے پر نشان موجود ہے۔ وہی نشان جس کا ایک ہی مطلب ہوتا ہے کہ یہاں کسی بھی خطرناک مہم کے لیے اور مناسب معاوضے کے

عوض ماہر چور دستیاب ہے۔ عموماً ایسا ہی لکھا جاتا ہے۔ چاہیں تو ماہر چور کی جگہ خزانوں کا ماہر کھوجی بھی لکھ سکتے ہیں۔ کچھ ایسا ہی لکھتے ہیں۔ لیکن ہمیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ گنڈالف نے ہمیں بتایا تھا کہ اس علاقے میں ایسا ایک شخص کام کی تلاش میں ہے اور اسی لیے اس نے بدھ کے روز یہاں ملاقات کا بندوبست کیا تھا۔''

اس پر گنڈالف سختی سے بول اٹھا، ''نشان ہے، میں نے خود ہی نشان بنایا تھا اور اس کی ایک وجہ بھی تھی۔ تم لوگوں نے اپنی مہم کے لیے مجھ سے چودھواں شخص تلاش کرنے کا کہا تھا اور میں نے بلبو بیگنز کا انتخاب کیا ہے۔ اگر تم میں سے کوئی میرے انتخاب کو غلط سمجھتا ہے تو اس مہم میں تم لوگ تیرہ افراد ہی جا سکتے ہو، تم خوب جانتے ہو کہ تیرہ کا ہندسہ کیسی نحوست کا مظہر ہوتا ہے.... یا واپس جا کر دوبارہ کوئلے کی کان کنی شروع کر دو۔'' یہ کہتے ہوئے وہ ایسی خشمگیں نگاہوں سے گلوئین کو گھورنے لگا جو بیچارہ سر جھکا کر دبکا بیٹھ رہا۔ بلبو نے بھی کچھ کہنے کو منہ کھولا ہی تھا کہ گنڈالف اس کی جانب مڑا اور اپنی گھنی بھنوؤں کے نیچے سے یوں گھورا کہ بلبو بھی اپنی جگہ چپکا ہو رہا۔ گنڈالف بولا، ''ہاں یہ بہتر ہے۔ بس اب مزید کوئی بحث نہیں ہوگی۔ مسٹر بیگنز کو میں نے چُنا ہے اور تم سب کے لیے یہی کافی ہونا چاہیے۔ اگر میں کہتا ہوں کہ وہ ایک ماہر چور ہے تو وہ ایک ماہر چور ہے یا کم از کم وقت آنے پر ضرور بن جائے گا۔ اس میں بہت سی صلاحیتیں ہیں جن کے بارے میں تم لوگ نہیں جانتے اور کچھ ایسی خوبیاں بھی ہیں جن کے بارے میں وہ خود بھی نہیں جانتا۔ شاید ایک روز آئے گا کہ تم سب میرا شکریہ ادا کرو گے۔ بلبو، جاؤ اور ایک لیمپ لاؤ تا کہ ہم معاملے پر روشنی ڈال سکیں۔''

جب میز پر سرخ شیڈ والا ایک لیمپ رکھ دیا گیا تو گنڈالف نے ایک چرمی پارچہ پھیلایا جو بظاہر ایک نقشہ دکھائی دیتا تھا۔

سب بونے اس کے بارے میں سوالات پوچھنے لگے تو گنڈالف بولا، ''تھورین، یہ تمھارے دادا تھرور نے بنایا تھا۔ یہ پہاڑ کا نقشہ ہے۔''

تھورین نے ایک نگاہ نقشے پر ڈالی اور بیزاری سے بولا، ''یہ نقشہ ہمارے کسی کام کا نہیں

ہے۔ مجھے پہاڑ اور اس کے گرد ونواح کا علاقہ بخوبی یاد ہے۔ میں جانتا ہوں کہ بن سیاہ کہاں ہے اور پژمردہ جھاڑ کہاں ہے جہاں اژدھے انڈے دیا کرتے تھے۔''

بالین بولا، ''یہاں پہاڑ پر اژدھے کا نشان بنا ہے۔ لیکن اس نشان کے بغیر بھی اژدھے کو ڈھونڈنا مشکل نہ ہوگا.... اگر ہم وہاں تک پہنچ گئے تو....''

جادوگر بولا، ''تمھیں شاید معلوم نہیں کہ پہاڑ میں ایک خفیہ راستہ بھی ہے۔ یہاں مغرب کی جانب قدیم زبان کے اس نشان کو دیکھ رہے ہو جس کے ساتھ ایک ہاتھ بھی بنا ہے جو اس کی جانب اشارہ کر رہا ہے۔ یہ نشان اس خفیہ راستے کی نشاندہی کر رہا ہے جو زیریں ہالوں کو جاتا ہے۔''

تھورین بولا، ''کسی زمانے میں یہ راستہ خفیہ ہوتا ہوگا۔ اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ یہ آج بھی خفیہ ہے؟ سماگ سالہا سال سے وہاں رہ رہا ہے اب تک تو اسے ان غاروں کے چپے چپے سے واقفیت ہو چکی ہوگی۔''

''ہو سکتا ہے۔ لیکن وہ یقیناً اسے استعمال نہ کر پایا ہوگا۔''

''کیوں؟''

''اس لیے کہ یہ راستہ بہت تنگ ہے۔ دیکھو، یہاں لکھا ہے، ''دروازہ اونچائی میں پانچ فٹ اور چوڑائی میں تین افراد کے برابر'' اور سماگ کم عمری میں بھی اس دروازے سے نہ گزر پاتا ہوگا اور اب ڈیل کے سیکڑوں بونوں اور انسانوں کو کھانے کے بعد تو وہ یقیناً اس تنگ دروازے میں سے قطعاً گزر نہ سکتا ہوگا۔''

بلبو، جسے اژدھوں کا کوئی تجربہ نہ تھا اور جو اپنی زندگی میں صرف اپنے گھر کی سرنگ ہی دیکھ پایا تھا، ہولے سے بولا، ''مجھے تو یہ بہت بڑی غار دکھائی دے رہی ہے۔'' اس کے دل میں اب اس مہم کے بارے میں تجسّس اور دلچسپی پیدا ہو رہی تھی، اس لیے وہ بھول گیا کہ اسے چپ رہنا ہوگا۔ یوں بھی اسے نقشوں سے بہت رغبت تھی۔ اس کے گھر کے ہال میں علاقے کا ایک بڑا نقشہ آویزاں تھا جس پر چہل قدمی کے لیے اپنی پسندیدہ پگڈنڈیوں پر اس نے لال رنگ

سے نشان لگا رکھے تھے۔ یاد رہے کہ وہ ایک چھوٹا سا ہابٹ ہی تو تھا اس لیے پوچھے بنا نہ رہ سکا، ''اس اژدھے کے علاوہ باہر کے سب لوگوں سے یہ دروازہ آخر کیونکر پوشیدہ رکھا جا سکتا ہے؟''

گنڈالف بولا، ''بہت سے طریقے ہیں۔ لیکن یہ دروازہ کیسے پوشیدہ رکھا گیا ہے یہ تو وہاں پہنچ کر ہی معلوم ہوگا۔ نقشے پر درج تحریر کے مطابق یہ بند دروازہ ایسے انداز میں بنایا گیا ہے کہ پہاڑ کا ہی ایک حصّہ دکھائی دے۔ بونوں کا ایسا ہی طرزِ تعمیر ہوا کرتا ہے۔ کیوں؟ میں درست کہہ رہا ہوں؟''

تھورین نے جواب دیا، ''ہاں، بالکل۔''

گنڈالف بولتا گیا، ''اور ایک بات میں بتانا بھول گیا، اس نقشے کے ساتھ ایک چابی بھی ہے، ایک چھوٹی سی چابی۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے ایک لمبی پتلی اور پیچ دار دندانوں والی چابی تھورین کو تھما دی، ''اسے حفاظت سے رکھنا۔''

''یقیناً۔'' یہ کہتے ہوئے تھورین نے چابی اپنے گلے میں لٹکی ایک سنہری زنجیر میں ڈال لی۔ ''اب امید بندھنے لگی ہے اور حالات بہتر لگ رہے ہیں۔ ابھی تک تو ہمیں کچھ معلوم نہ تھا کہ کیا کرنا ہے۔ ہمارا خیال تھا کہ مشرق کی جانب لمبی جھیل تک چلتے جائیں گے اور اس کے بعد مشکلات شروع ہو جائیں گی۔''

گنڈالف اس کی بات کاٹتے ہوئے بول اٹھا، ''مشرق کی جانب جانے والے راستوں کے بارے میں میری اطلاعات کے مطابق مشکلات لمبی جھیل سے کہیں پہلے ہی شروع ہو جائیں گی۔''

تھورین بولتا گیا، ''اس کے بعد ہم دریائے رواں کے ساتھ ساتھ جا سکتے ہیں اور ڈیل کے کھنڈرات تک جا پہنچیں گے جو اس پہاڑ کے سائے میں واقع ایک قدیم شہر تھا۔ لیکن ہم میں سے کسی کو بھی بیرونی دروازے کا خیال پسند نہیں آیا۔ دریا یہیں سے پہاڑ کے جنوب میں کھڑی چٹان سے نکلتا ہے اور یہی وہ جگہ ہے جہاں سے اژدھا نمودار ہوتا ہے.... اگر اس نے اپنے معمولات بدل نہ ڈالے ہوں تو....''

جادوگر بولا، ''جب تک ہمارے ساتھ کوئی لڑاکا یا جنگجو نہ ہو اژدھے سے مقابلے کا منصوبہ بے سُود ہے۔ میں نے بہت تلاش کیا لیکن سارے جنگجو دُور دراز کے علاقوں میں ایک دوسرے سے برسرِ پیکار ہیں اور اب اس علاقے میں کوئی لڑاکے نہیں پائے جاتے۔ ان علاقوں میں تلواریں کند ہو چکی ہیں، کلہاڑوں سے درخت کاٹے جاتے ہیں اور ڈھالوں میں بچّے سلاتے ہیں یا انھیں برتنوں کو ڈھانپنے کے لیے ستعمال کیا جاتا ہے اور اژدھے یہاں سے اتنے دُور ہیں کہ بیشتر لوگ اب انھیں محض داستانوں کے کردار سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے چوری کا طریقہ استعمال کرنے کا فیصلہ کیا۔ خصوصاً جب مجھے اس پوشیدہ دروازے کا خیال آیا اور یہ ہیں، ہمارے مسٹر بلبو بیگنز، ہمارے منتخب کردہ ماہر چور! اب ہمیں اپنے سفر کے بارے میں منصوبہ بندی کرنی ہے۔''

تھورین بولا، ''ٹھیک ہے۔ میرے خیال میں ہمارے ماہر چور کو اپنے خیالات اور ماہرانہ مشوروں سے ہمیں آگاہ کرنا چاہیے۔'' یہ کہتے ہوئے وہ طنزیہ نگاہوں سے بلبو کی جانب دیکھنے لگا۔

اگرچہ بلبو اندر سے پریشان اور مضطرب ہونے لگا تھا، تاہم ٹوک نسل کا خون اسے حالات کے ساتھ چلنے پر مجبور کیے جا رہا تھا۔ ''سب سے پہلے تو میں اس معاملے کے بارے میں مزید کچھ جاننا چاہوں گا۔ میرا مطلب ہے اس خزانے اور اس اژدھے کے بارے میں.... کہ یہ خزانہ کہاں سے آیا، اس کا مالک کون ہے اور ایسی ہی دیگر تفصیلات۔''

تھورین بول اٹھا، ''اوہ میرے خدا، تم نے نقشہ نہیں دیکھا؟ تم نے ہمارا گیت نہیں سنا؟ ہم پچھلے کئی گھنٹوں سے کیا باتیں کرتے رہے ہیں؟''

''پھر بھی میں چاہتا ہوں کہ مجھے آسان زبان میں بتایا جائے۔'' بلبو ڈھٹائی سے بولا۔ اب وہ کاروباری لہجے میں بات کر رہا تھا جو عموماً وہ ان لوگوں کے لیے استعمال کیا کرتا جو اس سے رقم ادھار مانگنے آیا کرتے تھے۔ وہ اپنی حرکات وسکنات سے عقل مند، محتاط اور پیشہ ور دکھائی دینا چاہتا تھا اور گنڈالف کی سفارش پر پورا اترنا چاہتا تھا۔ ''اور میں خطرات، اخراجات،

اوقاتِ کار، معاوضے اور دیگر معاملات کے بارے میں بھی جاننا چاہوں گا۔'' اس کا دراصل مقصد یہ جاننا تھا کہ ''اس سارے معاملے میں مجھے کیا ملے گا؟ اور کیا میں اس مہم سے زندہ لوٹ بھی پاؤں گا؟''

تھورین بولا، ''ٹھیک ہے، میں بتاتا ہوں۔ بہت عرصہ قبل میرے دادا تھرور کے زمانے میں ہمارے قبیلے کو شمال سے نکال دیا گیا تھا اور وہ اپنی ساری دولت اور ساز وسامان کے ساتھ نقشے پر اس پہاڑ کے قریب آن بسے۔ یہ پہاڑ میرے آبا وٗاجداد کے ایک بزرگ تھرین نے دریافت کیا تھا۔ لیکن اب انھوں نے اس پہاڑ میں کان کنی کرنا شروع کی اور زمین کے اندر طویل سرنگیں کھود کر وسیع وعریض ہال اور عظیم کارخانے بنائے۔ اس کام کے دوران انھیں بڑی مقدار میں سونا اور جواہرات بھی ملے۔ بہرحال، وہ جلد ہی انتہائی دولت مند اور مشہور ہو گئے اور میرا دادا پہاڑ کا بادشاہ بن گیا اور جنوب میں رہنے والے انسانوں میں عزّت اور تکریم کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا جن کی آبادیاں دریائے رواں سے پھیلتی ہوئی پہاڑ کے قریب کی وادیوں تک آن پہنچی تھیں۔ اسی دور میں انھوں نے ڈیل کے شہر کی بنیاد رکھی۔ اس زمانے میں انسانوں کے بادشاہ ہمارے کارندوں کو کام کے لیے بلاتے تھے اور ان میں سب سے کم مہارت کے حامل کارندے بھی ان بادشاہوں سے بڑے انعام اکرام پاتے تھے۔ انسانوں کے باپ ہمیں اپنے بیٹوں کو شاگردی میں لینے کے لیے التجا کرتے تھے اور ہمیں اس کا معاوضہ بھی دیتے تھے، خصوصاً کھانے پینے کی اشیا کی صورت میں جن کی پیداوار میں بونوں کو کوئی خاص دلچسپی نہ تھی۔ مختصراً ہمارے لیے وہ بہت اچھا دور تھا، ہم میں غریب ترین بونے کے پاس بھی اپنے استعمال اور دوسروں کو قرض دینے کے لیے رقم ہوا کرتی تھی۔ فرصت کے اوقات میں ہم صرف تفریحِ طبع کے لیے خوبصورت چیزیں بنایا کرتے تھے، خاص طور پر ایسے شاندار اور طلسمی کھلونے بناتے کہ ان کی نظیر دنیا بھر میں نہیں ملتی۔ میرے دادا کے زیرِ زمین ہال زرّہ بکتروں اور ہیرے جواہرات اور مجسموں اور طلائی برتنوں سے بھر گئے اور ڈیل کے بازاروں میں بکنے والے ہمارے کھلونوں کی شہرت پورے شمال میں پھیل گئی۔

بلا شبہ یہی سب کچھ ہی اژدھے کو وہاں کھینچ لایا۔ تم جانتے ہو کہ اژدھوں کو انسان اور پری زاد اور بونے جہاں بھی ملیں وہ ان کا سونا چاندی اور جواہرات لُوٹ لیتے ہیں اور پھر وہ لوٹ مار کے اس خزانے پر مرتے دم تک کنڈلی مارے پہرہ دیتے ہیں، جو کافی طویل عرصہ ہوتا ہے کیونکہ وہ ہمیشہ زندہ رہتے ہیں، جب تک کہ کوئی انھیں مار نہ ڈالے۔ وہ اس خزانے میں سے ایک پھوٹی کوڑی بھی خرچ نہیں کرتے۔ انھیں تو اچھے برے کی کوئی پہچان بھی نہیں ہوتی۔ البتہ انھیں سونے چاندی کی قیمت کا خوب اندازہ ہوتا ہے۔ اپنے ہاتھ سے تو وہ دو ٹکے کا کام بھی نہیں کر سکتے۔ اپنی کھال کا ایک ڈھیلا چانا تک ٹھیک نہیں کر سکتے۔ ان دنوں میں شمالی علاقوں میں بہت سے اژدھے ہوتے تھے، شاید سونے کی قلت ہونے لگی تھی یا سارے بونے یا تو جنوب کی جانب بھاگ گئے تھے یا اژدھوں کے ہاتھوں مارے گئے تھے اور یا پھر خود اژدھوں کے ہاتھوں پھیلائی تباہی اور غارت گری کے باعث حالات مخدوش اور سنگین ہوتے گئے۔ ان میں ایک اژدھا خاص طور پر لالچی، خوفناک اور خبیث تھا جس کا نام سماگ تھا۔ ایک دن وہ ہوا میں اڑا اور جنوب میں آن پہنچا۔ پہلے پہل تو ہمیں یوں لگا جیسے شمال سے کوئی طوفان آ رہا ہے اور پہاڑ پر اُگے سرو کے درخت ہوا میں جھولنے لگے۔ کچھ بونے غاروں سے باہر تھے۔ خوش قسمتی سے میں بھی ان میں شامل تھا کیونکہ میں شروع ہی سے کھیل کود اور سیر سپاٹے کا شوقین تھا اور اسی شوق نے اس روز میری جان بچائی۔ بہرحال ہم نے دُور سے اژدھے کو شعلوں کی بارش کے درمیان پہاڑ کی چوٹی پر اترتے دیکھا۔ پھر وہ پہاڑ کی ڈھلوان سے نیچے آیا اور جب وہ جنگل کے قریب پہنچا تو سارے درختوں میں آگ لگ گئی۔ اس وقت تک ڈیل کی ساری گھنٹیاں بجنے لگیں تھیں اور سارے جنگجو معرکے کی تیاریاں کرنے لگے تھے۔ بونے اپنے غار کے بڑے دروازے سے باہر لپکے تو وہاں اژدھا ان کا منتظر تھا۔ ان میں ایک بھی زندہ نہ بچا۔ شعلوں کی حدّت سے دریا کا پانی بھاپ بن کر اڑ گیا اور سارے شہر پر دھند چھا گئی۔ اس دھند میں اژدھے نے شہر پر حملہ کر دیا اور تقریباً سارے جنگجوؤں کو جلا کر خاکستر کر دیا۔ وہی کچھ ہوا جو اس زمانے میں ایسے واقعات میں ہوا کرتا تھا۔ وہ رینگتا ہوا بڑے دروازے سے اندر

داخل ہوا اور تمام ہالوں، راہداریوں، غلام گردشوں، سرنگوں، تہ خانوں اور کمروں میں قتل و غارت گری پھیلا دی۔ اس کے بعد اندر کوئی بھی بونا زندہ نہ بچا۔ وہ ہمارے سارے خزانے پر قابض ہو گیا۔ پھر جیسا کہ اژدھوں کی عادت ہے اس نے سارا خزانہ ایک بڑے ہال میں جمع کر لیا اور اب وہ وہاں سونے چاندی کے اس پہاڑ پر سوتا ہے۔ بعد میں وہ راتوں کو رینگتا ہوا باہر نکلتا تھا اور ڈیل سے لوگوں کو خصوصاً نوجوان دوشیزاؤں کو اٹھا لے جاتا اور انھیں کھا جاتا۔ حتیٰ کہ ڈیل مکمل طور پر تباہ و برباد ہو گیا اور اس کے تمام باسی یا تو اژدھے کا نوالہ بن گئے اور یا وہاں سے نقل مکانی کر گئے۔ اب وہاں کیا حالات ہیں مجھے یقینی طور پر تو معلوم نہیں لیکن میرا اندازہ ہے کہ آج کل اس پہاڑ کے قریب ترین رہنے والے بھی لمبی جھیل کے کنارے پر ہی رہتے ہیں۔ اس تباہی سے دُور ہم چند بونے جو بچ گئے تھے چھپ چھپ کر روتے رہے اور سماگ کو بددعائیں دیتے رہے۔ پھر وہاں میرا باپ اور میرا دادا ہمیں آن ملے جن کی داڑھیاں جھلس چکی تھیں۔ ان کی حالت بہت خراب تھی لیکن وہ خاموش تھے۔ جب میں نے ان سے پوچھا کہ وہ کیسے بچ نکلے تو انھوں میں مجھے اپنی زبان بند رکھنے کو کہا اور کہا کہ ایک روز مناسب وقت پر میں سب جان جاؤں گا۔ اس کے بعد ہم وہاں سے روانہ ہو گئے اور اِدھر اُدھر چھوٹے موٹے کاموں سے اپنا گزر بسر کرنے لگے۔ کبھی کبھار تو ہمیں لوہاروں یا کان کنوں کا کام بھی کرنا پڑتا۔ لیکن ہمیں اپنا کھویا ہوا خزانہ کبھی نہ بھولا۔ مجھے اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں کہ اب جب ہم کافی دولت جمع کر چکے ہیں (یہ کہتے ہوئے تھورین بے اختیار اپنے گلے میں پہنی سنہری زنجیر کو سہلانے لگا) پھر بھی ہم اپنا خزانہ واپس لینا چاہتے ہیں اور ہو سکے تو سماگ سے انتقام بھی لینا چاہتے ہیں۔

میں اکثر اپنے باپ اور اپنے دادا کے بچ نکلنے کے بارے میں سوچتا ہوں۔ اب مجھے احساس ہوا ہے کہ انھوں نے ایک پوشیدہ دروازے کا بندوبست کر رکھا ہو گا جس کے بارے میں صرف وہی جانتے تھے۔ لیکن انھوں نے شاید ایک نقشہ بھی تیار کر رکھا تھا۔ لیکن میں یہ جاننا چاہوں گا کہ وہ نقشہ گنڈالف کے ہاتھ کیسے لگا اور مجھ تک کیوں نہ پہنچا جو اس نقشے کا حقیقی وارث تھا؟''

گنڈالف بولا، ''یہ نقشہ میرے ہاتھ نہیں لگا، یہ میرے حوالے گیا تھا۔ تمھیں یاد ہے کہ تمھارا دادا تھرور موریا کی کانوں میں آزوگ نامی ایک بھتنے کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔''

تھورین بولا، ''ہاں، آزوگ پر لعنت ہو۔''

''اور تھرین تمھارا باپ آج سے ٹھیک ایک سو سال پہلے اکیس اپریل کے دن کہیں چلا گیا تھا اور اس کے بعد اسے کسی نے نہ دیکھا۔''

تھورین نے جواب دیا، ''ہاں یہ درست ہے۔''

''تمھارے باپ نے یہ نقشہ تمھیں دینے کے لیے میرے سپرد کیا تھا اور اگر میں اسے تمھارے حوالے کرنے میں مناسب وقت اور موقع کا منتظر رہا تو اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے کیونکہ تمھیں ڈھونڈنے میں مجھے نجانے کہاں کہاں کی خاک نہ چھاننی پڑی۔ تمھارے باپ نے جب یہ کاغذ مجھے دیا تو وہ اپنا نام تک بھول چکا تھا اور اس نے مجھے تمھارا بھی نام نہ بتایا تھا۔ سو اصولی طور پر تو میرا خیال ہے کہ میں تشکر کا حقدار ہوں۔ ''یہ لو۔'' یہ کہتے ہوئے گنڈالف نے نقشہ تھورین کو تھما دیا۔

تھورین بولا، ''میں سمجھا نہیں۔'' اور بلبو کے ذہن میں بھی یہی بات آئی۔ گنڈالف کی بات اسے بھی سمجھ نہ آئی تھی۔

گنڈالف دِھیرے سے اور سنجیدگی سے بولا، ''جب تمھارا دادا موریا کی کانوں کو روانہ ہوا تو اس نے یہ نقشہ تمھارے باپ کے حوالے کر دیا تھا۔ جب تمھارا دادا مارا گیا تو تمھارا باپ بھی یہ نقشہ لیے اپنی قسمت آزمانے نکل کھڑا ہوا۔ اسے بھی متعدد مشکلات اور ابتلاؤں سے گزرنا پڑا لیکن وہ پہاڑ کے قریب بھی نہ پہنچ سکا۔ معلوم نہیں وہ وہاں کیسے پہنچا لیکن مجھے وہ روحوں سے باتیں کرنے والے ایک ساحر ساؤرون کی قید میں ملا تھا۔''

تھورین ایک جھرجھری لے کر بولا، ''لیکن تم وہاں کیا کر رہے تھے؟'' دوسرے بونے بھی ساؤرون کے ذکر پر خوف سے کپکپا اٹھے۔

''اس کی پروا نہ کرو! میں حسبِ معمول کچھ تلاش کر رہا تھا۔ لیکن وہ معاملہ کچھ زیادہ ہی

خطرناک تھا۔ خود میں بھی بمشکلِ تمام اپنی جان بچا کر وہاں سے نکل پایا تھا۔ میں نے تمھارے باپ کو بچانے کی کوشش کی لیکن بہت دیر ہو چکی تھی۔ وہ اپنے حواس کھو بیٹھا تھا اور سوائے اس نقشے اور اس چابی کے سب کچھ بھول بیٹھا تھا۔''

تھورین بولا، ''موریا کے بھتنوں سے تو ہم حساب برابر کر چکے ہیں۔ اب ہمیں ساؤرون کے بارے میں سوچنا پڑے گا۔''

''پاگل مت بنو! اگر ایک مرتبہ پھر دنیا کے چاروں کونوں سے تمام بونے بھی جمع ہو جائیں تو ان سب بونوں کی طاقت ساؤرون کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ تمھارے باپ کی ایک ہی خواہش تھی کہ اس کا بیٹا اس نقشے کو پڑھے اور اس چابی کو استعمال کرے۔ فی الحال وہ اژدھا اور پہاڑ ہی تمھارے لیے کافی ہیں۔''

بلبو نے سوچا، ''بالکل، بالکل....'' لیکن اسے اندازہ ہی نہ ہوا کہ وہ بآوازِ بلند بول اٹھا تھا۔

''کیا مطلب بالکل؟'' وہ سارے اس کی جانب مڑے اور بلبو گڑبڑا کر بولا، ''میرا مطلب ہے کہ آپ کو میری بات پر بھی توجہ دینی چاہیے۔''

''کونسی بات؟''

''میں کہنا چاہتا ہوں کہ آپ کو مشرق کی جانب جانا چاہیے اور وہاں جا کر جائزہ لینا چاہیے۔ آخر وہاں ایک پوشیدہ دروازہ بھی تو ہے اور میرا خیال ہے وہ اژدھا کبھی نہ کبھی تو سوتا یا باہر نکلتا ہوگا۔ اگر آپ سب وہاں دروازے کے قریب جا کر بیٹھ جائیں تو کوئی نہ کوئی ترکیب نکل ہی آئے گی۔ ارے، دیکھیں تو؟ باتیں کرتے کرتے کتنی دیر ہوگئی ہے۔ کیا خیال ہے اب سویا جائے تاکہ کل صبح سویرے تازہ دم روانہ ہوسکیں؟ میں آپ کے جانے سے پہلے آپ کے لیے ناشتے کا بندوبست کر رکھوں گا۔''

تھورین بولا، ''میرے خیال میں تم کہنا چاہتے ہو، ہمارے جانے سے پہلے۔'' ''تم ہی تو چور ہو اور دروازے کی دہلیز پر بیٹھنا اور اندر داخل ہونے کی ترکیب نکالنا تمھارا ہی تو کام ہے۔

لیکن میں سونے اور صبح کے ناشتے والی بات سے اتفاق کرتا ہوں۔ مجھے سفر پر روانہ ہونے سے پہلے چھ انڈے اور گوشت کے قتلے پسند ہیں اور دھیان رہے کہ انڈے تلے ہوں اور ان کی زردی ٹوٹنے نہ پائے۔''

جب سارے بونوں نے شکریئے کا ایک لفظ ادا کیے بغیر اپنے اپنے لیے ناشتے کی پسندیدہ اشیا بتا ڈالی (جس پر بلبو دل ہی دل میں بہت جز بز ہوا) تو وہ سب میز سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ بلبو کو ان سب کے لیے سونے کا بندوبست کرنا پڑا۔ کچھ کو کرسیوں اور کچھ کو صوفوں پر بستر بنا دیئے گئے اور آخر میں وہ بڑبڑاتا ہوا اپنے کمرے میں اپنے بستر پر جا گرا۔ سونے سے پہلے وہ ایک بات کا تہیّہ کر چکا تھا کہ وہ صبح سویرے اٹھ کر ان سب کے لیے ناشتے کی تیاری کا کوئی ارادہ نہ رکھتا تھا۔ ٹوک خاندان کی مہم جوئی اب ماند پڑنے لگی تھی اور اسے اب تقریباً یقین ہو چلا تھا کہ وہ کسی الٹی سیدھی مہم پر روانہ نہیں ہوگا۔ وہ بستر پر لیٹا تھا کہ اسے ساتھ کے کمرے سے تھورین کے گنگنانے کی آواز سنائی دی۔

سرد دھند میں پوشیدہ پہاڑوں کے پار، قدیم گہرے غاروں میں
ہمیں دن ڈھلنے سے پہلے پہنچنا ہے
تاکہ اپنے بربط اور اپنے خزانے اس سے واپس لے سکیں

یہ گنگناہٹ سنتے سنتے بلبو نیند کی آغوش میں چلا گیا اور ساری رات اسے عجیب عجیب سے خواب آتے رہے۔ صبح جب اس کی آنکھ کھلی تو نجانے کب کا دن چڑھ چکا تھا۔

دوسرا باب

بھنا ہوا گوشت

بلبو لپک کر بستر سے اترا، اپنا ڈریسنگ گاؤن پہنا اور ڈائننگ روم میں پہنچا۔ وہاں کوئی نہیں تھا لیکن صاف ظاہر تھا کہ کسی نے درجنوں لوگوں کے لیے جلدی میں پر تکلف ناشتے کا بندوبست کیا تھا۔ پورے کمرے میں گندگی پھیلی تھا اور چاروں جانب استعمال شدہ برتنوں کے ڈھیر دکھائی دے رہے تھے۔ باورچی خانے میں ایک بھی برتن صاف نہ تھا۔ جب وہ برتن دھونے لگا تو اسے یقین ہوا کہ گزشتہ رات کی محفل دراصل حقیقت تھی اور اس کے تخیل کا کوئی واہمہ نہ تھا جیسا کہ وہ امید لگا بیٹھا تھا۔ اسے ایک بات کی تسلی تھی کہ وہ اسے جگائے بنا اور اس کے بغیر ہی روانہ ہو گئے تھے (ان کے یوں شکریہ ادا کیے بغیر چل دینے پر وہ بہر حال نالاں تھا) اس کے باوجود بلبو کو حیرت ہو رہی تھی کہ اس کے دل میں حسرت و یاس کا ایک موہوم سا احساس کلبلا رہا تھا۔

وہ خود کلامی میں بولا، ''پاگل مت بنو بلبو بیگنز! اژدھوں اور ایسی عجیب و غریب چیزوں کے بارے میں سوچنا اور وہ بھی اس عمر میں۔'' سو اس نے پیش بند باندھا، چولہے میں آگ جلائی، پانی گرم کیا اور تیار ہونے لگا۔ پھر وہیں باورچی خانے میں بیٹھے ہی اس نے ناشتہ کیا۔

تب تک سورج اپنی پوری آب وتاب سے چمکنے لگا، بیرونی دروازہ کھلا تھا اور گھر میں بہار کی سہانی ہوا داخل ہو رہی تھی۔ بلبو بیٹھے بیٹھے دھیرے دھیرے سیٹی بجانے لگا اور رفتہ رفتہ گزشتہ رات کے واقعات اس کے ذہن سے اترنے لگے۔ وہ ابھی کھانے کے کمرے میں کھڑکی کے ساتھ بیٹھ کر ایک اور ناشتہ کرنے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ دروازے سے گنڈالف اندر داخل ہوا۔

گنڈالف بولا، ''اوہ میرے عزیز دوست! کب روانہ ہونے کا ارادہ ہے؟ وہ تمھارا صبح سویرے چل دینے کا ارادہ کیا ہوا؟ اور تم ہو کہ یہاں بیٹھے دن کے دس بجے ناشتہ کر رہے ہو؟ وہ سب جا چکے ہیں، وہ تمھارا انتظار نہیں کر سکتے تھے۔ تمھارے لیے ایک پیغام چھوڑ گئے ہیں۔''

بلبو گڑبڑا کر بولا، ''پیغام؟ کیسا پیغام؟''

گنڈالف بولا، ''اوہ میرے خدا! تمھاری عقل گھاس چرنے گئی ہے کیا؟ تم نے اپنے کارنس کی صفائی کبھی نہیں کی؟''

''کارنس کی صفائی کا اس سے کیا تعلق ہے؟ چودہ افراد کے کھانے کے برتنوں کی صفائی دھلائی سے فارغ ہو پاؤں تو کچھ اور کروں۔''

''اگر تم نے کارنس کی صفائی کی ہوتی تو تمھیں گھڑیال کے نیچے یہ دکھائی دیتا۔'' یہ کہتے ہوئے گنڈالف نے ایک کاغذ تھمایا۔ پیغام بلبو کے اپنے کاغذ پر لکھا تھا۔ کاغذ پر لکھا تھا...

''تھورین اور اس کے ساتھیوں کا ماہر چور بلبو بیگنز کو سلام۔ آپ کی مہمان نوازی کے لیے آپ کی خدمت میں ہماری جانب سے اظہارِ تشکر اور اپنی پیشہ ورانہ خدمات کی پیشکش کے لیے ہماری جانب سے اظہارِ قبولیت۔

شرائط: کام مکمل ہونے پر نقد ادائیگی بمطابق کم از کم تمام منافع (ہونے کی صورت میں) کا ایک چودھواں حصّہ۔ بہر صورت سفری

اخراجات کی ضمانت دی جاتی ہے۔ اگر ضرورت پیش آئے اور کوئی دیگر انتظامات نہ ہو پائیں تو کفن دفن کے اخراجات ہم یا ہمارے ورثا ادا کریں گے۔ آپ کے آرام میں مخل ہونے کو نامناسب جانتے ہوئے ہم پہلے روانہ ہو رہے ہیں تا کہ پیشگی انتظامات کیے جاسکیں اور ٹھیک گیارہ بجے دریا پار واقع ''لال اژدھا'' نامی سرائے میں آپ کی تشریف آوری کے منتظر ہوں گے۔ امید ہے آپ وقت کی پابندی کو ملحوظِ خاطر رکھیں گے۔ آپ کی خیریت کے طلبگار اور آپ کے خادم، تھورین اور دیگران۔''

گنڈالف بولا، ''تمھارے پاس صرف دس منٹ ہیں۔ تمھیں ابھی نکلنا ہوگا۔''

بلبو بولا، ''لیکن ....''

جادوگر بولا، ''اب اس کا وقت نہیں ہے۔''

بلبو پھر بولا، ''لیکن ....''

جادوگر نے پھر اس کی بات کاٹی، ''اس کا وقت بھی نہیں ہے۔ بس اب بھاگو۔''

اپنی ساری بقیہ عمر بلبو کبھی یہ نہ سمجھ سکا کہ اس روز وہ کیسے اپنے گھر سے نکلا، ہیٹ کے بغیر، چہل قدمی والی چھڑی کے بغیر، پیسوں کے بغیر، ہر اس چیز کے بغیر جو وہ عموماً گھر سے باہر نکلتے اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ اپنا دوسرا ناشتہ ختم کیے بغیر اور مناسب طریقے سے تیار ہوئے بغیر اس نے گھر کی چابیاں گنڈالف کے ہاتھ میں تھمائیں اور باہر بھاگ نکلا۔ سڑک سے ہوتے ہوئے، آٹے کی چکی کے ساتھ سے، دریا کے پار اور پھر اس کے بعد بھی چند میل مزید وہ بھاگتا گیا جتنی تیز رفتاری سے اس کے گھنگریالے بالوں والے پاؤں اسے لے جاسکتے تھے۔

گیارہ بجتے ہی جب وہ دریا پار پہنچا تو وہ پسینے میں شرابور بری طرح ہانپ رہا تھا اور یکا یک اسے احساس ہوا کہ وہ اپنا جیبی رومال تو گھر ہی بھول آیا ہے۔

سرائے کے بیرونی دروازے پر اس کے انتظار میں کھڑے بالین نے اسے دیکھتے ہی کہا، ''بہت خوب۔'' عین اسی وقت باقی سب بھی گاؤں سے آنے والی سڑک پر عمارت کے کونے سے نمودار ہوئے۔ وہ سب خچروں پر سوار تھے اور خچروں کے پہلوؤں پر طرح طرح کی پوٹلیاں اور تھیلیاں اور بوریاں لٹک رہی تھیں۔ ایک خچر ان سب میں چھوٹا تھا جو بظاہر بلبو کے لیے تھا۔

تھورین بولا، ''چلو تم دونوں بھی سوار ہو جاؤ تاکہ ہم فوراً روانہ ہو سکیں۔''

بلبو اپنی پھولی سانسوں پر قابو پاتے ہوئے بولا، ''میں معذرت چاہتا ہوں لیکن میں اپنا ہیٹ گھر بھول آیا ہوں اور اپنا جیبی رومال بھی، اور میرے پاس کوئی رقم بھی نہیں ہے۔ سچ کہوں تو مجھے آپ کا رقعہ دس بج کر پینتالیس منٹ پر ملا....''

ڈوالین بولا، ''سچ کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور فکر نہ کرو۔ اس سفر کے اختتام سے پہلے تمھیں جیبی رومالوں اور بہت سی دوسری چیزوں کی کوئی ضرورت نہیں پڑے گی اور جہاں تک ہیٹ کا تعلق ہے میرے سامان میں ایک فالتو کنٹوپ اور کوٹ موجود ہے۔''

اور یوں مئی سے کچھ دن پہلے، سرائے کے سامنے، لدے پھندے خچروں پر سوار ان سب کا سفر شروع ہوا۔ بلبو نے ڈوالین کا دیا ہوا گہرے سبز رنگ کا قدرے استعمال شدہ کنٹوپ اور گہرے سبز رنگ کا کوٹ پہن رکھا تھا۔ دونوں بلبو کی جسامت کے حساب سے کچھ بڑے تھے اور وہ انھیں پہنے مضحکہ خیز دکھائی دے رہا تھا۔ اس وقت اگر اس کا باپ بنگو بیگنز اسے اس حالت میں دیکھ لیتا تو نجانے کیا کہتا۔ وہ کم از کم ایک بات پر مطمئن تھا کہ اسے دیکھ کر کوئی اسے بونا تو نہیں سمجھے گا کیونکہ اس کی داڑھی نہ تھی۔

وہ تھوڑی دُور ہی گئے تھے کہ گنڈالف بھی انھیں آن ملا۔ وہ ایک خوبصورت سفید گھوڑے پر سوار بہت شاندار لگ رہا تھا اور بلبو کے لیے درجن بھر جیبی رومال، اس کا پائپ اور تمباکو کی تھیلی بھی اٹھا لایا تھا۔ اس کے بعد قافلہ خوش باش چلتا گیا۔ ایک دوسرے کو قصے کہانیاں اور گیت سناتے وہ سارا دن چلتے رہے۔ ہاں راستے میں کھانے پینے کے لیے ضرور رُکے۔

ایسے مواقع اتنے تواتر سے تو نہ آئے جتنا بلبو چاہتا تھا لیکن پھر بھی اسے احساس ہونے لگا کہ یہ مہم جوئی اتنی بری چیز بھی نہ تھی۔

پہلے پہل وہ ہابٹوں کے علاقے سے گزرتے گئے جہاں شریف لوگ آباد تھے، سڑکیں کشادہ تھیں اور کہیں کہیں سرائیں پائی جاتی تھیں اور گاہے بگاہے کوئی بونا یا کسان اپنی راہ پر چلتا دکھائی دیتا تھا۔ پھر وہ ایسے علاقے میں پہنچے جہاں کے باسی عجیب زبان بولتے تھے اور جن کے گیت بلبو نے کبھی نہ سنے تھے۔ اب وہ ارضِ ویراں میں پہنچ چکے تھے جہاں کوئی مسافر اور کوئی سرائے نہ تھی اور سڑکیں ٹوٹی پھوٹی اور دشوار گزار ہوتی جا رہی تھیں۔ تھوڑے ہی فاصلے پر گھنے درختوں سے بھری بلند ہوتی پہاڑیاں شروع ہو گئیں۔ کچھ پہاڑیوں پر پرانے قلعہ نما محل موجود تھے جن کی بناوٹ سے عیاں تھا کہ انھیں نیک نیتی پر مبنی کسی اچھے مقصد کی خاطر تعمیر نہ کیا گیا تھا۔ چاروں جانب آزردگی چھائی تھی اور اس روز موسم بھی بگڑنے لگا تھا۔ شروع میں موسم خوشگوار رہا لیکن اب ہوا یخ بستہ اور مرطوب ہو رہی تھی۔ ارضِ ویراں میں بھی انھیں گاہے بگاہے پڑاؤ ڈالنا پڑا تھا لیکن کم از کم وہاں زمین خشک تھی۔

بلبو چھینٹے اڑاتے کیچڑ سے بھرے راستے پر دوسروں کے پیچھے چلتا ہوا بڑبڑایا، ''اور میں سوچ رہا تھا کہ جلد ہی جون کی گرمیاں شروع ہو جائیں گی۔'' چائے کا وقت ہونے چلا تھا اور صبح سے موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ بارش کے قطرے اس کے ہیٹ سے بہہ کر اس کی آنکھوں میں گر رہے تھے اور اس کا کوٹ بھی مکمل طور پر پانی میں شرابور ہو چکا تھا۔ اس کا خچر تھک چکا تھا اور پتھروں سے ٹھوکریں کھا رہا تھا۔ باقی سب بھی بارش اور تکان کے مارے خاموش تھے۔ بلبو سوچ رہا تھا، ''مجھے یقین ہے کہ بارش کی وجہ سے باقی کپڑے اور کھانے پینے کی اشیا بھی بھیگ چکی ہوں گی۔ بھاڑ میں گئی چوری اور چوری کا مال.... کاش میں اپنے گھر میں آتشدان کے سامنے بیٹھا ہوتا اور چائے کی کیتلی کی سیٹی بج رہی ہوتی۔'' یہ آخری موقع نہ تھا جب بلبو کو اپنے گھر کی شدید یاد آئی تھی۔

اس کے باوجود بونے اس کی حالت کا جائزہ لیے بغیر اپنی دُھن میں مگن چلے جا رہے

تھے۔ گہرے سرمئی بادلوں کے پیچھے سورج شاید ڈوبنے لگا تھا کیونکہ اب تاریکی چھانے لگی تھی۔ وہ ایک وادی میں اتر رہے تھے جس کے درمیان دریا بہہ رہا تھا۔ ہوا تیز ہو رہی تھی اور دریا کنارے سرکنڈوں سے سرسراہٹ سنائی دے رہی تھی۔ خوش قسمتی سے دریا پر پتھروں کا قدیم پل موجود تھا جس کے نیچے شمالی پہاڑوں سے دریا کا بپھرا پانی گرجتا جا رہا تھا۔

دریا پار کرتے تقریباً رات ہوگئی۔ تیز ہوا نے سرمئی بادلوں کو بکھیر دیا اور ان کی ٹکڑیوں کے درمیان پہاڑیوں کی چوٹیوں پر چاند دکھائی دینے لگا۔ وہ رک گئے اور تھورین رات کے کھانے کے متعلق کچھ بڑبڑانے لگا، ''معلوم نہیں ہمیں سونے کے لیے کوئی خشک جگہ بھی ملے گی یا نہیں؟''

یہیں انھیں احساس ہوا کہ گنڈالف ان کے ساتھ نہیں ہے۔ ابھی تک تو ان کے ساتھ ہی تھا حالانکہ اس نے کسی کو یہ نہ بتایا تھا کہ وہ سارے سفر کے دوران ان کے ساتھ رہے گا یا صرف کچھ وقت تک ان کا ہمسفر ہوگا۔ گنڈالف نے سب سے زیادہ کھانا کھایا، سب سے زیادہ باتیں کیں اور سب سے زیادہ قہقہے لگائے۔ لیکن اب وہ غائب تھا۔

ڈوری اور نوری کہنے لگے، ''وہ بھی ایسے وقت پر غائب ہوا ہے جب ہمیں جادوگر کی اشد ضرورت ہے۔'' (یہ دونوں بھی ہابٹ کی طرح باقاعدگی سے پیٹ بھر کر اور متواتر کھانے کے شیدائی تھے)

آخرکار سب نے اسی مقام پر پڑاؤ ڈالنے کا فیصلہ کیا۔ وہ درختوں کے ایک جھنڈ کے قریب پہنچے۔ اگرچہ ان کے نیچے زمین قدرے خشک تھی لیکن ہوا پتوں پر پڑے ہوئے پانی کو ٹپ ٹپ نیچے پھینک رہی تھی جو انھیں زِچ کیے دیتی تھی اور آگ نے بھی نہ جلنے کا فیصلہ کر رکھا تھا۔ عمومی طور پر بونوں کو کسی حالت میں بھی کسی بھی چیز سے آگ جلانے میں مہارت حاصل ہوتی ہے، چاہے آندھی ہو یا طوفان، لیکن آج تو اوئین اور گلوئین بھی آگ جلانے میں ناکام رہے جو اس کام میں طاق تھے۔

یکایک ان کا ایک خچر کسی چیز سے ڈر گیا اور بگٹٹ بھاگ اٹھا۔ اس سے قبل کہ اسے کوئی

پکڑ پاتا وہ دریا میں جا گھسا۔ اسے باہر نکالنے کی کوششوں میں فیلی اور کیلی ڈوبتے ڈوبتے بچے۔ اس خچر پر لدا سارا سامان پانی کی تیز لہروں میں بہہ گیا، جس میں زیادہ تر کھانے پینے کی اشیا تھیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ رات کے کھانے کے لیے بہت کم اور ناشتے کے لیے اس سے بھی کم اسباب بچے۔

یوں وہ سارے منہ بسورے، بھیگے بیٹھے بڑبڑاتے رہے اور اوئین اور گلوئین ایک مرتبہ پھر آگ جلانے کی کوشش کرنے لگے اور اس دوران آپس میں لڑتے جھگڑتے رہے۔ بلبو سوچنے لگا کہ مہم جوئی کا مطلب مئی کی روشن اور سنہری دھوپ میں خچر کی سواری نہیں ہوتا۔ بالین، جو عموماً نگرانی پر معمور ہوتا تھا، اچانک بول اٹھا، ''دیکھو! وہاں روشنی دکھائی دے رہی ہے۔'' تھوڑے فاصلے پر ایک پہاڑی پر درختوں کا ایک جھنڈ تھا۔ درختوں کے جھنڈ میں انھیں سرخی مائل زرد روشنی ٹمٹماتی دکھائی دے رہی تھی جیسے کوئی مشعل یا الاؤ روشن ہو۔

وہ دیر تک اس روشنی کی جانب دیکھتے رہے اور پھر ان میں بحث چھڑ گئی۔ کچھ کہنے لگے ہاں اور کچھ کا جواب انکار میں تھا۔ کچھ کا خیال تھا کہ انھیں قریب جا کر جائزہ لینا چاہیے اور کم کھانے اور اس سے بھی کمتر ناشتے اور بھیگے کپڑوں میں ساری رات گزارنے سے تو کچھ بھی بہتر ہوگا۔ دوسروں کا خیال تھا، ''یہ علاقہ اَنجان ہے اور پہاڑوں سے بہت دُور بھی نہیں۔ ان علاقوں میں شاذ و نادر ہی کوئی مسافر آتا ہے۔ پرانے نقشے اب کسی کام کے نہیں۔ حالات بد سے بدتر ہو گئے ہیں اور یہ راستہ بھی غیر محفوظ ہے۔ عرصہ دراز سے یہاں کوئی حکومت بھی نہ ہے اور تجسس سے جتنا بھی اجتناب کیا جائے مشکلات سے اتنا ہی دُور رہا جا سکتا ہے۔'' کچھ کہنے لگے، ''آخر ہم چودہ ہیں۔'' کچھ پوچھنے لگے، ''آخر یہ گنڈالف کہاں چلا گیا؟'' یہ سوال سب کے لبوں پر تھا۔ پھر یکا یک موسلا دھار بارش ہونے لگی اور آگ جلانے کی کوشش میں مصروف اوئین اور گلوئین کے جھگڑے میں مزید شدّت آ گئی۔

پھر فیصلہ ہو گیا، وہ کہنے لگے، ''ہمارے ساتھ یہ ماہر چور بھی تو ہے۔'' اور وہ اپنے خچروں کو احتیاط اور خاموشی سے پکڑے اس روشنی کی جانب چل دیئے۔ وہ پہاڑی کے قریب پہنچے اور

جلد ہی درختوں کے جھنڈ میں داخل ہو گئے۔ وہ پہاڑی پر چڑھنے لگے لیکن اوپر جانے کا کوئی مناسب راستہ نہ تھا جو کسی گھر یا آبادی کی جانب جاتا ہو۔ اپنی پوری سی کوشش کے باوجود ان کے چلنے سے پتوں اور جھاڑیوں اور ٹہنیوں کی سرسراہٹ اور ان کی اپنی بڑبڑاہٹ کی آوازیں پیدا ہوئیں۔ پھر اچانک درختوں کے تنوں کے درمیان آگے کچھ دُور ہی آگ کی سرخ روشنی دکھائی دینے لگی۔

وہ بولے، ''چلو، اب چور کی باری ہے۔'' ان کا مطلب بلبو تھا۔ تھورین بولا، ''تم خاموشی سے قریب جاؤ اور دیکھو کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے اور کیوں ہو رہا ہے اور کوئی خطرے کی بات تو نہیں؟ چلو اب جاؤ اور اگر سب کچھ ٹھیک ہے تو فوراً لوٹ آنا۔ اگر نہیں تو واپس لوٹنے کی کوشش کرنا۔ اگر واپس نہ آسکو تو دن میں بولنے والے اُلو کی طرح دو مرتبہ اور رات میں بولنے والے اُلو کی طرح ایک مرتبہ ''ہُو ہُو'' کی آواز نکالنا! پھر ہم سے جو کچھ ہو سکا کریں گے۔''

یوں پیشتر اس کے کہ وہ انھیں بتا سکے کہ وہ دن یا رات والے اُلو تو کیا کسی بھی اُلو کی طرح اتنا ہی ''ہُو ہُو'' کر سکتا جتنا کہ وہ کسی چمگادڑ کی طرح اڑ سکتا ہو، بلبو کو روانہ ہونا پڑا۔ بہرحال ہابٹ جنگلوں میں پُھرتی سے اور انتہائی خاموشی سے چل پھر سکتے ہیں۔ انھیں اس بات پر فخر ہوا کرتا اور اس سفر کے دوران بھی بلبو نے بہت مرتبہ ''بونوں کے شور شرابے'' پر ناک بھوں چڑھائی تھی۔ حالانکہ کسی تیز ہوا والی رات میں اگر یہ سارا قافلہ چند قدم کے فاصلے پر بھی گزر جاتا تو مجھے اور آپ کو احساس تک نہ ہوتا۔ جہاں تک بلبو کے اس روشنی کی جانب جانے کا تعلق ہے تو کسی لومڑ تک کو بھی معلوم نہ ہو پاتا کہ کوئی اس کے قریب سے گزر گیا ہے۔ سو قدرتی بات تھی کہ وہ کسی کی نظر میں آئے بغیر آگ کے عین قریب جا پہنچا۔ وہ آگ کا الاؤ ہی تھا۔ وہاں اس نے جو کچھ دیکھا وہ یوں تھا۔

تین بلند قامت دیوہیکل افراد درختوں کی شاخوں کا الاؤ دہکائے بیٹھے تھے۔ وہ سیخوں پر بکرے کی ران بھون رہے تھے اور اپنی انگلیاں چاٹ رہے تھے۔ ہر طرف بھنے گوشت کی اشتہا انگیز خوشبو پھیلی تھی۔ ایک جانب شراب کا ایک کنستر دھرا تھا اور وہ اس میں سے جگوں میں

شراب نکال نکال کر پیے جا رہے تھے۔ لیکن یہ تینوں پہاڑی دیو تھے۔ یقیناً دیو ہی تھے۔ اپنی ساری عمر اپنے پُرسکون گاؤں میں گزارنے والا بلبو بھی یہ جانتا تھا۔ ان کے بڑے بڑے دہشت ناک چہرے، درختوں کے تنوں جتنی موٹی اور بھدّی ٹانگیں اور سب سے زیادہ ان کا اجڈ، غیر مہذبانہ اور کرخت اندازِ بیان جو کسی بھی شریف معزز خاندان میں قابلِ قبول نہ ہوتا.... بالکل نہیں!

دیوؤں میں سے ایک چنگھاڑا، ''کل بھی بکرا، آج بھی بکرا اور لگتا ہے ہمیں کل پھر بکرا ہی کھانا پڑے گا۔''

دوسرا بولا، ''کتنا عرصہ ہو گیا انسان کا گوشت کھائے! اور یہ ولیم نا جانے کیوں ہمیں اس علاقے میں لے آیا ہے؟ اور تو اور شراب بھی ختم ہونے کے قریب ہے۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے ولیم کو ایک دھکا دیا جو شراب کا ایک جگ اپنے حلق میں انڈیل رہا تھا۔

ولیم کو اُچھو لگا۔ جیسے ہی وہ بولنے کے قابل ہوا تو کہنے لگا، ''بکواس بند کرو! تمھارا کیا خیال ہے کہ راہ چلتے ہوئے لوگ یہاں خود آن پہنچیں گے کہ تم اور برٹ انھیں کھا جاؤ۔ جب سے ہم پہاڑوں سے نیچے آئے ہیں تم دونوں ایک ڈیڑھ گاؤں تو کھا چکے ہو اور تمھیں کیا چاہیے؟ تم دونوں کو اس موٹے تازے پہاڑی بکرے کے لیے میرا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔'' یہ کہہ کر اس نے بکرے کی ران کی ایک بوٹی توڑی اور اسے اپنے منہ میں ڈالتے ہوئے اپنا منہ اپنی آستین سے پونچھا۔

ہاں، دیو ایسے ہی بات چیت کرتے ہیں حتیٰ کہ وہ دیو بھی جن کا صرف ایک ہی سر ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ سننے کے بعد اصولی طور پر بلبو کے پاس دو ہی راستے تھے یا تو خاموشی سے واپس اپنے ساتھیوں کے پاس لوٹ جاتا اور انھیں خبردار کرتا کہ یہاں تین خوفناک بھوکے پہاڑی دیو موجود ہیں جو منہ کا ذائقہ بدلنے کے لیے ایک بونا یا ایک خچر بھی بھون کر کھانے پر تیار بیٹھے ہیں یا پھر وہ اپنی چوری کی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرے۔ ایک اعلیٰ پائے کا نامور ماہر چور اس وقت تک ان دیوؤں کی جیبیں کاٹ چکا ہوتا (اگر آپ کسی دیو کی جیب کاٹنے میں کامیاب ہو

سکتے ہیں تو یقین جانیں کچھ نہ کچھ ضرور مل جاتا ہے) یا سیخوں سے بکرے کی ران اتار چکا ہوتا یا پھر شراب کا کنستر ہی غائب کر چکا ہوتا اور کسی کو کانوں کان خبر تک نہ ہوتی۔ کوئی اور عملیت پسند اور کم تر پیشہ ورانہ اصولوں کا حامل چور ہوتا تو ان تینوں کی پیٹھ میں خنجر گھونپتا اور پھر ساری رات سکون سے دعوت اڑاتا۔

بلبو یہ جانتا تھا۔ وہ بہت سی ایسی چیزوں کے بارے میں پڑھ چکا تھا جو اس نے کبھی نہ دیکھیں تھیں۔ وہ اس وقت بہ یک وقت متذبذب اور متنفر تھا۔ اس کا جی تو چاہتا تھا کہ وہ کہیں سیکڑوں میل دُور ہوتا.... لیکن.... لیکن وہ تھورین اور دوسروں کے پاس واپس خالی ہاتھ تو نہیں لوٹ سکتا تھا۔ یوں وہ اندھیرے میں ہچکچاتا کھڑا رہا۔ اس نے چوری کے واقعات کے بارے میں جو کچھ سُن رکھا تھا ان میں دیوؤں کی جیبیں کاٹنا سب سے کم مشکل دکھائی دیتا تھا اس لیے وہ ہولے ہولے رینگتا ہوا ولیم کے عقب میں ایک درخت کی اوٹ میں جا پہنچا۔

برٹ اور ٹام اٹھے اور شراب کے کنستر کی جانب چلے۔ ولیم نے شراب کا ایک گھونٹ لیا۔ ہمت جمع کرتے ہوئے بلبو نے اپنا چھوٹا سا ہاتھ ولیم کی وسیع و عریض جیب میں ڈالا۔ جیب میں ایک بٹوہ پڑا تھا جو بلبو کے لیے ایک بڑے تھیلے جتنا تھا۔ بلبو احتیاط سے اسے باہر نکالنے لگا اور اپنی نئی صلاحیتوں پر فخر محسوس کرتے ہوئے سوچنے لگا، ”آہ! یہ ایک نئی ابتدا ہے۔“

واقعی نئی ابتدا ہی تھی۔ دیوؤں کے بٹوے جادوئی ہوتے ہیں اور یہ بٹوہ قطعی مختلف نہ تھا۔ بٹوہ جیسے ہی جیب سے نکلا، تو باریک آواز میں چیخا، ”ارے! تم کون ہو؟“ ولیم فوراً مڑا اور اس سے پہلے کہ بلبو درخت کی اوٹ میں چھپ جاتا، اس نے بلبو کو گردن سے دبوچ لیا۔

ولیم چلّایا، ”اوئے، برٹ، دیکھو میں نے کیا پکڑا۔“

دوسروں نے قریب آتے ہوئے پوچھا، ”یہ کیا ہے؟“

”مجھے کیا معلوم! تم کیا ہو؟“

”بلبو بیگنز.... میں چو.... ہابٹ ہوں۔“ بلبو بیچارہ سر سے پاؤں تک کانپنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس سے پہلے کہ اس کی گردن مروڑ دی جائے کاش وہ جان سکتا کہ دن میں

بولنے والے اُلّو کی طرح ''ہُوہُو'' کیسے کرتے ہیں۔

''چوہابٹ؟'' وہ تینوں حیران رہ گئے۔ پہاڑی دیو قدرے کم عقل ہوتے ہیں اور انھیں باتیں دیر سے سمجھ آتی ہیں، اس لیے وہ ہر نئی چیز کو شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

ولیم بولا، ''لیکن ایک چوہابٹ کا میری جیب میں کیا کام؟''

ٹام بولا، ''کیا چوہابٹ کو پکا کر کھا سکتے ہیں؟''

برٹ ایک سیخ اٹھاتے ہوئے بولا، ''کوشش کر کے دیکھنے میں کیا حرج ہے؟''

ولیم جو پیٹ بھر کر کھانا کھا چکا تھا بولا، ''کھال اتارنے اور ہڈیاں نکالنے کے بعد تو اس میں چند نوالے ہی بچیں گے۔''

برٹ بولا، ''شاید اس طرح کے اور بھی ہوں ارد گرد.... ہم انھیں پکڑ کر سب کو پکا سکتے ہیں۔ اے او چوہابٹ! کیا تم جیسے اور چوہے بٹ بھی ہیں یہاں؟'' اس نے بلبو کے بالوں سے بھرے پیروں کی جانب دیکھا اور اسے ٹانگوں سے پکڑ کر اٹھا کر ہلانے لگا۔

''ہاں بہت سے۔'' بلبو بول اٹھا۔ پھر اسے خیال آیا کہ اسے اپنے ساتھیوں کے بارے میں بتانا نہیں چاہیے۔ وہ فوراً بولا، ''نہیں، کوئی بھی نہیں۔''

''کیا مطلب ہے تمھارا؟'' اب برٹ نے اسے بالوں سے پکڑ کر ہوا میں معلق کر دیا۔

بلبو ہانپتے ہوئے بولا، ''وہی جو میں کہہ رہا ہوں اور از راہِ کرم مجھے پکائیے گا نہیں۔ میں خود بہت اچھا کھانا پکا لیتا ہوں اور جتنا خود میں پکتا ہوں اس سے کہیں زیادہ بہتر میں پکا لیتا ہوں۔ اگر آپ رات کے کھانے میں مجھے پکانے سے اجتناب برتیں تو میں آپ کو صبح ایک شاندار ناشتہ تیار کر کے دے سکتا ہوں۔''

ولیم بولا، ''بیچارہ چوہابٹ۔'' اس کی بھوک مٹ چکی تھی اور وہ جی بھر کے شراب بھی اپنے پیٹ میں انڈیل چکا تھا۔ ''بیچارہ چوہابٹ! جانے دو اسے....''

برٹ بولا، ''اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک یہ ہمیں ''بہت سے'' اور ''کوئی بھی نہیں'' کا مطلب نہیں بتا دیتا۔ میں نہیں چاہتا کہ کوئی نیند میں میرا گلا کاٹ ڈالے۔ ذرا اس کے

پیروں کو آگ میں ڈالو، یہ خود ہی بولے گا۔''

ولیم بولا، ''نہیں ایسا نہیں ہوگا۔ ویسے بھی اسے پکڑا تو میں نے ہے۔''

برٹ بولا، ''ولیم، تم احمق ہو۔''

''اور تم بدمعاش ہو۔''

''بل ہگنز، میں تمھیں ابھی اس بات کا مزا چکھاتا ہوں۔'' یہ کہتے ہی برٹ نے ولیم کی آنکھ میں ایک مُکّا جڑ دیا۔

پھر ان دونوں کے درمیان زبردست دھینگا مشتی شروع ہو گئی۔ جب برٹ نے اسے زمین پر پٹخا تو بلبو کے حواس اتنے قائم تھے کہ وہ ان کے پیروں کے درمیان سے رینگتا ہوا ایک جانب ہو گیا۔ وہ دونوں کتوں کی مانند ایک دوسرے پر پِل پڑے اور چیختے ہوئے ایک دوسرے کو گالیاں بکنے لگے جو مکمل طور پر درست اور جائز تھیں۔ جلد ہی دونوں گتھم گتھا ہو کر آگ کے قریب زمین پر لوٹنے لگے۔ ٹام نے قریب سے ایک لٹھ اٹھایا اور دونوں پر وار برسانے لگا تا کہ وہ دونوں عقل کے ناخن لے سکیں۔ اس پر دونوں مزید آگ بگولہ ہو گئے۔

بلبو کے لیے یہ بہترین موقع تھا کہ وہ اپنی جان بچا کر وہاں سے فرار ہو سکے، لیکن اس کا پیر برٹ کے بھاری بھرکم پاؤں کے نیچے پھنسا تھا اور اس کی ہمت اور عقل دونوں جواب دے چکی تھیں۔ وہ میدانِ جنگ سے چند قدم دُور ہانپتا کانپتا پڑا رہا۔ عین اسی لمحے ایک جانب سے آگ کی روشنی میں بالین نمودار ہوا۔ بونوں نے کچھ فاصلے سے دیوؤں کی لڑائی کی آواز سن لی تھی اور پھر کچھ دیر تک بلبو کی واپسی یا اس کی ''ہُو ہُو'' کا انتظار کرنے کے بعد وہ یکے بعد دیگرے آگ کی جانب رینگنے لگے۔ جیسے ہی بالین روشنی میں نمودار ہوا ٹام نے ایک خوفناک دھاڑ ماری۔ دیوؤں کو بونوں سے نفرت ہوتی ہے خاص طور پر وہ بونے جو بھنے یا پکے ہوئے نہ ہوں۔ برٹ اور ولیم یکا یک رک گئے اور چلّائے، ''ٹام، جلدی سے، بوری لاؤ۔'' اس سے پیشتر کہ بالین دیکھ پاتا کہ بلبو کہاں ہے اس کے سر پر ایک بوری ڈال دی گئی اور اسے ایک جانب پھینک دیا گیا۔

ٹام بولا، ''مجھے پورا یقین ہے کہ اور بھی ہوں گے۔ اس نے کہا تھا ''بہت سے'' اور ''کوئی بھی نہیں''۔ چو ہابٹ ہو نہ ہو، یہاں بونے بہت ہوں گے۔ مجھے یقین ہے۔''

برٹ بولا، ''تم درست کہہ رہے ہو، ہمیں روشنی سے دُور اندھیرے میں چھپ کر بیٹھنا چاہیے۔''

پھر انھوں نے ایسا ہی کیا۔ لوٹ مار کے سامان کے لیے استعمال ہونے والی بوریاں ہاتھوں میں تھامے وہ تینوں اندھیرے میں جا چھپے۔ پھر جیسے ہی یکے بعد دیگرے بونے وہاں پہنچتے، الاؤ، شراب کے جگوں اور ادھ کھائے گوشت پر ان کی نگاہ پڑتی تو چشم زدن میں ان کے سر پر ایک بدبودار بوری ڈال دی جاتی اور ان کی مشکیں کس دی جاتیں۔ جلد ہی ڈوالین، بالین، فیلی اور کیلی، اور ڈوری اور نوری اور اوری سب اوپر نیچے ایک ڈھیر کی صورت میں پڑے تھے۔ اس کے بعد اوئین، گلوئین اور بیفور اور بوفور اور بومبور بھی اسی ڈھیر میں شامل ہو گئے۔

بیفور اور بومبور نے سب سے زیادہ مزاحمت کی اور دیوانہ وار لڑے جیسا کہ مشکل کے وقت میں بونے لڑا کرتے ہیں۔ ''اب انھیں معلوم ہوگا کہ دیوؤں کے ساتھ لڑائی کا کیا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔'' ٹام بولا۔

تھورین سب سے آخر میں پہنچا۔ لیکن وہ چوکنا تھا۔ اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ دال میں کچھ کالا ہے اور بوریوں سے باہر نکلی اپنے ساتھیوں کی ٹانگیں دیکھنے سے پہلے ہی وہ بھانپ گیا تھا کہ کوئی نہ کوئی ماجرا ضرور ہے۔ اب وہ آگ سے کچھ فاصلے پر کھڑا کہہ رہا تھا، ''کیا معاملہ ہو سکتا ہے؟ یہ کون ہے جو میرے ساتھیوں کے ساتھ لڑائی جھگڑا کر رہا ہے؟'' اچانک اس کے عقب سے بلبو کی آواز آئی، ''وہاں تین دیو ہیں۔'' وہ تینوں دیو بلبو کے بارے میں بھول ہی گئے تھے۔ ''اور وہ جھاڑیوں کے پیچھے بوریاں لیے چھپے ہیں۔''

تھورین بولا، ''اچھا؟ تو یہ بات ہے۔'' یہ کہتے ہی وہ ایک ہی جست لگا کر الاؤ کے پاس پہنچ گیا۔ اس سے پہلے کہ دیوؤں میں سے کوئی اس پر حملہ آور ہوتا تھورین نے الاؤ سے دہکتی

ہوئی ایک لکڑی اٹھائی اور برٹ کی آنکھ میں گھونپ دی۔ وہ چیختا ہوا ایک جانب ہو گیا۔ بلبو بھی اپنی بساط کے مطابق لڑائی میں شامل ہو گیا۔ وہ ٹام کی ایک ٹانگ سے لپٹ گیا جو درخت کے تنے کی مانند تھی۔ لیکن جب ٹام نے ایک ٹھڈے سے تھورین پر دہکتے ہوئے انگارے پھینکے تو بلبو اڑتا ہوا قریبی جھاڑیوں پر جا گرا۔ اس کے جواب میں تھورین نے جلتی ہوئی لکڑی ٹام کے منہ پر دے ماری اور اس کا ایک دانت توڑ ڈالا۔ وہ بھی درد سے چلّانے لگا۔ لیکن اسی اثنا میں ولیم پیچھے سے آن پہنچا اور ایک ہی لمحے میں تھورین کے سر سے پیر تک بوری ڈال دی۔ یوں لڑائی اپنے اختتام کو پہنچی۔ اب سارے بونے خوب پھنسے۔ بوریوں میں بند رسیوں سے بندھے، تین غیظ وغضب سے بھرے بھوکے دیوؤں کے درمیان (جن میں دو زخموں سے تلملا رہے تھے) جواب اس بات پر بحث کر رہے تھے کہ انھیں بھون کر کھانا چاہیے یا ان کی بوٹیاں بنا کر سالن بنانا چاہیے یا ان پر بیٹھ کر ان کا قیمہ بنا دینا چاہیے۔ لیکن ان سے کچھ ہی فاصلے پر بلبو جس کے کپڑے اور کھال پھٹ چکی تھی، جھاڑیوں میں دم سادھے بیٹھا تھا۔

یہی وہ وقت تھا جب گنڈالف واپس لوٹا لیکن اسے کسی نے نہ دیکھا۔ دیوؤں نے اب تک ان سب کو بھوننے کا فیصلہ کر لیا تھا تاکہ انھیں بعد میں کھایا جا سکے۔ یہ برٹ کا خیال تھا جس پر بہت دیر تک بحث کے بعد وہ تینوں متفق ہو گئے۔

ایک آواز آئی، ''ابھی انھیں بھوننے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس کام میں ساری رات گزر جائے گی۔'' برٹ سمجھا یہ ولیم کی آواز تھی۔

برٹ بولا، ''ولیم، اب دوبارہ یہ بحث شروع نہ کرو۔ ورنہ اس بحث میں ہی ساری رات گزر جائے گی۔''

ولیم سمجھا کہ برٹ بولا تھا، ''اب کون بحث کر رہا ہے؟''

برٹ بولا، ''تم کر رہے ہو۔''

ولیم بولا، ''تم جھوٹے ہو۔'' اور یوں ایک مرتبہ پھر جھگڑا شروع ہو گیا۔ بالآخر فیصلہ ہوا کہ بونوں کی بوٹیاں بنا کر ان کا سالن تیار کر لیا جائے۔ انھوں نے ایک بڑی دیگ نکالی اور

اپنی چھریاں تیز کرنے لگے۔

پھر ایک آواز سنائی دی، ''سالن بنانے کا کیا فائدہ؟ سالن کے لیے ہمارے پاس پانی ہی نہیں ہے اور کنواں بھی یہاں سے بہت دُور ہے۔'' برٹ اور ولیم سمجھے کہ ٹام بولا ہے۔

وہ دونوں بولے، ''بکومت! ورنہ ہم کبھی بھی کچھ نہ کر سکیں گے اور اگر تم پھر بولے تو تمھیں ہی پانی لانا پڑے گا۔''

ٹام سمجھا کہ یہ ولیم کی آواز تھی اس لیے وہ تنک کر بولا، ''تم بکومت! تمھارے علاوہ کوئی بحث نہیں کر رہا۔''

ولیم بولا، ''تم پاگل ہو۔''

ٹام بولا، ''تم خود پاگل ہو۔''

اور یوں ایک مرتبہ پھر بحث چھڑ گئی اور اب پہلے سے بھی زیادہ دیر تک جاری رہی۔ بالآخر فیصلہ ہوا کہ ان بونوں کے اوپر یکے بعد دیگرے بیٹھ کر انھیں کچل دیا جائے اور بعد میں ان کا قیمہ بنالیا جائے۔

پھر ایک آواز آئی، ''لیکن سب سے پہلے کس پر بیٹھیں؟''

''سب سے پہلے آخری والے پر بیٹھیں۔'' برٹ بولا، جس کی آنکھ تھورین کی جلتی ہوئی لکڑی سے ابھی تک دکھ رہی تھی۔ وہ سمجھا کہ ٹام بولا ہے۔

ٹام بولا، ''اپنے آپ سے باتیں نہ کرو، لیکن اگر تم آخری والے پر بیٹھنا چاہتے ہو تو ٹھیک ہے بیٹھ جاؤ۔ ان میں کون سا تھا وہ؟''

برٹ بولا، ''پیلی جرابوں والا۔''

ایک آواز سنائی دی جو ولیم کی آواز لگتی تھی، ''بے وقوف! وہ سرمئی جرابوں والا تھا۔''

برٹ بولا، ''مجھے یقین ہے وہ پیلی جرابوں والا تھا۔''

ولیم بولا، ''پیلی تھیں۔''

برٹ بولا، ''تو تم پھر کیوں کہہ رہے ہو کہ سرمئی تھیں؟''

''میں نے تو نہیں کہا، ٹام نے کہا ہوگا۔''

ٹام بولا، ''میں نے تو نہیں کہا۔ تم نے کہا تھا۔''

برٹ بولا، ''ہم دو کہہ رہے ہیں تم نے کہا تھا اس لیے اب اپنی بکواس بند کرو۔''

ولیم بولا، ''تم کس سے باتیں کر رہے ہو؟''

ٹام اور برٹ یک زبان ہو کر بولے، ''بس اب بند کرو اپنی بکواس! رات گزری جاتی ہے اور جلد ہی صبح ہونے کو ہے۔ جو کچھ کرنا ہے ابھی کرنا ہوگا۔''

ایک آواز آئی جو ولیم کی آواز لگتی تھی، ''صبح آنے والی ہے تم سب کو پتھرانے والی ہے۔'' لیکن یہ ولیم کی آواز نہیں تھی۔ عین اسی لمحے پہاڑی کی چوٹی پر صبح کی پہلی کرن نمودار ہوئی اور جھاڑیوں میں زور سے سرسراہٹ ہوئی۔ ولیم خاموش رہ گیا کیونکہ جیسے ہی وہ جھکا ویسے ہی پتھر کا بن گیا اور ٹام اور برٹ اسے دیکھتے ہوئے ویسے کے ویسے پتھر کے بن گئے اور یوں وہ آج بھی ایسے ہی پتھر کے مجسمے بنے کھڑے ہیں، جنگل میں اکیلے، جن پر کبھی کبھار پرندے آن بیٹھتے ہیں اور بیٹھیں کرتے ہیں۔ آپ شاید جانتے ہوں کہ دیوؤں کو پو پھوٹنے سے پہلے اپنے غاروں میں چلے جانا ہوتا ہے ورنہ سورج کی پہلی کرن پڑتے ہی وہ ہمیشہ کے لیے واپس انہی پتھریلی چٹانوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں جہاں سے وہ آتے ہیں۔ برٹ، ٹام اور ولیم کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔

''بہت خوب۔'' گنڈالف بولا اور درخت کے تنے کی اوٹ سے باہر نکلا اور بلبو کو جھاڑیوں سے باہر نکلنے میں مدد دی۔ اب بلبو کو معاملہ سمجھ آیا۔ یہ گنڈالف کی ہی آواز تھی جس نے دیوؤں کو بحث و تکرار میں پھنسائے رکھا حتیٰ کہ صبح ہو گئی اور صبح کی پہلی کرن نے انھیں پتھر کا بنا ڈالا۔

خیر بوریوں کی رسیاں کھولی گئیں اور بونوں کو باہر نکالا گیا۔ وہ سب ہانپ رہے تھے اور غصے سے بے حال تھے۔ بوریوں میں بند دیوؤں کی انھیں بھوننے، بوٹیاں کرنے اور کچل ڈالنے کی منصوبہ بندیوں سے وہ قطعاً لطف اندوز نہ ہوئے تھے۔ بلبو کو انھیں اپنی ساری داستان

دو مرتبہ سنائی پڑی تھی پھر کہیں جا کر ان کی تسلی ہوئی۔

بومبور بڑبڑایا، ''ایسے موقع پر چوری چکاری اور جیب کترنے کی کوشش کرنا حماقت تھی، جب ہمیں صرف آگ اور کھانے کی ضرورت تھی۔''

گنڈالف بولا، ''اور یہی وہ چیزیں تھیں جو ان دیوؤں سے لڑے بھڑے بغیر ہم حاصل نہ کر سکتے تھے۔ بہر حال اب ہم وقت ضائع کر رہے ہیں۔ تمھیں معلوم نہیں کہ ان دیوؤں کا یہیں کہیں قریب ہی کوئی غار ہوگا جہاں وہ دن کے وقت پناہ لیتے ہوں گے؟ ہمیں وہاں جا کر دیکھنا ہوگا۔''

وہ سب اِدھر اُدھر تلاش کرنے لگے اور جلد ہی انھیں دیوؤں کے چوڑے بھاری پیروں کے نشانات ایک جانب جاتے دکھائی دیئے۔ وہ ان نشانات کے پیچھے چلتے گئے حتیٰ کہ ایک پہاڑی کے اوپر جھاڑیوں کے گھنے جھنڈ کے پیچھے انھیں ایک غار کا دہانہ دکھائی دیا جسے ایک بھاری دروازہ نما چٹان سے بند کیا گیا تھا۔ سب نے یکے بعد دیگرے اور پھر مل کر اسے دھکیلنے کی کوشش کی لیکن چٹان اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوئی، اس دوران گنڈالف بھی جنتر منتر پڑھ کر اس پر پھونکتا رہا لیکن بے سود۔

جب سب لوگ تھک ہار کر مایوسی کے عالم میں ایک جانب بیٹھ رہے تو بلبو بولا، ''کیا اس سے ہماری مشکل حل ہو جائے گی؟ مجھے یہ وہاں زمین پر پڑی ملی تھی جہاں وہ تینوں لڑ رہے تھے۔'' اس کے ہاتھ میں ایک قدرے بڑی چابی تھی جو یقیناً ولیم کی نظروں میں سوئی کے برابر ہوگی۔ خوش قسمتی سے یہ چابی اس کے پتھر بن جانے سے پہلے ہی اس کی جیب سے گر گئی تھی۔

وہ سب چلّائے، ''تم نے پہلے اس کا ذکر کیوں نہ کیا؟'' گنڈالف نے بلبو سے چابی لے کر دروازے میں ڈال کر گھمائی تو ایک ہی دھکے سے دروازہ کھلتا گیا اور وہ سب اندر داخل ہو گئے۔ غار کے اندر زمین پر ہڈیاں پڑی تھیں اور چاروں جانب عجیب سی سڑانڈ پھیلی تھی۔ ہر طرف کھانے پینے کی اشیا لاپروائی سے پھینکی گئی تھیں۔ جگہ جگہ لوٹ مار کا سامان رکھا تھا جن میں دھاتی برتنوں سے لے کر ایک کونے میں رکھے سونے کے سکوں سے بھرے مرتبان شامل

تھے۔ جا بجا دیواروں پر کپڑے بھی لٹکے تھے جو اپنے ناپ کے حساب سے دیوؤں کے نہ تھے۔ یہ کپڑے یقیناً ان مسافروں کے ہوں گے جو ان کے ہتھے چڑھ گئے ہوں گے۔ انھیں کپڑوں کے قریب مختلف انواع و اقسام کی تلواریں اور خنجر وغیرہ بھی پڑے تھے۔ ان میں دو تلواریں نمایاں تھیں جن کی نیاموں پر انتہائی خوبصورت نقش و نگار بنے تھے اور دستوں پر نگینے اور جواہرات جڑے تھے۔

گنڈالف اور تھورین نے ان میں سے ایک ایک تلوار اٹھا لی۔ بلبو نے چرمی نیام میں پڑی ایک تلوار اٹھائی۔ دیو کے ہاتھ میں یہ ایک جیبی چاقو کی مانند دکھائی دیتی لیکن بلبو کے لیے یہ اچھی خاصی تلوار تھی۔ گنڈالف نے اپنی تلوار نیام سے نکالی اور کہنے لگا، ''یہ بہت عمدہ تلواریں دکھائی دیتی ہیں۔ یہ کسی دیو کے ہاتھ کا کام نہیں ہوسکتا اور نہ ہی اس علاقے اور اس زمانے کا کوئی انسان لوہار یہ کام کرسکتا ہے۔ ان پر کندہ عبارتیں پڑھنے کے بعد ہی ان کے بارے میں مزید معلوم ہوسکتا ہے۔''

فیلی بولا، ''اب اس ناقابلِ برداشت بدبو سے باہر نہ نکلا جائے؟'' اس پر انھوں نے سکوں کے مرتبان، شراب کا ایک کنستر اور کچھ ایسی اشیائے خور و نوش جو قابلِ استعمال دکھائی دیتی تھیں اٹھائیں اور باہر نکل آئے۔ اب تک انھیں ناشتے کی طلب محسوس ہو رہی تھی اور بھوک کے مارے انھیں دیوؤں کے غار سے جو کچھ بھی ملا انھیں قبول تھا۔ ان کا اپنا مال و اسباب کم پڑنے لگا تھا۔ اب ان کے پاس کافی مقدار میں روٹی، پنیر، شراب اور آگ پر بھوننے کے لیے گوشت موجود تھا۔

چونکہ ان کی رات سکون سے نہ گزری تھی اس لیے وہ دوپہر تک سوتے رہے۔ پھر انھوں نے سونے سے بھرے مرتبان اپنے خچروں پر لادے اور راستے سے قدرے ہٹ کر انھیں تھوڑی دُور ایک پوشیدہ جگہ پر دفن کر دیا۔ اس کے بعد اس امید پر کہ شاید وہ اس مہم سے زندہ واپس لوٹیں تو پوشیدہ خزانے پر منتر پڑھے گئے۔ اب وہ ایک مرتبہ پھر اپنے خچروں پر سوار ہوئے اور مشرق کی جانب روانہ ہو گئے۔

چلتے چلتے تھورین نے گنڈالف سے پوچھا، ''کیا میں تم سے پوچھ سکتا ہوں کہ تم کہاں چلے گئے تھے؟''

گنڈالف نے جواب دیا، ''آگے جائزہ لینے۔''

''اور عین وقت پر تم واپس کیسے پہنچے؟''

''پیچھے جائزہ لینے۔''

تھورین بولا، ''بہت خوب۔ کیا تم مزید کچھ وضاحت کر سکتے ہو؟''

''میں آگے راستے کا جائزہ لینے گیا تھا۔ اب ہمارا راستہ خطرناک اور دشوار ہو جائے گا اور مجھے اپنے سامانِ خور و نوش کی کمی کے بارے میں بھی تشویش ہو رہی تھی۔ میں بہت دُور نہ پہنچا تھا کہ میری ریونڈیل سے اپنے چند دوستوں سے ملاقات ہو گئی۔''

بلبو بول اٹھا، ''ریونڈیل کہاں ہے؟''

گنڈالف قدرے سختی سے بولا، ''میری بات مت کاٹو! اگر خیریت رہی تو ہم چند روز میں وہاں پہنچ جائیں گے اور تم سب کچھ جان جاؤ گے۔ جیسا کہ میں کہہ رہا تھا کہ میری ایلرونڈ کے دو آدمیوں سے ملاقات ہو گئی۔ وہ بھی دیوؤں کے خوف سے جلدی جلدی جا رہے تھے۔ انھوں نے ہی مجھے بتایا تھا کہ تین دیو پہاڑوں سے نیچے اتر آئے ہیں اور اس جنگل میں راستے کے قریب ہی رہتے ہیں۔ انھوں نے اس علاقے کے سب لوگوں کو یہاں سے فرار ہونے پر مجبور کر دیا ہے اور اب مسافروں کو لوٹتے مارتے ہیں۔ مجھے فوراً احساس ہوا کہ تم لوگوں کو میری ضرورت ہو گی۔ واپس آتے ہوئے مجھے درختوں کے درمیان آگ جلتی دکھائی دی اور میں اس کی جانب چل دیا۔ اب تمھیں معلوم ہو گیا کہ میں کیسے واپس لوٹا۔ براہِ مہربانی آئندہ احتیاط سے کام لینا ورنہ ہم کبھی بھی کہیں نہ پہنچ پائیں گے۔''

تھورین بولا، ''شکریہ۔''

تیسرا باب

ایک مختصر وقفہ

موسم قدرے بہتر ہونے کے باوجود اس روز نہ کسی نے کوئی گیت گایا اور نہ ہی کسی نے کوئی کہانی سنائی۔ دوسرے روز بھی نہیں اور نہ ہی تیسرے روز۔ انھیں اب احساس ہونے لگا کہ راستے کے دونوں جانب خطرات دُور نہیں ہیں۔ وہ کھلے آسمان کے نیچے پڑاؤ ڈالتے اور ان کے خچروں کو ان کی نسبت زیادہ کھانے کو ملتا کیونکہ چاروں جانب گھاس وافر مقدار میں تھی اور دیوؤں کے غار سے مال و اسباب اٹھانے کے باوجود ان کے تھیلے پھر سے خالی ہونے کے قریب تھے۔ ایک روز صبح انھیں تیز و تند لہروں والے پہاڑی نالے کو پاٹنا پڑا جو زیادہ گہرا تو نہ تھا لیکن پانی تیزی سے پتھروں سے ٹکراتا گزر رہا تھا۔ دوسری جانب کا کنارہ عمودی اور کیچڑ زدہ تھا۔ بمشکل اپنے خچروں کو سنبھالتے ہوئے جب وہ دوسری جانب پہنچے تو یکا یک انھیں احساس ہوا کہ بلند و بالا پہاڑ ان کے سر پر آن پہنچے تھے۔ یوں لگتا تھا کہ بس اب وہ محض ایک دن کی مسافت پر ہیں۔ پہلی ہی نظر میں پہاڑ تاریک اور ہولناک دکھائی دے رہے تھے حالانکہ اِکّا دُکّا جگہوں پر اس کے بھورے پہلوؤں پر سورج کی کرنیں پڑ رہی تھیں اور ان کے عقب میں برفیلی چوٹیاں جھانک رہی تھیں۔

بلبو پھٹی پھٹی آنکھوں سے پہاڑ پر نظریں گاڑھے کپکپاتے لہجے میں بولا، ''کیا یہی وہ پہاڑ ہے؟''اس نے آج تک اتنی ہیبت ناک چیز نہ دیکھی تھی۔

بالین بولا، ''ارے نہیں! یہ تو دُھندلے پہاڑوں کی ابتدا ہے۔ہمیں جیسے تیسے ان کے اوپر، نیچے یا درمیان سے گزر کر ان کے پار اُجاڑستان پہنچنا ہے اور پھر اس سے بھی مزید آگے بہت فاصلے پر مشرق میں کوہِ یکتا واقع ہے جہاں سماگ اژدھا ہمارے خزانے پر کُنڈلی ماری بیٹھا ہے۔''

بلبو کے منہ سے صرف ''اوہ۔'' نکلا۔عین اس لمحے اسے اتنی تھکاوٹ محسوس ہونے لگی جتنی اسے اپنی ساری زندگی نہ ہوئی ہوگی۔اسے ایک مرتبہ پھر اپنے گھر میں اپنے پسندیدہ کمرے میں آتشدان کے سامنے رکھی اپنی آرام کرسی اور آگ پر دھری چائے کی کیتلی کی سیٹی یاد آئی۔ یہ یاد اسے آخری مرتبہ نہ آئی تھی۔

اب گنڈالف سب سے آگے چل رہا تھا۔ وہ کہنے لگا، ''ہمیں راستے سے بھٹکنا نہیں چاہیے۔ ورنہ ہم کہیں کے نہ رہیں گے۔ہمیں کھانے پینے کی اشیا اور کسی مناسب محفوظ جگہ پر آرام کی ضرورت ہے۔ دھندلے پہاڑ کو پار کرنے کے لیے لازم ہے کہ ہم درست راستے پر رہیں ورنہ اپنی راہ کھو بیٹھیں گے اور ہمیں اپنا سفر بالکل ابتدا سے دوبارہ شروع کرنا ہوگا....اگر ہم واپس پہنچ سکے تو۔''

جب اس سے پوچھا گیا کہ اب وہ کہاں جا رہے ہیں تو اس نے جواب دیا، ''جیسا کہ تم میں سے کچھ جانتے ہیں کہ ہم اجاڑستان کی ابتدائی حدود میں آن پہنچے ہیں۔آگے یہیں کہیں پوشیدہ ریونڈیل کی وادی ہے جہاں ایلرونڈ اپنے آخری مسکنِ آسودہ میں رہتا ہے۔ میں نے اپنے دوستوں کے ہاتھ اسے پیغام بھجوا دیا ہے اور وہ ہمارا منتظر ہوگا۔''

سننے میں تو یہ سب بہت حوصلے اور اطمینان کی بات تھی لیکن وہ ابھی وہاں پہنچے نہ تھے اور حقیقت میں پہاڑوں کے مغرب میں اس آخری مسکنِ آسودہ تک پہنچنا عملاً اتنا آسان نہ تھا۔ ان کے سامنے جو وسیع اور لامتناہی میدانی علاقہ موجود تھا اس میں کوئی پہاڑی یا کوئی وادی نہ تھی،

بس سیدھی ایک چڑھائی تھی جو ہولے ہولے بلند ہوتے ہوتے پہاڑوں کے قدموں تک جا پہنچتی۔ گھاس، پتھر اور مٹیالے رنگ کا میلوں لمبا ایک قالین تھا جو تاحدِ نگاہ دکھائی دے رہا تھا جہاں گاہے بگاہے ہلکے اور گہرے سبز رنگ کے قطعے دکھائی دے رہے تھے جو پانی کی موجودگی کی نشاندہی کر رہے تھے۔

صبح گزر گئی اور دوپہر ہونے لگی لیکن اس سنسان بیابان میدان میں کسی آبادی کا نشان تک نہ ملا۔ اب وہ پریشان ہونے لگے کیونکہ انھیں کوئی اندازہ نہ تھا کہ یہاں سے لے کر میلوں دُور پہاڑوں تک ایلرونڈ کا گھر نجانے کہاں ہوگا۔ دُور سے ہموار دکھائی دینے والے اس میدان میں یکا یک ان کی نگاہوں کے سامنے عمودی دیواروں والی گہری کھائیاں نمودار ہوتیں جن میں جھانکنے پر وہ یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتے کہ کھائیوں کے بیچوں بیچ تہ میں درخت اور بہتا پانی دکھائی دے رہا تھا۔ ان کے راستے میں ایسی گہری گھاٹیاں آئیں جن کی چوڑائی اتنی کم تھی کہ وہ کود کر انھیں پار کر سکتے تھے لیکن گہرائی اتنی عمیق کہ ان میں آبشاریں بہہ رہی تھیں۔ کچھ تنگ وادیاں کہ نہ ان پر سے گزرا جا سکتا تھا اور نہ ہی ان میں اترا جا سکتا تھا۔ جا بجا دلدلی زمین کے ٹکڑے تھے جو سبز گھاس اور رنگ برنگے پھولوں اور کلیوں کی بنا پر بہت خوشنما دکھائی دیتے تھے لیکن سامان سے لدا خچر اگر ان میں دھنس جاتا تو کبھی زندہ واپس نہ نکل پاتا۔

پہاڑی نالے اور پہاڑوں کے درمیان جو علاقہ تھا وہ اتنا وسیع و عریض تھا کہ آپ اندازہ نہیں لگا سکتے۔ بلبو ششدر رہ گیا۔ وہ جس راستے پر چل رہے تھے اس کے کنارے پر چھوٹے بڑے سنگِ میل نما سفید پتھر نصب تھے جن میں کچھ دکھائی دے رہے تھے اور کچھ کائی اور گھاس میں چھپے تھے۔ گنڈالف کی رہنمائی کے باوجود ان پتھروں کو دیکھتے ہوئے اس راستے پر چلنا کافی مشکل تھا حالانکہ گنڈالف کے مطابق وہ اس علاقے سے بخوبی واقف تھا۔

ایک کے بعد دوسرے پتھر کی تلاش میں وہ دائیں بائیں دیکھتا جا رہا تھا اور اس کی داڑھی ہوا میں اڑ رہی تھی۔ باقی اس کی پشت پر نگاہیں گاڑھے چلے جا رہے تھے۔ پھر دن ڈھلنے لگا لیکن ان کی منزل کا دُور دُور تک کوئی نشان دکھائی نہ دے رہا تھا۔ سہ پہر کی چائے کا

وقت گزر گیا تھا اور لگتا تھا کہ رات کے کھانے کا وقت بھی گزر جائے گا۔ فضا میں پتنگے ادھر ادھر اڑنے لگے اور روشنی کم ہونے لگی کیونکہ ابھی چاند نہ نکلا تھا۔ بلبو کا خچر راستے کے پتھروں اور درختوں کی جڑوں سے ٹھوکریں کھانے لگا۔ پھر یکلخت ان کے سامنے ایک اور گہری کھائی یوں نمودار ہوئی کہ گنڈالف کا گھوڑا پھسل کر اس میں گرتے گرتے بچا۔

''لو ہم پہنچ گئے۔'' وہ بولا اور سب اس کے قریب پہنچے اور کھائی میں جھانکنے لگے۔ دُور نیچے انھیں ایک وادی دکھائی دے رہی تھی۔ وادی کے بیچوں بیچ پتھروں میں تیزی سے بہتے دریا کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ پھلدار درختوں کی بھینی بھینی خوشبو آ رہی تھی اور وادی میں دریا کے دوسری جانب روشنی دکھائی دے رہی تھی۔

ریونڈیل کی پُراسرار اور پوشیدہ وادی میں جانے والے آڑے ترچھے راستے پر شام کے ملگجے اندھیرے میں پھسلتے، گرتے پڑتے اُترنا بلبو کو ساری زندگی یاد رہا۔ وہ جیسے جیسے نیچے اترتے گئے ہوا میں خنکی کم ہوتی چلی گئی اور چیڑ کے درختوں کی خوشبو اس پر خمار طاری کرنے لگی حتیٰ کہ غنودگی کے عالم میں وہ خچر کی پیٹھ پر ڈولنے لگا اور چند مرتبہ تو وہ اپنے خچر سے گرتے گرتے بچا۔ متعدد مرتبہ اس کی ناک خچر کی گردن سے جا ٹکرائی۔ وادی میں اترتے ہوئے ان کے حوصلے بلند ہونے لگے۔ اب ان کے چاروں جانب بلوط اور سفیدے کے درخت تھے اور شام کے بڑھتے اندھیرے میں عجیب سا سکون تھا۔ جب وہ بالآخر دریا کے کنارے سے کچھ فاصلے پر پہنچے گھاس کا آخری قطعہ بھی ختم ہو چکا تھا۔

بلبو سوچنے لگا، ''ہوں.... یہ تو پری زادوں جیسی خوشبو لگتی ہے۔'' اس نے سر اٹھا کر آسمان کی جانب دیکھا۔ سفید ستارے نیلگوں آسمان پر جھلملا رہے تھے۔ عین اسی لمحے درختوں کی اوٹ سے کسی کے گیت گانے کی آواز آئی جیسے کوئی قہقہہ لگا کر ہنس رہا ہو۔ گیت کے بول کچھ یوں تھے...

کہاں جا رہے ہو، کیا کر رہے ہو؟
خچروں کو نعل چاہئیں، دریا کو بہاؤ چاہیے

ٹرالالالالی، یہاں اس وادی میں
کیا ڈھونڈ رہے ہو، کیا کر رہے ہو؟
بڑھیا سے بساند اٹھ رہی ہے، چپاتی پک رہی ہے
ٹری لی لی لالی، وادی یہ حسین ہے، ہاہاہا

کہاں جا رہے ہو، داڑھیاں لہرا رہے ہو؟
نجانے کیوں مسٹر بیگنز اور بالین اور ڈوالین
یہاں آ پہنچے ہیں، وادی میں جون میں، ہاہاہا
یہاں رک رہے ہو، یا آگے جا رہے ہو؟
خچر راہ بھول رہے ہیں، دن ختم ہو رہا ہے
آگے جانا حماقت ہے، رکنا ہی مناسب ہے
سنتے رہو ہمارا گیت، تاریکی کے خاتمے تک، ہاہاہا

یوں گانے والے درختوں میں چھپے گاتے رہے اور ہنستے رہے۔ میرے خیال میں بہت ہی بچگانہ گیت تھا، لیکن گانے والوں کو اس سے کوئی غرض نہیں تھی۔ اگر انھیں یہ کہا بھی جائے تو وہ مزید ہنسنے لگیں گے۔ وہ پری زاد تھے۔ جیسے جیسے تاریکی بڑھتی گئی بلبو کو ان کی جھلکیاں دکھائی دینے لگی تھیں۔ اگرچہ اس کی کبھی کسی پری زاد سے ملاقات نہ ہوئی تھی پھر بھی بلبو کو ان سے ملنے کا بہت اشتیاق تھا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ ان سے قدرے خوفزدہ بھی تھا۔ تھورین اور اس کے ساتھیوں جیسے مہذّب اور زمانہ شناس بونے بھی پری زادوں کو بے وقوف سمجھتے تھے (حالانکہ یہ سمجھنا بھی بذاتِ خود ایک بے وقوفی تھی) اور ان سے خوب چڑتے تھے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ کچھ پری زاد بونوں کو چھیڑتے تھے اور ان کا اور خصوصاً ان کی داڑھیوں کا تمسخر اڑاتے تھے۔

ایک آواز آئی، ''ارے دیکھوتو، بلبو ہابٹ خچر پر سوار ہے۔ ہے نا مزے کی بات۔''

''بہت زبردست اور حیرت انگیز بات۔''

اور ساتھ ہی انھوں نے دوسرا گیت شروع کر دیا جو پہلے گیت سے بھی زیادہ مضحکہ خیز تھا۔ بالآخر درختوں سے ایک دُبلا پتلا اور لمبے سنہری بالوں والا قدآور نوجوان نمودار ہوا اور گنڈالف اور تھورین کے سامنے آ کر آداب بجالایا۔

وہ بولا، ''ہماری وادی میں خوش آمدید۔''

تھورین قدرے سرد مہری سے بولا، ''بہت شکریہ۔'' لیکن اس دوران گنڈالف اپنے گھوڑے سے اترا اور پری زادوں سے گرمجوشی سے بات چیت میں مشغول ہو گیا۔

پری زاد بولا، ''اگر آپ لوگ دریا پار کر کے مسکنِ آسودہ کی جانب جا رہے ہیں تو آپ اپنے راستے سے بھٹک گئے ہیں۔ ہم آپ کو درست راستہ دکھا دیتے ہیں، لیکن آپ کو پُل تک پیدل چلنا ہو گا۔ کیا آپ ہمارے پاس کچھ دیر رکیں گے یا آپ سیدھا آگے جانا چاہیں گے؟ رات کا کھانا تیار ہو رہا ہے، مجھے یہاں تک لکڑیوں کے جلنے کی خوشبو آ رہی ہے۔''

تھکاوٹ کے باوجود بلبو کا یہاں رکنے کو جی چاہا۔ اگر آپ کو موسیقی سے شغف ہے تو جون کے مہینے میں ستاروں بھرے آسمان کے نیچے پری زادوں کے گیت کون سننا نہ چاہے گا؟ علاوہ ازیں وہ ان لوگوں سے اکیلے میں بات چیت کرنا چاہتا تھا جو اس کا نام اور اس کے بارے میں بہت کچھ جانتے تھے حالانکہ ان کی پہلے کبھی ملاقات نہ ہوئی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ ان کی اس مہم کے بارے میں پری زادوں کے خیالات دلچسپی کے حامل ہوں گے۔ پری زاد بہت کچھ جانتے ہیں، اور ہر طرف کی خبر رکھتے ہیں۔ اس علاقے سے گزرنے والے مسافروں کے بارے میں اطلاعات پری زادوں تک پہاڑی دریاؤں کے پانی کی مانند فوراً پہنچ جاتی ہیں یا شاید اس سے بھی پہلے ....

لیکن بونوں کو رات کے کھانے تک پہنچنے کی جلدی تھی اور وہ یہاں رکنے میں کوئی دلچسپی نہ رکھتے تھے۔ یوں وہ اپنے خچروں کی باگیں تھامے چل نکلے اور جلد ہی ایک صاف اور ہموار

راستے پر آن پہنچے جو انھیں دریا کے کنارے پر لے آیا۔ سارا دن سورج پہاڑوں کی برفانی چوٹیوں پر اپنی تمازت برساتا رہا تھا، اس لیے گرمیوں کی کسی بھی شام کی طرح پہاڑی دریا کا تیز پانی شور مچاتا جا رہا تھا۔ دریا کے دونوں پاٹوں کے درمیان پتھروں سے بنا ایک پل تھا جس کے دونوں جانب کوئی دیوار نہ تھی۔ پل اتنا تنگ تھا کہ بہ یک وقت اس پر صرف ایک ہی خچر گزر سکتا تھا۔ وہ سب یکے بعد دیگرے اپنے اپنے خچروں کی باگیں تھامے آہستہ آہستہ انتہائی احتیاط سے گزرتے گئے۔ اس دوران پری زاد دریا کے کنارے روشن قندیلیں تھامے کھڑے گیت گاتے رہے۔

ایک پری زاد نے تھورین پر آوازہ کسا، ''بڈھے، اپنی داڑھی پانی میں سے بچا کر رکھنا! کافی لمبی ہو گئی ہے، اب اس کی مزید آبیاری کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' تھورین چاروں ہاتھوں پیروں پر چلتا پل پار کر رہا تھا۔ دوسرا قہقہہ لگاتے ہوئے چلّایا، ''اور بلبو کو کوئی کیک وغیرہ نہ کھانے دینا۔ مزید موٹا ہو گیا تو بند دروازوں میں سے کیسے گزرے گا؟'' گنڈالف جو سب سے پیچھے تھا، مسکراتے ہوئے بولا، ''بس بس، میرے دوستو، اب شب بخیر! وادیوں کے بھی کان ہوتے ہیں اور کچھ پری زادوں کی زبان بہت ہی لمبی ہوتی ہے۔ شب بخیر۔''

ایک عجیب بات یہ ہے کہ اگر آپ کے پاس اچھی کہانیاں ہوں یا آپ نے اچھے دن گزارے ہوں تو ان کا ذکر تو ضرور ہوگا لیکن انھیں سننے والوں کو کوئی خاص لطف نہیں آئے گا۔ ہاں اگر حالات دشوار ہوں، ہولناک ہوں یا مخدوش ہوں تو کہانی سنانے والے کو بھی لطف آتا ہے اور سننے والے کو بھی۔ وہ سب بھی اس محل نما گھر میں بہت روز رہے شاید چودہ روز، اور یہاں سے روانہ ہونا سبھی کو مشکل لگا۔ بلبو کا تو جی چاہا کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یہیں رہ جائے۔ وہ تو یہ جان بیٹھا کہ اس طلسماتی محل میں اگر وہ چاہے تو ایک لمحے میں اڑ کر واپس اپنے گھر میں پہنچ جائے گا۔ پھر بھی اس محل نما گھر کے بارے میں یہاں کچھ تو بیان کرنا ہوگا۔

اس گھر کے سربراہ ایلرونڈ کی نسل پری زادوں سے صدیوں پرانی نسبت رکھتی تھی۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے بارے میں صدیوں پرانی عجیب و غریب داستانیں سنائی جاتی تھیں مثلاً

شیطانی بھتنوں اور پری زادوں اور شمال سے آنے والے انسانوں کے درمیان ہونے والی جنگیں.... اس زمانے میں ایسے لوگ ہوا کرتے تھے جن کے آباؤاجداد میں پری زاد اور شمال کے جنگجو انسان دونوں ہوتے تھے۔ اس محل کا مالک ایلرونڈ ان کا سردار تھا۔

وہ صورت وسیرت دونوں میں پری زاد بادشاہ لگتا تھا، کسی جنگجو کی مانند طاقتور، جادوگر کی مانند دانش مند، بونوں کے بادشاہ کی مانند معزز اور سرمائی شام کی مانند نرم خو اور رحم دل۔ گو اس کا ذکر بہت سی داستانوں میں پایا جاتا ہے تاہم اگر ہم بلبو کی کہانی کے اختتام تک پہنچ پائے تو آپ دیکھیں گے کہ اس کہانی میں اس کا کردار مختصر ہونے کے باوجود انتہائی اہم ہے۔ اس کا محل ہر لحاظ سے مکمل اور کامل آسائشوں کا حامل تھا، چاہے آپ کو کھانا پینا پسند ہو، یا آرام واستراحت کرنا، یا کام کرنا، یا کہانیاں سنانا یا سننا یا گیت گانا.... یا پھر صرف کسی جگہ سکون سے بیٹھ کر غور وفکر کرنا.... یا یکے بعد دیگرے یہ سب کام کرنا.... اس وادی میں کبھی کسی شیطانی طاقت کا گزر نہ ہوا تھا۔

کاش میرے پاس وقت ہوتا کہ میں آپ کو وہ کہانیاں اور وہ گیت سنا سکتا جو بلبو اور اس کے ساتھیوں نے یہاں سنے۔ چند ہی دنوں میں سب لوگ (خچروں سمیت) ایک مرتبہ پھر تازہ دم ہو گئے، ان کی خراشیں مندمل ہو گئیں، ان کے کپڑے صاف ستھرے، طبیعت ہشاش بشاش اور حوصلہ بلند ہو گیا۔ پری زادوں نے پہاڑوں کے طویل سفر کے لیے ان کے تھیلے ہلکی پھلکی لیکن انتہائی قوت بخش غذاؤں سے بھر دیئے۔ انھیں راستے کی مشکلات سے بچنے کے لیے ہدایات دیں اور یوں بیچ بہار کی ایک رات کو ان کی تیاریاں مکمل ہوئیں اور انھوں نے اگلی صبح سویرے روانگی کا فیصلہ کیا۔

ایلرونڈ ہر زبان اور ہر زمانے کی تحریروں اور علامات کا گہرا علم رکھتا تھا۔ ایک دن اس نے ان تلواروں کا جائزہ لیا جو وہ دیوؤں کے غار سے اٹھا لائے تھے اور کہنے لگا، ''یہ تلواریں دیوؤں کے ہاتھ کی بنی ہوئی نہیں ہیں۔ یہ بہت پرانی تلواریں ہیں، میرے آباؤاجداد مغرب کے عظیم پری زادوں کے زمانے کی بہت پرانی تلواریں ہیں۔ یہ بھتنوں کے خلاف جنگوں کے

دوران گنڈولین میں بنائی گئی تھیں۔ یہ کسی اژدھے کے خزانے یا کسی بھتنے کی لوٹ مار کے نتیجے میں ان دیوؤں کے ہاتھ لگی ہوں گی کیونکہ بہت عرصہ ہوا وہ شہر اژدھوں اور بھتنوں کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو گیا تھا۔ تھورین، پرانی گنڈولین زبان میں اس تلوار کا نام ''آرکرسٹ'' ہے جس کا معنی ہے ''بھتنا چیر'' یہ بہت مشہور تلوار ہے اور گنڈالف، اس تلوار کا نام ''گلیمڈرنگ'' ہے جس کا مطلب ''دشمن توڑ'' ہے۔ یہ تلوار گنڈولین کا بادشاہ پہنا کرتا تھا۔ ان تلواروں کا خیال رکھنا۔''

تھورین اوکن شیلڈ اپنی تلوار کو دلچسپی سے دیکھتے ہوئے بولا، ''نجانے یہ ان دیوؤں کے ہاتھ کیسے لگیں؟''

ایلرونڈ نے جواب دیا، ''میں یقین سے تو نہیں کہہ سکتا لیکن میرا قیاس ہے کہ ان دیوؤں نے کسی اور لٹیرے کو لوٹا ہو گا یا پہاڑوں میں کسی غار میں انھیں یہ تلواریں کسی پوشیدہ خزانے میں ملی ہوں گی۔ میں نے سنا ہے کہ بھتنوں اور بونوں کی جنگوں کے بعد سے موریا کی کانوں کے تاریک غاروں میں ابھی بھی کئی گمشدہ اور پوشیدہ خزانے موجود ہیں۔''

تھورین چند لمحے سوچنے کے بعد بولا، ''میں اس تلوار کو تعظیم سے رکھوں گا۔ شاید ایک مرتبہ پھر یہ بھتنوں کے سر اتارنے کے کام آئے۔''

ایلرونڈ بولا، ''ان پہاڑوں میں تمھاری یہ خواہش پوری ہونے کا غالب امکان ہے۔ اب مجھے اپنا نقشہ دکھاؤ۔''

وہ دیر تک نقشے کو غور سے دیکھتا رہا اور اپنا سر ہلاتا رہا۔ اگرچہ وہ بونوں اور سونے سے ان کے لگاؤ کو کچھ خاص پسند نہ کرتا تھا لیکن اسے اژدھوں اور ان کی سفاکی اور بے دردی سے نفرت تھی۔ اسے اب بھی ڈیل کے شہر، اس کی پُرمسرّت گھنٹیوں اور دریائے رواں کے پُرسکون کناروں کی تباہی اور بربادی کا رنج تھا۔ نیا چاند اپنی پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ اس نے نقشے کو چاند کی روشنی کی جانب اٹھایا تو اس میں سے سفید روشنی چھن چھن کر آنے لگی۔ وہ کہہ اٹھا، ''ارے، یہ کیا ہے؟ ان دوسری علامات کے ساتھ یہ خطِ قمری میں بھی کچھ لکھا ہے جس کا معنی ہے، پانچ فٹ اونچا دروازہ، جس میں تین گزر پائیں۔''

بلبوتجسس کے مارے بول اٹھا،"یہ خطِ قمری کیا ہوتا ہے؟" جیسا کہ میں بتا چکا ہوں کہ اسے نقشوں سے بہت لگاؤ تھا اور وہ پرانی تحریروں، علامتوں اور خوش خطی سے بھی دلچسپی رکھتا تھا، اگرچہ اس کی اپنی لکھائی آڑھی ترچھی تھی۔

ایلرونڈ نے جواب دیا،"خطِ قمری بھی ایک طرح کا علامتی رسم الخط ہے لیکن اگر اسے سامنے سے دیکھیں تو یہ دکھائی نہیں دیتا۔ یہ صرف اس وقت دکھائی دیتی ہے جب اس کے عقب سے چاند کی روشنی گزرے اور اس سے بھی زیادہ کمال یہ ہے کہ وہ چاند اسی تاریخ اور اسی موسم کا ہونا چاہیے جس موسم اور جس تاریخ میں یہ تحریر لکھی گئی تھی۔ یہ طرزِ تحریر بونوں نے ایجاد کیا تھا اور تمھارے دوست تمھیں بتائیں گے کہ اسے چاندی کے قلم سے لکھا جاتا تھا۔ نقشے پر یہ علامات بھی بہت سال پہلے کسی بیچ بہار کی رات میں نئے چاند کی روشنی میں لکھی گئی ہوں گی۔"

گنڈالف اور تھورین یک زبان ہو کر بولے،"ان کا کیا مطلب ہے؟" وہ دونوں شاید اس بات پر متفکر تھے کہ ایلرونڈ کو اس نقشے کے پڑھے جانے کے وقت کا علم ہو چکا تھا حالانکہ اس وقت کے آنے کا امکان نہ پہلے تھا اور نہ مستقبل قریب میں ہونے کا اندیشہ تھا۔

ایلرونڈ پڑھتا گیا،"جب چڑیا دستک دے تو سرمئی دروازے کے سامنے کھڑے ہو جاؤ، کنجی لگانے کا مقام یومِ ڈیورین کے سورج کی آخری کرن سے روشن ہو گا۔"

تھورین کہہ اٹھا،"ڈیورین، ڈیورین.... وہ بونوں کی اوّلین لم ڈھڑیل نسل کے اصلی آباؤاجداد میں تھا اور میرا پہلا جدِامجد تھا۔ میں اسی کی نسل کا وارث ہوں۔"

ایلرونڈ بولا،"تو پھر یومِ ڈیورین کیا ہے؟"

تھورین نے جواب دیا،"سب بونے جانتے ہیں کہ بونوں کے نئے سال کی ابتدا موسم سرما سے پہلے خزاں کے آخری چاند کے پہلے دن کو ہوتی ہے۔ ہم آج بھی اس دن کو یومِ ڈیورین کہتے ہیں جب خزاں کا آخری چاند اور سورج دونوں بہ یک وقت آسمان پر دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن اس سے ہماری الجھن حل نہیں ہوتی کیونکہ آج کل کے بونوں میں کوئی بھی اس علم کا حامل نہیں ہے کہ ہمیں بتا سکے کہ آیندہ ایسا دن کب آئے گا۔"

گنڈالف بولا، ''یہ بعد میں دیکھا جائے گا اور کیا لکھا ہے؟''

ایلرونڈ نے نقشہ واپس تھورین کو تھمایا اور بولا، ''نہیں، کم از کم اس چاند میں دکھائی دینے والا تو مزید کچھ نہیں لکھا۔''

پھر وہ نیچے دریا کے پاس آن پہنچے جہاں سارے پری زاد بیچ بہار کی رات کی خوشی میں ناچ گانے میں مصروف تھے۔ دوسرے دن بیچ بہار کی پہلی صبح انتہائی تروتازہ اور حسین تھی۔ شفاف نیلگوں آسمان پر دُور دُور تک کسی بادل کا نام ونشان تک نہ تھا اور پانی پر سورج کی کرنیں رقصاں تھیں۔ جب وہ روانہ ہوئے تو ان کے عقب میں پری زادوں کے الوداعی دعائیہ گیتوں کی آوازیں بلند ہوئیں۔ ہمارے مہم جوؤں کے دل حوصلوں سے بھرے تھے کہ اب انھیں دھندلے پہاڑوں کے پار اترنے والے راستے کا علم ہو چکا تھا۔

چوتھا باب

پہاڑ کے اوپر اور پہاڑ کے نیچے

ان پہاڑوں تک پہنچنے والے بہت سے راستے تھے اور انھیں پار کرنے والی بھی بہت سی راہیں تھیں۔ لیکن ان راستوں میں زیادہ تر مسافروں کو دھوکا دیتے، انھیں بھول بھلیوں میں یا خطرناک منزلوں تک لے جاتے تھے۔ پہاڑوں کے درمیان گزرنے والی ان راہوں پر اکثر شیطانی عفریتوں اور خوفناک بلاؤں کا بسیرا رہتا۔ لیکن ایلرونڈ کے دانشمندانہ مشوروں اور گنڈالف کے علم اور یادداشت کی بدولت ہابٹ اور بونے محفوظ راستوں پر چلتے ہوئے درست راہ پر پہنچ گئے۔

وادی سے نکلے ہوئے اور آخری مسکن آسودہ سے روانہ ہوئے انھیں بہت دن گزر چکے تھے لیکن اب بھی ان کا راستہ مزید بلندی کی جانب گامزن تھا۔ یہ راستہ دشوار گزار، خطرناک، پیچیدہ، سنسان اور طویل تھا۔ اب انھیں اپنے عقب میں وہ علاقہ دکھائی دے رہا تھا جہاں سے وہ روانہ ہوئے تھے۔ بلبو جانتا تھا کہ دُور افق کے پار مغرب کی جانب جہاں سب کچھ دُھندلا نیلگوں تھا اس کا اپنا گاؤں شائیر تھا جہاں ہر شے محفوظ اور آرام دہ تھی، جہاں اس کا اپنا گھر تھا۔ وہ کپکپا اٹھا۔ یہاں بلندی پر برفیلی ہوا پہاڑوں کے درمیان چیخ رہی تھی۔ وقتاً فوقتاً سورج کی

تمازت سے برفانی چوٹیوں سے پگھلتی برف کے باعث اوپر سے پتھر اور کنکریاں گرتی تھیں جو کبھی خوش قسمتی سے ان سے دُور گرتیں اور کبھی خطرناک انداز میں ان کے سروں پر سے گزر جاتیں۔ راتیں سخت سرد اور یخ بستہ تھیں۔ ان میں گانے اور اونچی آواز میں بات چیت کرنے کی بھی ہمت نہ تھی کیونکہ ان کی آوازوں کی بازگشت بھی پُراسرار تھی۔ یوں لگتا تھا کہ پہاڑی نالوں کی آوازوں، ہوا کی چیخوں اور پتھروں کی گڑگڑاہٹ کے علاوہ خاموشی کسی اور کو اپنے سکون میں مخل نہ ہونے دینا چاہتی تھی۔

بلبو سوچ رہا تھا، ''شائیر میں بہار کی آمد آمد ہوگی۔ فصلیں کٹ رہی ہوں گی اور لوگ باہر کھیتوں میں ٹہل رہے ہوں۔ اس رفتار سے تو ہمارے پہاڑ کے دوسری جانب اترنے سے پہلے ہی سیاہ شہتوت اترنا شروع ہو جائیں گے۔'' اس کے دوسرے ساتھیوں کے ذہنوں میں بھی ایسے ہی افسردہ اور مایوس کن خیالات آ رہے تھے۔ حالانکہ جب وہ بیچ بہار کی پہلی صبح ایلرونڈ کو الوداع کہہ رہے تھے تو پہاڑوں اور ان کے راستوں کے بارے میں خوش مزاجی سے باتیں کر رہے تھے اور پرامید تھے کہ وہ جلد ہی پہاڑوں کے پار اتر جائیں گے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ خزاں کے پہلے چاند کے ساتھ ہی کوہِ یکتا کے پوشیدہ دروازے کے سامنے جا پہنچیں گے۔ شاید کسی نے کہا تھا، ''شاید وہی یومِ ڈیورین ہو!'' صرف گنڈالف ہی تھا جو اپنا سر ہلاتے ہوئے خاموش رہا۔ بہت عرصے سے بونوں کا اس علاقے سے گزر نہ ہوا تھا لیکن گنڈالف اس علاقے سے اچھی طرح واقف تھا۔ وہ جانتا تھا کہ جب سے اژدھوں کے خوف سے انسان ان علاقوں سے بھاگ اٹھے تھے اور موریا کی کانوں کی جنگوں کے بعد بھتنوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے باعث یہاں شیطانی قوتیں اور خطرات بھی بڑھ چکے تھے۔ اس بیابان میں گنڈالف جیسے عقل مند جادوگروں کی تدبیریں اور ایلرونڈ جیسے دوستوں کے مشورے بھی ناکام ہو سکتے ہیں اور گنڈالف ایک زیرک اور ذی فہم جادوگر ہونے کے ناطے یہ خوب جانتا تھا۔

وہ جانتا تھا کہ کسی وقت بھی کوئی ناگہانی آفت ٹوٹ سکتی ہے اور اسے صرف ایک موہوم سی امید تھی کہ شاید وہ کسی خوفناک مصیبت سے مڈبھیڑ کے بغیر ان بلند و بالا ویران پہاڑوں اور

وادیوں سے گزر جائیں جہاں طویل عرصے سے کوئی نہ آیا تھا۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ اس دن تک تو سب خیریت رہی جب طوفانی بارش شروع ہوئی۔ طوفانی بارش تو کیا یہ طوفانی جنگ تھی۔ آپ سب جانتے ہیں کہ میدانی اور دریائی علاقوں میں طوفانی بارشیں کتنی خوفناک ہوتی ہیں خصوصاً اس وقت جب دو جانب سے ہیبت ناک طوفان بڑھتے ہوئے آئیں اور ایک دوسرے سے ٹکرا جائیں۔ پہاڑوں میں رات کے طوفان اور آسمانی بجلیاں اس وقت مزید ہولناک ہو جاتی ہیں جب وہ مشرق اور مغرب دونوں جانب سے اٹھیں اور غضبناک ہو کر ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو جائیں۔ چوٹیوں پر بجلیاں ناچنے لگتی ہیں، پہاڑ کانپنے لگتے ہیں اور بجلی کی گڑگڑاہٹ آسمانوں کو چیرتی ہوئی ہر وادی اور ہر غار میں پھیلتی چلی جاتی ہے۔ بادلوں کی دہلا دینے والی گڑگڑاہٹ اور آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی روشنی کے کوندوں سے تاریکی پھٹنے لگتی ہے۔

ایسی صورتِ حال دیکھنا تو دُور کی بات بلبو نے ایسا طوفان کبھی خواب میں بھی نہ دیکھا تھا۔ وہ اس وقت ایک بلند اور تنگ پگڈنڈی پر موجود تھے جہاں ایک جانب پہاڑ اور دوسری جانب گہری کھائی تھی۔ وہ ایک اُبھری ہوئی چٹان کے نیچے رات گزارنے رکے تھے اور بلبو اپنے کمبل میں لپٹا کسی خزاں رسیدہ پتے کی مانند سر سے پاؤں تک کانپ رہا تھا۔ چمکتی بجلی کی روشنی میں اس نے کمبل سے باہر جھانکا تو اسے دُور نیچے وادی میں سنگی دیوؤں کو کھیلتے دیکھا جو ایک دوسرے پر بڑی بڑی چٹانیں گیندوں کی طرح پھینک رہے تھے اور پھر انھیں پکڑ کر دُور اندھیری وادیوں میں اُچھال دیتے جہاں وہ بلند و بالا تناور درختوں کو گھاس کی مانند کچل کر رکھ دیتیں یا خود دھماکے کے ساتھ پاش پاش ہو جاتیں۔ بارش کے ساتھ طوفانی ہوا چل رہی تھی جو بارش کے قطروں اور اولوں کو سنگلاخ کنکریوں کی مانند اِدھر اُدھر پھینک رہی تھی۔ یوں اُبھری ہوئی چٹان بھی ان کے لیے کسی محفوظ پناہ گاہ کا کام نہیں دے رہی تھی۔ جلد ہی وہ سب بھیگ کر شرابور ہو گئے اور ان کے خچر بھی سر لٹکائے اور اپنی دُمیں ٹانگوں کے درمیان دبائے کھڑے رہے۔ ان میں چند تو خوف کے مارے ہنہنانے لگے۔ اس شور شرابے میں بھی سنگی دیوؤں کے گرجدار قہقہے اور ان کے چیخنے چلّانے کی آوازیں ان کے کان پھاڑے دے رہی تھیں۔

پھر تھورین بول اٹھا، ''یہاں ٹھہرنا بے سود ہے۔ یہاں بیٹھے بیٹھے یا تو ہم جم جائیں گے یا پانی میں ڈوب جائیں گے یا آسمانی بجلی سے خاکستر ہو جائیں گے یا پھر وہ سنگی دیو ہمیں پکڑ لیں گے اور ہمیں گیندوں کی طرح ہوا میں اُچھالنے لگیں گے۔''

گنڈالف خود بھی زِچ ہوا بیٹھا تھا اور اسے بھی دیوؤں کی فکر لاحق تھی۔ وہ تنک کر بولا، ''اگر تمھیں کسی بہتر جگہ کا علم ہے تو ہمیں وہاں لے چلو۔''

اس کے بعد شروع ہونے والی بحث کے نتیجے میں انھوں نے کسی بہتر پناہ گاہ کی تلاش میں کیلی اور فیلی کو آگے روانہ کیا۔ ان دونوں کی نگاہیں تیز تھیں اور کم عمر ترین بونے ہونے کے باعث (وہ باقی بونوں سے کم از کم پچاس سال چھوٹے تھے) ایسے کام عموماً انہی کو سونپے جاتے تھے۔ یوں بھی وہ سب جان گئے تھے کہ ایسے کاموں پر بلبو کو بھیجنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اگر کوئی چیز تلاش کرنا ہو تو پہلے اسے ڈھونڈنا پڑتا ہے (کچھ ایسا ہی تھورین نے نوجوان بونوں سے کہا تھا) اگر آپ کچھ تلاش کر رہے ہیں تو آپ کو کچھ نہ کچھ ضرور مل جائے گا لیکن عموماً آپ کو جو ملتا ہے وہ ہمیشہ وہ نہیں ہوتا جسے آپ تلاش کر رہے تھے۔ اس معاملے میں بھی یہی ہوا۔

جلد ہی فیلی اور کیلی پتھروں کو تھام تھام کر رینگتے ہوئے واپس لوٹ آئے اور اطلاع دی کہ آگے کچھ ہی فاصلے پر موڑ کے ساتھ ہی ایک خشک غار ہے جس میں سب لوگ خچروں سمیت سما سکتے ہیں۔

''کیا تم نے اس کا تفصیلی جائزہ لیا ہے؟'' گنڈالف بولا، جو جانتا تھا کہ پہاڑوں کے غار شاذ و نادر ہی ویران ہوا کرتے ہیں۔

وہ دونوں بولے، ''ہاں، ہاں! غار بہت زیادہ وسیع نہیں ہے اور نہ ہی بہت دُور تک جاتا ہے۔'' لیکن سب لوگوں کو احساس تھا ان دونوں نے کچھ زیادہ تفصیلی جائزہ نہ لیا ہوگا کیونکہ وہ بہت جلد ہی واپس لوٹ آئے تھے۔

غاروں کے بارے میں یہی تو سب سے خطرناک بات ہے۔ آپ کبھی درست طور پر نہیں جان سکتے کہ وہ کتنی دُور تک جاتے ہیں، کہاں سے کوئی اور راستہ نکلتا ہے اور اس راستے

میں کیا شے آپ کے انتظار میں گھات لگائے بیٹھی ہے۔ فی الحال فیلی اور کیلی کی اطلاع درست ہی محسوس ہوتی تھی اس لیے سب ہی اُٹھ کھڑے ہوئے اور روانگی کے لیے تیاریاں کرنے لگے۔ ہوا ابھی تک چیخ رہی تھی اور بجلی ابھی تک چنگھاڑ رہی تھی اور وہ بمشکل تمام اپنے خچروں کو کھینچتے اس غار کی جانب روانہ ہوئے۔ لیکن انھیں زیادہ دُور نہ جانا پڑا اور تھوڑی دیر بعد وہ راستے میں بڑھی ہوئی ایک چٹان کے سامنے آن کھڑے ہوئے۔ اگر اس کے پیچھے کی جانب بڑھیں تو پہاڑ کے پہلو میں ایک نشیبی محراب دکھائی دیتی تھی۔ اس محراب میں صرف اتنا ہی راستہ تھا کہ تمام سامان اُتار کے خچروں کو مشکل سے اندر داخل کیا جا سکتا تھا۔ وہ جیسے ہی اندر داخل ہوئے تو طوفان اور بارش کے شور اور سنگی دیوؤں اور ان کی سنگلاخ چٹانوں سے جیسے نجات مل گئی۔ لیکن گنڈالف پھر بھی کسی قسم کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ اس نے اپنا عصا روشن کیا۔ اگر آپ کو یاد ہو اس نے بلبو کے کھانے کے کمرے میں بھی ایسے ہی کیا تھا جسے لگتا تھا اب نجانے کتنا عرصہ ہو گیا۔ اس کی روشنی میں انھوں نے ایک کونے سے دوسرے کونے تک سارا غار چھان مارا۔

غار کافی بڑا اور پُراسرار تھا۔ فرش خشک اور آرام دہ محسوس ہوتا تھا۔ ایک سرے پر انھیں خچروں کو باندھنے کی جگہ بھی مل گئی۔ وہ بھی بارش اور طوفان سے محفوظ ہونے پر اس کونے میں پرسکون کھڑے ہو گئے اور اپنے توبڑوں میں منہ مارنے لگے۔ اوئین اور گلوئین دونوں اپنے کپڑے سکھانے کے لیے دروازے کے قریب آگ روشن کرنا چاہتے تھے لیکن گنڈالف نے سختی سے منع کر دیا۔ اس پر انھوں نے اپنے بھیگے ہوئے کپڑے غار کے فرش پر بچھا دیئے اور اپنے تھیلوں سے تازہ کپڑے نکال کر پہن لیے۔ پھر انھوں نے بستر بچھائے اور سکون سے بیٹھ کر اپنے پائپ سلگا لیے اور دھوئیں کے مرغولے اڑانے لگے۔ گنڈالف انھیں مختلف رنگوں میں بدل ڈالتا اور وہ چکراتے ہوئے غار کی چھت تک جا پہنچتے۔ جلد ہی وہ طوفان کو بھول گئے اور باتیں کرنے لگے، اور خزانے سے ملنے والے اپنے حصے کو خرچ کرنے کے بارے میں منصوبے بنانے لگے۔ عین اس لمحے خزانے کا حصول کچھ اتنا بھی ناممکن نہ دکھائی دے رہا تھا۔ پھر یکے

بعد دیگرے وہ سب نیند کی آغوش میں اترتے گئے۔ یہ وہ آخری موقع تھا جب انھوں نے اپنے خچر، تھیلے، اوزار اور دیگر ساز و سامان دکھائی دیا۔

اچھا ہی ہوا کہ وہ بلبو کو اپنے ساتھ لے آئے تھے۔ وہ دیر تک لیٹا اندھیروں میں گھورتا رہا۔ نینداس کی آنکھوں سے کوسوں دُور تھی۔ جب اس کی آنکھ لگی تو اسے ڈراؤنے خواب آنے لگے۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ ایک دیوار میں ایک دراڑ پڑی اور پھر پھیلتی گئی اور وسیع سے وسیع تر ہوتی گئی اور وہ دیکھتا گیا، وہ چیخنا چاہتا تھا لیکن اس کے کھلے ہونٹوں سے کوئی آواز برآمد نہ ہوئی۔ پھر اس نے دیکھا کہ غار کا فرش پھٹنے لگا اور وہ اس زمین پر پھسلنے لگا، زمین میں پڑے اس شگاف میں گرنے لگا، نیچے نیچے تاریکی میں نجانے کہاں تک....

یکا یک ایک جھٹکے کے ساتھ اس کی آنکھ کھل گئی اور اسے احساس ہوا کہ اس کے خواب کا ایک حصہ واقعی حقیقت تھا۔ دیوار میں دراڑ پڑ چکی تھی اور اس میں ایک وسیع راستہ دکھائی دے رہا تھا۔ جیسے ہی اس کی نگاہ اس راستے پر پڑی تو اس نے دیکھا کہ آخری خچر کی دم اس دراڑ میں غائب ہو رہی تھی۔ یہ دیکھتے ہی وہ چیخ اٹھا، بہت زور سے چیخا، جو کہ ہابٹوں کی جسامت کی اعتبار سے کافی حیرت انگیز تھا۔

پھر اس کی نگاہوں کے سامنے ہی دراڑ میں سے قدآور اور کریہہ صورت بھتنے چھلانگیں مارتے برآمد ہونے لگے۔ لاتعداد بھتنے! وہ سب ان پر پل پڑے، ہر بونے پر کم از کم آدھ درجن اور دو تین تو صرف بلبو پر لپکے۔ اس سے قبل کہ کوئی کچھ کر سکتا انھیں ہاتھوں پیروں سے پکڑ کر بھتنے دراڑ میں غائب ہو گئے.... سوائے گنڈالف کے۔ بلبو کی چیخ کا اتنا تو فائدہ ہوا۔ گنڈالف ایک لمحے میں اٹھ بیٹھا تھا اور جب بھتنے اس کی جانب بڑھے تو غار میں روشنی کا ایک جھما کہ ہوا اور ہوا میں بارود کی بو پھیل گئی اور بھتنوں میں سے بہت سوں کے دل پھٹ گئے اور ان کی لاشیں وہیں گر گئیں۔

ایک گڑگڑاہٹ کے ساتھ دراڑ بند ہو گئی اور بلبو اور بونوں نے خود کو دیوار کی دوسری جانب پایا۔ لیکن گنڈالف کہاں تھا؟ بونوں اور بھتنوں دونوں کو اس کا علم نہ تھا اور بھتنوں کا

گنڈالف کو ڈھونڈنے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ انھوں نے بلبو اور بونوں کو گرفت میں لیا اور تاریکی میں بھاگتے چلے گئے۔ راستے میں اتنی گھٹا ٹوپ تاریکی تھی کہ صرف پہاڑوں میں زیرِ زمین تاریکی میں زندگی بسر کرنے والے بھتنوں کو ہی دکھائی دے رہا تھا۔ وہ جن راستوں پر بھاگے چلے جا رہے تھے ان کے دونوں جانب سرنگیں نکل رہی تھیں لیکن بھتنوں کو اپنا راستہ خوب معلوم تھا جیسے آپ کو اپنے گھر سے ڈاک خانے کا راستہ معلوم ہوتا ہے۔ وہ نیچے، نیچے اور مزید نیچے اترتے گئے اور ہوا میں گھٹن مزید بڑھتی گئی۔ سنگدل بھتنے انھیں بے رحمی سے گھسیٹتے کھینچتے چلے گئے اور اپنی خوفناک کریہہ آوازوں میں قہقہے لگاتے گئے۔ اب بلبو کو اس وقت سے بھی زیادہ خوف محسوس ہوا جب اسے دیو نے ایک ٹانگ سے پکڑ کر ہوا میں اُلٹا لٹکا دیا تھا۔ اسے ایک مرتبہ پھر اپنا آرام دہ اور روشن گھر یاد آنے لگا تھا اور یہ آخری بار نہ ہوا۔

اب انھیں اپنے سامنے سرخ روشنی دکھائی دینے لگی تھی۔ روشنی کو دیکھتے ہی بھتنے اپنی کرخت آواز میں گانے لگے اور اپنے پیروں کی چاپ کے ساتھ تال ملاتے ہوئے اپنے قیدیوں کو بھی جھنجھوڑنے لگے۔

پکڑو، توڑو، کالی سیاہ دراڑ، جکڑو، کھینچو، پھینکو
نیچے، نیچے اندھیرے میں، بھتنوں کے اپنے ڈیرے میں
مارو، کچلو، رگڑو، ہتھوڑوں سے، سلاخوں سے، ڈنڈوں سے اور گرزوں سے
مار مار کر نیچے لے جاؤ، بھتنوں کے اپنے ڈیرے میں
رسی، بید اور کوڑا، چابک، روتے دھوتوں کی کھال ادھیڑو
کام کرو اور سر نہ اٹھاؤ، کام کرو اور سستی نہ دکھاؤ
ہم ناچیں گے، ہم گائیں گے، بھتنوں کے اپنے ڈیرے میں

خوف سے بونوں کے دل دہل رہے تھے۔ بھتنوں کے گیت اور ان کے دہشتناک قہقہوں سے دیواریں گونج رہی تھیں۔ ان کے گانے کا مطلب صاف ظاہر تھا۔ کیونکہ اب

بھتنوں نے کوڑے نکال لیے اور ''کھال ادھیڑو'' کے الفاظ پر ان پر کوڑے برسانے لگے اور انھیں آگے آگے سرپٹ بھاگنے پر مجبور کرنے لگے۔ یونہی روتے دھوتے بونوں کو لے کر وہ یکا یک ایک بڑے ہال میں داخل ہوئے۔ ہال کے درمیان میں آسمان سے باتیں کرتا الاؤ دہک رہا تھا، دیواروں پر مشعلیں روشن تھیں اور ہر طرف بھتنے ہی بھتنے دکھائی دے رہے تھے۔ جب بونے اپنے پیچھے چابک برساتے اور چیختے بھتنوں سے بچنے کے لیے بگٹٹ بھاگتے ہوئے ہال میں داخل ہوئے (بلبوسب سے آخر میں تھا اور کوڑوں سے قریب ترین) تو وہاں موجود بھتنوں نے قہقہے لگاتے، تالیاں بجاتے اور چلّاتے ہوئے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ ان کے خچر پہلے ہی ایک کونے میں اکٹھے موجود تھے۔ قریب ہی ان کا سارا سامان اِدھر اُدھر کھلا پڑا تھا اور کچھ بھتنے سامان کی تلاشی لے رہے تھے، سونگھ رہے تھے، اور ایک دوسرے کو نوچ کھسوٹ رہے تھے۔

مجھے افسوس ہے کہ یہی وہ آخری موقع تھا کہ انھوں نے اپنے خچروں کو دیکھا، خصوصاً ایک مضبوط قد وکاٹھ والا سفید خچر جو ایلرونڈ نے گنڈالف کو دیا تھا کیونکہ اس کا گھوڑا پہاڑی راستوں کے لیے مناسب نہ تھا۔ بھتنے دیگر بہت سے جانوروں سمیت گھوڑوں، خچروں اور گدھوں کو کھا جاتے ہیں اور ان کی بھوک پھر بھی ختم نہیں ہوتی۔ لیکن اس وقت تو قیدیوں کو اپنی جان کے لالے پڑے تھے۔ بھتنوں نے ان سب کی پشت پر ان کے ہاتھوں میں زنجیریں ڈال دیں اور اور انھیں ہال کے آخری کونے میں دھکیلتے لے گئے۔ بلبوسب سے آخر میں گھسٹتا چلا گیا۔

وہاں ایک بلند پتھریلی سِل پر بھاری بھرکم سر والا ایک دیوہیکل بھتنا بیٹھا تھا اور اس کے چاروں جانب تلواروں اور کلہاڑوں سے لیس بھتنے کھڑے تھے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ بھتنے انتہائی سنگدل، کینہ پرور اور شقی القلب ہوتے ہیں۔ وہ کوئی خوبصورت چیزیں تو نہیں بنا سکتے لیکن بہت سی کارآمد چیزیں ضرور بنا سکتے ہیں۔ جب ان کا دل چاہے تو بونوں کی مانند کان کنی اور سرنگیں کھودنے میں مہارت کا ثبوت دے سکتے ہیں لیکن عمومی طور پر میلے کچیلے اور غلیظ رہتے ہیں۔ ہتھوڑے، کلہاڑے، تلواریں، خنجر، بیلچے وغیرہ اور خصوصاً تشدد کے اوزار یا تو خود بنانے کے ماہر ہوتے ہیں یا اپنے قیدیوں اور غلاموں سے بنواتے ہیں جو اس وقت تک جبری بیگار

کرتے رہتے ہیں جب تک سورج کی روشنی اور تازہ ہوا کو ترستے ہوئے اپنی جان نہیں دے دیتے۔ اس بات کا قوی امکان ہے کہ اس وقت سے لے کر آج تک ہماری دنیا میں فتنہ، فساد اور تباہ کن مشینوں اور اوزاروں کے ابتدائی مؤجد بھتنے ہی تھے خاص طور پر بڑے پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیار کیونکہ بھتنوں کو پہیوں، کل پرزوں اور آتشیں چیزوں سے خصوصی شغف رہتا تھا۔ جہاں تک ممکن ہو وہ کوشش کرتے تھے اپنے ہاتھوں سے کام نہ کرنا پڑے کیونکہ اس زمانے میں اور اس علاقے میں وہ ابھی اتنے ترقی یافتہ نہ ہو پائے تھے۔ بھتنوں کو بونوں سے بھی اتنی ہی نفرت اور دشمنی تھی جتنی دوسری نسلوں اور قوموں سے تھی خصوصاً مہذب، منظم اور متموّل لوگوں سے۔ کچھ علاقوں میں کچھ بدخصلت بونوں نے ان کے ساتھ اتحاد بھی کر رکھا تھا۔ لیکن تھورین کے خاندان کے ساتھ تو ان کی خاص چپقلش تھی جس کی بنیادی وجہ وہ جنگ ہے جس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے اور جس کا اس کہانی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بہرحال بھتنوں کو اس بات سے کوئی غرض نہیں ہوتی کہ ان کے قبضے میں کون آیا ہے۔ بس جو کوئی بھی آسانی سے ہتھے چڑھ جائے اور کسی نقصان یا مدافعت کے بغیر قابو میں آ جائے تو ٹھیک ہے۔

پتھر کی سِل پر بیٹھا شاہ بھتنا گرجا، ''کون ہیں یہ منحوس لوگ؟''

''کچھ بونے ہیں اور یہ بھی!'' ایک بھتنے نے زنجیر کو جھٹکا دیا تو بلبو سامنے آ کر گھٹنوں کے بل گر پڑا۔ ''ہمیں یہ بیرونی دروازے پر بیٹھے ملے تھے۔''

شاہ بھتنا تھورین کی جانب مڑا اور بولا ''تم یہاں کیوں آئے تھے؟ میں جانتا ہوں تم کسی اچھی نیّت سے تو نہیں آئے ہو گے۔ ضرور ہماری جاسوسی کرنے آئے ہو۔ مجھے یقین ہے تم یہاں چوری چکاری کی غرض سے آئے ہو۔ یقیناً تم قاتل ہو اور پری زادوں کے دوست ہو۔ بولو، جواب کیوں نہیں دیتے؟''

تھورین نے جواب دیا، ''میں ہوں تھورین بونا، آپ کی خدمت میں! آپ کو ہم پر جو شکوک و شبہات ہیں میں ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ ہم ایک طوفان سے بچنے کے لیے اس غار میں آن بیٹھے تھے جو مناسب اور محفوظ دکھائی دیا۔ بھتنوں کو کسی بھی قسم کی تکلیف یا

زحمت پہنچانا ہمارے خواب وخیال میں بھی نہ تھا۔" اور یہی حقیقت تھی۔

دیوہیکل شاہ بھتنا بولا، "ہوں ... . تم ایسا ہی کہو گے! اچھا تو یہ بتاؤ کہ تم ان پہاڑوں پر کیا کرنے آئے ہو، کہاں سے آئے ہو اور کہاں جا رہے ہو؟ میں تمھارے منصوبوں کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔ یوں تو اس سے تمھاری جان بخشی نہ ہوگی، تھورین اوکن شیلڈ، کیونکہ میں تمھارے خاندان کے بارے میں بہت کچھ جانتا ہوں۔ سب کچھ سچ سچ بتا ڈالو ورنہ کڑی سزا کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

چونکہ یہاں پورا سچ بیان کرنا مناسب نہ تھا، اس لیے تھورین جو منہ میں آیا تیزی سے بولتا گیا، "ہم اپنے بھائیوں، اپنے بھتیجوں اور اپنی بھتیجیوں اور دوسرے دُور پرے کے رشتہ داروں اور اپنے دادے پڑدادے کی اولادوں سے ملنے جا رہے ہیں، جو ان پُرسکون پہاڑوں کی مشرقی جانب رہتے ہیں۔"

ایک بھتنا چیخا، "یہ جھوٹ بول رہا ہے، اے میرے طاقتور ترین بادشاہ! جب ہم نے انھیں نیچے آنے کی دعوت دی تو غار میں ایک خوفناک بجلی کڑکی اور اس سے ہمارے بہت سے ساتھی مر گئے۔ وہ سب وہیں پتھروں کی طرح پڑے ہیں اور اس نے یہ بھی نہیں بتایا کہ اس کے پاس یہ تلوار کیوں تھی؟" یہ کہتے ہوئے اس نے تھورین کی وہ تلوار سامنے بڑھائی جو اس نے دیوؤں کے غار سے اٹھائی تھی۔

جیسے ہی اس کی نگاہ تلوار پر پڑی تو شاہ بھتنے کے منہ سے ایک غضبناک دھاڑ نکلی، اس کے ساتھ کھڑے بھتنے چیخنے لگے اور اپنے نوکیلے دانت کچکچانے لگے، اپنی تلواریں ڈھالوں پر مارنے لگے اور زمین پر زور زور سے پیر پٹخنے لگے۔ وہ سب اس تلوار کو خوب پہچانتے تھے۔ اپنے وقت میں اس تلوار نے سیکڑوں بھتنوں کی جان لی تھی جب گنڈولین کے پری زاد جنگلوں میں بھتنوں کا شکار کرتے تھے یا ان کی غاروں کے سامنے آ پہنچتے تھے۔ انھوں نے اس تلوار کا نام "اورکرسٹ" یا "بھتنا چیر" رکھ چھوڑا تھا۔ بھتنے اسے "چھرا" کہتے تھے۔ انھیں اس تلوار سے شدید نفرت تھی اور اسے اٹھانے والے سے اس سے کہیں شدید تر نفرت تھی۔

شاہ بھتنا دھاڑا، ''یہ قاتل ہیں اور پری زادوں کے دوست ہیں! کاٹو، چیرو، پھاڑو، بھنبوڑ ڈالو ان کو! لے جاؤ انھیں اور سانپوں والے غار میں پھینک دو تا کہ مرنے سے پہلے یہ دن کی روشنی نہ دیکھ سکیں!'' اس کے غیض وغضب کا یہ حال تھا کہ وہ منہ کھولے لپک کر تھورین کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

عین اسی لمحے یکا یک تمام روشنیاں گل ہوگئیں اور ہر طرف گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا گیا اور درمیان میں بھڑکتا ہوا الاؤ تیز ہوا میں رکھے چراغ کی مانند بجھ گیا۔ اس کے شعلوں کی جگہ نیلا دھواں چھت کی جانب اٹھنے لگا جس سے سفید رنگ کی چنگاریاں پھوٹیں اور بھتنوں پر گرنے لگیں۔

چاروں جانب چیخوں اور چنگھاڑوں اور دھاڑوں اور چلّانے اور غرّانے اور کراہنے کا ایک ایسا سیلاب بلند ہوا کہ بیان سے باہر ہے۔ سیکڑوں جنگلی بلیوں اور بھیڑیوں کو زندہ آگ میں بھونیں تو بھی ایسا شور پیدا نہ ہو پائے۔ چنگاریاں بھتنوں کے جسموں میں سوراخ کیے دیتی تھیں اور چھت سے نیچے آنے والا دھواں ان کی آنکھوں میں گھسا چلا جاتا تھا اور وہ دیکھنے کی صلاحیت سے محروم ہو گئے تھے۔ خوف کے عالم میں وہ سب ایک دوسرے سے ٹکراتے پھرتے تھے اور ایک دوسرے کو کاٹتے، مارتے، بھنبوڑتے جاتے تھے جیسے سارے خوف میں پاگل ہو گئے ہوں۔

یکا یک اندھیرے میں ایک تلوار روشنی کے کوندے کی مانند لپکی۔ بلبو نے دیکھا کہ شاہ بھتنا خوف اور حیرت کے عالم میں منہ کھولے ششدر کھڑا تھا کہ تلوار اس کے سینے سے پار ہوتی گئی۔ اس کا بے جان لاشہ کٹے درخت کی مانند زمین پر آن رہا اور سارے بھتنے تلوار سے بچنے کے لیے چیختے چلاتے اندھیروں میں غائب ہو گئے۔

تلوار واپس اپنی میان میں چلی گئی اور تاریکی میں ایک ہلکی لیکن درشت آواز سنائی دی، ''فوراً میرے پیچھے آؤ!'' یہ سمجھے بغیر کہ کیا ہو رہا ہے بلبو فوراً دوسرے بونوں کے پیچھے بھاگ اٹھا، تنگ و تاریک راستوں سے ہوتے ہوئے ان کے عقب میں بھتنوں کی چیخوں کی آوازیں

مدھم پڑتی جا رہی تھیں۔ ان کے آگے ایک دھیمی زرد روشنی ان کی راہنمائی کر رہی تھی۔

آواز پھر ابھری، ''تیز چلو تیز، وہ جلد ہی مشعلیں روشن کر دیں گے۔''

''ہاں ہاں بس ایک لحہ اور!'' بالین کی ہانپتی آواز سنائی دی جو سب سے آخر میں بلبو کے ساتھ ہی بھاگ رہا تھا۔ ہتھکڑیوں میں جکڑے ہاتھوں کے باوجود اس نے جیسے تیسے بلبو کو اپنے کاندھے پر لادا اور زنجیروں کی جھنکار میں وہ بھاگتے گئے۔ ہاتھ بندھے ہونے کی وجہ سے توازن برقرار رکھنا محال تھا اس لیے وہ بار بار گرتے پڑتے تھے۔ وہ سب نجانے کتنی دیر تک یونہی بھاگتے رہے اور یقیناً اب تک وہ پہاڑ کی بنیادوں تک پہنچ چکے تھے۔

پھر گنڈالف نے اپنا عصا روشن کیا۔ ہاں یہ گنڈالف ہی تھا لیکن ان میں سے کسی نے بھی نہ پوچھا کہ وہ وہاں کیسے پہنچا۔ اس نے ایک مرتبہ پھر اپنی تلوار میان سے نکالی اور ایک مرتبہ پھر تلوار اندھیرے میں خود بخود روشن ہو گئی۔ جیسے اس کے اندر ہی کوئی غضبناکی ہو جو بھتنوں کو قریب محسوس کرتے ہی خود بخود چمکنے لگے۔ اس وقت اس میں نیلگوں روشنی برآمد ہو رہی تھی جیسے بھتنوں کے بادشاہ کا خون پینے کے بعد اس کی پیاس بجھ گئی ہو۔ چند ہی لمحوں میں تلوار کے وار سے تمام بونوں کی زنجیریں زمین پر پڑی تھیں اور سب ایک مرتبہ پھر آزاد ہو گئے۔ اگر آپ کو یاد ہو تو اس تلوار کا نام ''گلیمڈ رنگ'' یا ''دشمن توڑ'' تھا۔ بھتنے اسے ''ہتھوڑا'' کہتے تھے اور شاید اس کے لیے ان کی نفرت ''چھرے'' سے بھی زیادہ شدید تھی۔ ''اور کرسٹ'' بھی بچالی گئی تھی۔ کیونکہ فرار ہوتے ہوئے گنڈالف اسے ایک خوفزدہ بھتنے کے ہاتھ سے چھین لایا تھا۔ گنڈالف ہر چیز کا دھیان رکھتا تھا۔ اگرچہ وہ ہر کام تو نہیں کر سکتا تھا لیکن مشکل میں پھنسے اپنے دوستوں کے لیے وہ کچھ بھی کرنے پر تیار ہوتا۔

اپنا سر جھکاتے ہوئے اس نے تھورین کو اس کی تلوار پیش کی اور بولا، ''کیا ہم سب یہاں موجود ہیں؟ ٹھہرو، ایک .... یہ تو تھورین ہے .... دو، تین، چار، پانچ، چھ، سات، آٹھ، نو، دس، گیارہ .... فیلی اور کیلی کہاں ہیں؟ اوہ یہاں رہے .... بارہ، تیرہ .... اور یہ رہے مسٹر بیگنز .... بہرحال صورتِ حال بہتر بھی ہو سکتی ہے اور بدتر بھی .... خچر بھی نہیں ہیں، اور کھانے

پینے کو بھی کچھ نہیں ہے اور ہمیں کوئی اندازہ بھی نہیں ہے کہ ہم اس وقت کہاں ہیں اور غصّے میں دیوانے بھتنوں کی ایک فوج ہمارے تعاقب میں ہے۔ چلو آگے بڑھیں۔''

اور وہ آگے بڑھتے گئے۔ گنڈالف درست کہہ رہا تھا۔ انھیں اپنے عقب میں تاریک سرنگوں میں بھتنوں کی چیخیں سنائی دینے لگی تھیں۔ یہ چیخیں انھیں مزید تیز رفتاری سے بھاگنے پر مجبور کر رہی تھیں جبکہ بلبو بیچارہ ان کا ساتھ نہ دے پا رہا تھا۔ یقین کریں ضرورت کے وقت بونے برق رفتاری سے بھاگ سکتے ہیں۔ اس لیے انھوں نے باری باری بلبو کو اپنے کاندھوں پر سوار کرایا۔

اس کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ بھتنے بونوں سے کہیں زیادہ تیزی سے بھاگ سکتے ہیں اور چونکہ یہ سرنگیں انھوں نے خود کھودی تھیں اس لیے وہ ان راستوں سے بخوبی واقف بھی تھے۔ مزید یہ کہ وہ غصّے سے آگ بگولا ہو رہے تھے۔ اس لیے بونوں کے لاکھ جتن کے باوجود ان کے عقب میں بھتنوں کی آوازیں بلند تر ہوتی چلی جا رہی تھیں۔ جلد ہی انھیں بھتنوں کے چوڑے پیروں کی تھاپ تک سنائی دینے لگی تھی، لاتعداد پیروں کی تھاپ، جیسے وہ چند ہی قدم پیچھے ہوں۔ انھیں اپنے پیچھے تاریک سرنگوں میں بھتنوں کی مشعلوں کی سرخ مائل روشنی بھی دکھائی دینے لگی تھی اور بونے تھے کہ تھکاوٹ سے چُور ہوئے جا رہے تھے۔

بومبور کے کاندھوں پر سوار بمشکل تمام خود کو سنبھالتے ہوئے مسٹر بیگنز کے منہ سے نکل ہی گیا، ''اوہ، کیا ہی اچھا ہوتا کہ میں اپنے گھر سے باہر نہ نکلتا۔'' بیچارے بومبور کے منہ سے بھی نکل گیا، ''اوہ، کیا ہی اچھا ہوتا کہ ہم اس مہم پر تمھیں اپنے ساتھ نہ لاتے!'' بومبور قدرے فربہ بھی تھا اور بلبو کو اٹھائے پھولی سانسوں کے ساتھ ہانپتا کانپتا بھاگ رہا تھا اور تکان اور گرمی سے اس کی ناک سے پسینہ پھوار کی صورت میں گر رہا تھا۔

اسی لمحے گنڈالف اور تھورین بھاگتے بھاگتے یکا یک رک گئے اور جونہی باقی بونوں نے ایک موڑ لیا وہ چلّایا، ''واپس! تھورین اپنی تلوار نکالو!'' اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ تھا اور بھتنوں کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ بونے ایسا قدم بھی اٹھائیں گے۔ سرپٹ بھاگتے ہوئے

وہ جیسے ہی اگلا موڑ مڑے انھیں اپنے عین سامنے ''بھتنا چیر'' اور ''دشمن توڑ'' دکھائی دیں جن کی خونخوار نیلگوں روشنی میں بھتنوں کی آنکھیں دہشت سے پھٹ گئیں۔ جو سب سے آگے تھے انھوں نے بس اپنی مشعلیں پھینکی ہی تھیں اور ان کے منہ سے چیخیں نکلی ہی تھیں کہ ان کا کام تمام ہو گیا۔ ان کے عقب میں جو تھے وہ چلّاتے ہوئے الٹے پاؤں مڑے اور اپنے پیچھے آنے والوں سے ٹکراتے الجھتے، انھیں روندتے واپس بھاگے۔ وہ چیختے جا رہے تھے، ''چھرا اور ہتھوڑا.... چھرا اور ہتھوڑا!'' جلد ہی بونوں کا تعاقب کرنے والا پورے کا پورا گروہ اپنی ہی جان بچانے بھاگا جا رہا تھا۔

کافی دیر بعد بھتنوں کے حواس بحال ہوئے اور وہ دوبارہ اس موڑ کے قریب پہنچے۔ لیکن تب تک بونے بھتنوں کے پہاڑ کی تاریک سرنگوں میں کہیں سے کہیں پہنچ چکے تھے۔ ان بھتنوں نے ایک نئی چال چلی۔ انھوں نے اپنی مشعلیں بجھا دیں اور اپنے جوتے اتار دیئے۔ پھر انھوں نے تیز ترین آنکھوں اور کانوں والے تیز رفتار ترین بھتنوں کو بونوں کی تلاش میں بھگایا اور خود ان کے پیچھے روانہ ہوئے۔ یوں کھوجی بھتنے لومڑی جیسی تیزی اور چمگادڑ جیسی خاموشی سے آگے بڑھتے گئے۔

یہی وجہ تھی کہ بلبو یا کسی بھی بونے حتیٰ کہ گنڈالف کو بھی بھتنوں کی آمد کی خبر تک نہ ہوئی اور نہ ہی انھوں نے بھتنوں کو آتے دیکھا۔ البتہ ان کے پیچھے خاموشی سے بھاگتے بھتنوں نے انھیں دُور ہی سے دیکھ لیا تھا کیونکہ بونوں کو راستہ دکھانے کے لیے گنڈالف کے عصا سے مدھم روشنی نکل رہی تھی۔

یوں سب سے آخر میں بلبو کو کاندھے پر اٹھائے بھاگتے ہوئے ڈوری کو اندازہ ہی نہ ہوا جب کسی نے اسے پشت سے پکڑ لیا۔ وہ چیخا اور زمین پر گرتا چلا گیا۔ اس کے کاندھے پر سوار بلبو بھی گیند کی مانند تاریکی میں لڑھکتا ہوا نجانے کہاں جا گرا۔ اس کا سر ایک پتھر پر لگا اور پھر اسے کچھ یاد نہ رہا۔

باب پنجم

اندھیر پہیلیاں

جب بلبو نے اپنی آنکھیں کھولیں تو اسے یوں لگا کہ جیسے وہ ابھی تک بند ہوں۔ کھلی آنکھوں کے ساتھ بھی چاروں جانب اتنا گھپ اندھیرا تھا جیسے وہ بند ہوں۔ وہ اکیلا تھا۔ اندازہ لگائیں کہ وہ کتنا خوف زدہ ہوگا۔ اسے کچھ دکھائی نہ دے رہا تھا، کچھ سنائی نہ دے رہا تھا اور اپنے پیروں کے نیچے پتھریلی زمین کے سوا اسے کچھ محسوس نہ ہو رہا تھا۔

ہولے ہولے وہ اٹھا اور ہاتھوں پیروں پر چلتا ہوا وہ اِدھر اُدھر ٹٹولنے لگا حتیٰ کہ اس کے ہاتھوں نے سرنگ کی دیوار کو چھو لیا۔ دیوار کو ٹٹولتے ہوئے بھی اسے کچھ نہ ملا، نہ بھتنے اور نہ ہی بونے۔ اس کا سر چکرا رہا تھا اور اسے اس بات کا بھی احساس نہ تھا کہ گرنے سے پہلے وہ کس جانب بھاگ رہا تھا۔ پھر اندازے سے وہ ایک جانب چل دیا اور دیر تک چلتا رہا۔ ٹٹولتے ٹٹولتے یکا یک اسے یوں لگا جیسے اس کے ہاتھ نے زمین پر پڑی کسی گول دھاتی چیز کو چھوا۔ اس کے لمس سے محسوس ہوا جیسے وہ کوئی انگوٹھی ہو۔ یہ اس کی زندگی کا اہم ترین موڑ تھا لیکن اسے ابھی اس بات کا ادراک نہ تھا۔ اس نے سوچے سمجھے بغیر انگوٹھی جیب میں ڈال لی اور آگے چل دیا۔ یوں بھی اس وقت یہ انگوٹھی اس کے کسی کام کی نہ تھی۔ تھوڑی دیر چلنے کے بعد وہ مایوسی کے

عالم میں ایک بار پھر زمین پر بیٹھ گیا۔ بہت دیر تک وہ وہیں بیٹھا رہا اور اپنے گھر کے باورچی خانے میں انڈے اور گوشت کے قتلے تلنے کے بارے میں سوچتا رہا۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ کھانے کا وقت ہونے کو ہے لیکن اس خیال نے اسے مزید مایوسی کے علاوہ کچھ نہ دیا۔

اسے کچھ معلوم نہ ہو رہا تھا کہ وہ کیا کرے.... کیا ہوا تھا، وہ پیچھے کیوں رہ گیا تھا اور اگر وہ پیچھے رہ گیا تھا تو بھتنوں نے ابھی تک اسے کیوں نہ پکڑا؟ اور اس کا سر کیوں دکھ رہا تھا؟ حقیقت یہ تھی کہ وہ ایک تاریک کونے میں بہت دیر تک بیہوش پڑا رہا تھا۔ پھر اس نے اپنے پائپ والی جیب کو ٹٹول کر دیکھا۔ پائپ سلامت تھا، یہ بھی بڑی بات تھی۔ پھر اس نے اپنی تمباکو والی تھیلی کو تھپتھپا کر دیکھا، تھیلی میں ابھی کچھ تمباکو موجود تھا اور یہ اس سے بھی بڑی بات تھی۔ لیکن جب اس نے اپنی ماچس کی ڈبیہ ڈھونڈی تو وہ ندارد۔ اس کی امیدیں پھر دم توڑنے لگیں۔ اس نے سوچا کہ چلو اچھا ہی ہوا۔ خدا جانتا ہے کہ ماچس کی تیلی جلانے اور تمباکو کی خوشبو سے اس خوفناک تاریکی سے کیا کچھ برآمد ہوتا۔ پھر بھی وہ بہت مایوس تھا۔ لیکن اپنی ساری جیبیں تھپتھپانے اور اِدھر اُدھر ٹٹولنے کے دوران اس کا ہاتھ اپنی تلوار کے دستے پر جا پڑا۔ یہ وہی چھوٹی سی تلوار تھی جو اس نے دیوؤں کی غار سے اٹھائی تھی۔ وہ اس کے بارے میں تو بھول ہی گیا تھا۔ خوش قسمتی سے کسی بھتنے کی اس پر نظر نہ پڑی تھی کیونکہ اس نے تلوار اپنے کوٹ کے نیچے باندھ رکھی تھی۔

اس نے تلوار نکالی تو وہ دھیمی زرد روشنی سے چمک رہی تھی۔ اس نے سوچا، ''تو یہ بھی پری زادوں کی تلوار ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ بھتنے بہت قریب نہیں ہیں اور بہت دُور بھی نہیں ہیں۔''

نجانے کیوں اس کا حوصلہ قدرے بلند ہوا۔ بات تو خوب تھی کہ اس نے بھتنوں کی جنگ کے لیے گنڈولین میں ڈھالی گئی تلوار باندھ رکھی تھی جس کے بارے میں لاتعداد گیت گائے گئے تھے۔ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا کہ ایسی تلوار نے ان پر حملہ آور بھتنوں پر کیسا خوف طاری کر دیا تھا۔

وہ سوچنے لگا، ''پیچھے کی جانب جاؤں؟ بالکل نہیں.... دائیں بائیں؟ ناممکن.... آگے کی جانب؟ یہ ہوسکتا ہے.... تو چلو چلتے ہیں۔'' یہ سوچ کر وہ اٹھا اور ایک ہاتھ سے دیوار کو چھوتے ہوئے اور دوسرے ہاتھ سے اپنی تلوار اپنے سامنے بڑھائے ہوئے چل دیا۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

کہا جا سکتا ہے کہ بلبو اس وقت ایک بڑی گھمبیر مشکل میں گرفتار تھا۔ لیکن یاد رکھیں کہ یہ مشکل اس کے لیے اتنی گھمبیر نہ تھی جتنی آپ کے لیے یا میرے لیے ہوسکتی تھی۔ ہابٹ عام لوگوں سے قدرے مختلف ہوتے ہیں۔ اگرچہ ان کے گھروں کی سرنگیں بھتنوں کی سرنگوں سے قطعاً مختلف یعنی آرام دہ، کشادہ، ہوادار اور روشن ہوتی ہیں، تاہم وہ ہم لوگوں کی نسبت سرنگوں سے کہیں زیادہ مانوس ہوتے ہیں اور انھیں زیرِ زمین اپنی سمت کے تعین میں بہت زیادہ دشواری کا سامنا نہیں ہوتا۔ چاہے ان کے سر پر شدید چوٹ ہی کیوں نہ لگی ہو، وہ انتہائی خاموشی سے چل پھر سکتے ہیں، آسانی سے چھپ سکتے ہیں اور چھوٹی موٹی چوٹوں اور خراشوں کو خاطر میں نہیں لاتے اور پھر ان میں سمجھ بوجھ کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے اور انھیں وہ سب دانشمندانہ اقوال ازبر ہوتے ہیں جو انسانوں نے کبھی سنے تک نہ تھے یا پھر بہت عرصہ ہوا بھول چکے تھے۔

بہرحال میں تو کبھی بھی مسٹر بیگنز جیسی صورتِ حال میں پھنسنا نہ چاہتا۔ سرنگ تھی کہ ختم ہونے میں ہی نہ آتی تھی۔ اسے صرف یہ احساس ہو رہا تھا کہ سرنگ لگاتار نیچے اترتی جا رہی تھی اور کبھی کبھار کسی موڑ کے علاوہ عمومی طور پر ایک ہی سمت میں جا رہی تھی۔ گاہے بگاہے کوئی راستہ دائیں بائیں نکلتا جاتا جس کا احساس بلبو کو یا تو اپنی تلوار کی دھیمی روشنی سے یا دیواروں کو ٹٹولتے اپنے ہاتھ کے لمس سے ہوتا۔ اس نے ان بغلی راستوں پر کوئی توجہ نہ دی اور ان کے سامنے سے تیزی سے گزرتا چلا گیا۔ اسے خدشہ تھا کہ ان راستوں کی تاریکیوں میں سے بھتنے یا خدا جانے اور کیا کچھ نکل آئے۔ یوں وہ آگے ہی آگے اور نیچے ہی نیچے چلتا گیا۔ ہر جانب خاموشی تھی سوائے کبھی کبھار کوئی چمگادڑ اس کے کانوں کے قریب سے اڑتی چلی جاتی۔ شروع میں تو وہ ان

کے پَروں کی پھڑ پھڑاہٹ سے چونک جاتا لیکن جلد ہی وہ ان آوازوں سے مانوس ہو گیا۔ معلوم نہیں وہ کتنی دیر تک یوں ہی چلتا رہا، وہ مزید آگے جانا نہیں چاہتا تھا لیکن اسے رکنے سے بھی خوف آتا تھا، وہ چلتا گیا، چلتا گیا حتیٰ کہ تھکاوٹ سے چور ہونے سے بھی زیادہ تھک گیا۔ اسے احساس ہونے لگا کہ وہ چند گھنٹے نہیں، چند پہر نہیں بلکہ چند دن سے لگاتار چلتا جا رہا ہے۔

یونہی تیزی سے چلتے چلتے یکایک اس کا پاؤں ایک چھپاکے کے ساتھ پانی میں جا گھسا۔ اوہ، یخ بستہ ٹھنڈا پانی! وہ وہیں ساکت کھڑا رہ گیا۔ اسے کچھ اندازہ نہ تھا کہ کیا یہ راستے میں کوئی پانی کا جوہڑ تھا، یا زیرِ زمین پانی کا کوئی چشمہ جو راستے کو کاٹ رہا تھا، یا پھر کوئی گہری جھیل؟ اس کی تلوار کی چمک بھی بالکل ماند پڑ چکی تھی۔ اس نے کان لگا کر سنا تو اسے دُور کہیں پانی کے قطروں کی ٹپ ٹپ ٹپاٹپ سنائی دینے لگی جو نگاہوں سے اوجھل چھت سے پانی کی سطح پر گر رہے تھے۔ اس کے علاوہ اور کوئی آواز نہ آ رہی تھی۔

اس نے سوچا، ''یا تو یہ کوئی جوہڑ ہے یا جھیل، زیرِ زمین دریا تو یقیناً نہیں ہے۔'' پھر بھی اسے آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ ایک تو اسے تیرنا نہیں آتا تھا اور دوسرے اسے پانی میں پائی جانے والی چھوٹی چھوٹی، بڑی بڑی اندھی آنکھوں والی لجلجی مخلوقات کا خیال آ رہا تھا۔ پہاڑوں کے نیچے جھیلوں اور تالابوں میں عجیب وغریب چیزیں پائی جاتی ہیں۔ مچھلیاں جو خدا جانے کتنی صدیوں سے انہی پانیوں میں تیرتی رہی ہیں اور کبھی باہر نہیں نکلیں اور تاریکی میں دیکھنے کی کوشش میں ان کی آنکھیں بڑی سے بڑی اور مزید بڑی ہوتی چلی گئیں۔ ان مچھلیوں کے علاوہ ایسی جگہوں پر اور بھی بہت سی لجلجی اور کراہیت آمیز چیزیں موجود ہوتیں۔ بھتنوں نے اپنے استعمال کے لیے جو سرنگیں اور غاریں کھودی تھیں ان میں بھی بہت سی دیگر مخلوقات موجود تھیں جو بھتنوں کے جانے بنا نجانے کب اور کہاں سے یہاں آن پہنچی تھیں اور یہاں تاریکیوں میں رہنے لگی تھیں۔ کچھ غاریں ایسی بھی تھیں جو بھتنوں کی آمد کے زمانے سے بھی پہلے موجود تھیں، جنھیں بھتنوں نے صرف مزید کشادہ کیا اور ان کے درمیان راستے کھودے۔ ان غاروں کے ابتدائی مکین ابھی تک کہیں تاریک کونوں کھدروں میں رینگتے کلبلاتے پھرتے تھے۔

یہاں اس تاریک گہری جھیل کے کنارے پر گولم رہتا تھا۔ یہ قدرے انسانی ہیئت کی حامل ایک چھوٹی لجلجی سی مخلوق تھی۔ میں نہیں جانتا کہ وہ کہاں سے آیا، وہ کون تھا یا وہ کیا تھا؟ وہ ایک گولم تھا جس کے رات کی تاریکی کی مانند دُبلے پتلے جسم کے اوپر مدقوق چہرے پر دو بڑی بڑی گول زرد آنکھیں نمایاں تھیں۔ وہ اپنی چھوٹی سی کشتی میں انتہائی خاموشی سے جھیل میں اِدھر اُدھر پھرتا رہتا۔ یہ جھیل ہی تھی، وسیع و عریض، گہری اور ہڈیوں کو جما دینے والی یخ بستہ.... چوڑے چپوؤں کی مانند وہ اپنے پیروں سے کشتی کے پتواروں کا کام لیتا لیکن مجال ہے کہ پانی کی سطح پر معمولی سا بھی ارتعاش پیدا ہونے پائے۔ وہ اپنی بڑی بڑی لیمپ جیسی زرد آنکھوں سے پانی میں اندھی مچھلیوں کو تلاش کرتا رہتا جنھیں وہ اپنی لمبی استخوانی انگلیوں سے بجلی کی سی تیزی سے پکڑ لیتا۔ یوں تو اسے گوشت بھی پسند تھا۔ کبھی کبھار جب کوئی بھتنا اس کے ہاتھ لگتا تو وہ اسے بھی شوق سے کھا جاتا۔ لیکن وہ بہت احتیاط سے کام لیتا کہ بھتنوں کو اس کی موجودگی کی خبر نہ ہونے پائے۔ جب بھی کوئی اکیلا بھتنا پانی کے کنارے آن پہنچتا تو وہ اسے پیچھے سے دبوچ لیتا اور اس کی گردن مروڑ دیتا۔ ایسا کبھی کبھار ہی ہوتا کیونکہ بھتنوں کو بھی شک ہونے لگا تھا کہ وہاں پانی کے کنارے پہاڑ کی جڑوں میں کچھ نہ کچھ ضرور ہے۔ بہت عرصہ پہلے وہ یہاں آئے تھے جب وہ اپنی سرنگیں کھودتے ہوئے جھیل تک پہنچے تھے اور مزید آگے جانے کا کوئی راستہ نہ تھا۔ ان کی سرنگ یہاں تک پہنچ کر ختم ہو گئی تھی۔ لیکن گاہے بگاہے جب شاہ بھتنے کا مچھلی کھانے کو جی چاہتا تو وہ کسی نہ کسی بھتنے کو جھیل کنارے بھیج دیتا۔ اکثر اوقات نہ تو مچھلی واپس پہنچی اور نہ ہی بھتنا۔

حقیقت میں گولم جھیل کے عین بیچ میں ایک چھوٹے سے جزیرے پر رہتا تھا۔ اس لمحے وہ دُور سے اپنی دُوربین جیسی گول زرد آنکھوں سے بلبو کو ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا۔ وہ بلبو کو دکھائی نہ دے رہا تھا، لیکن وہ بلبو کو غور سے دیکھے جا رہا تھا کیونکہ وہ جان چکا تھا کہ بلبو کم از کم بھتنا تو نہیں ہے۔ بلبو جب مایوسی اور پریشانی کے عالم میں پانی کے کنارے بیٹھ گیا تو گولم چپکے سے اپنی کشتی میں سوار ہوا اور کنارے کی جانب چل دیا۔

گولم اس کے عقب میں آن پہنچا اور سرگوشی میں بولا، ''خوش ش ش رہو اور چھ چھ چھپا کے لگاؤ، میرے دوس س س ست۔ یہ تو زبردس س ست دعوت ہو گئی، گولم!'' جب وہ گولم کا لفظ ادا کرتا تو اس کے نرخرے سے ایسی خرخراتی آواز نکلتی جیسے کچھ نگلنے کی کوشش کر رہا ہو اور یہی اس کا نام پڑ گیا تھا، حالانکہ وہ خود کو ہمیشہ ''میرا دوس س ست'' کہہ کر پکارتا تھا۔

گولم کی پھنکار کانوں میں پڑتے ہی بلبو خوف کے مارے اُچھل پڑا، وہ مڑا تو اسے تاریکی میں بڑی بڑی دو گول زرد آنکھیں چمکتی دکھائی دیں۔ اس نے فوراً اپنی تلوار سونتی اور بولا، ''کون ہو تم؟''

گولم سرسرایا، ''یہ کیا ہے، میرے دوس س ست؟'' گولم جس نے آج تک کسی دوسرے سے بات چیت نہ کی تھی ہمیشہ یوں ہی خود کلامی کے انداز میں بولتا تھا۔ وہ یہی جاننا چاہتا تھا، اس وقت اسے بھوک سے زیادہ تجسس مارے جا رہا تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ بلبو سے گفتگو کرنے سے پہلے ہی اسے دبوچ چکا ہوتا۔

''میرا نام بلبو بیگنز ہے اور میں بونوں اور جادوگر سے بچھڑ گیا ہوں اور مجھے معلوم نہیں کہ میں کہاں ہوں اور نہ ہی میں جاننا چاہتا ہوں، میں تو بس یہاں سے باہر نکلنا چاہتا ہوں۔''

گولم نے مشکوک انداز میں اس کے ہاتھ میں پکڑی تلوار کو دیکھا اور بولا، ''یہ اس نے ہاتھ میں کیا پکڑا ہے؟''

''یہ گنڈولین میں بنی تلوار ہے۔''

گولم پھنکارا، ''س س س س....'' اور یکا یک اس کا لہجہ نرم پڑ گیا۔ ''کیا یہ یہاں ہمارے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرے گا؟ کیا اسے پہیلیاں پسند ہیں؟ پسند ہیں؟''

فی الحال یا کم از کم اس وقت تک تو وہ ہمدردی کا مظاہرہ کرنا چاہتا تھا جب تک وہ بلبو اور اس کی تلوار کے بارے میں مزید جان نہ جاتا، اسے یہ معلوم نہ ہو جاتا کہ بلبو واقعی اکیلا ہے، وہ کھانے میں کیسا ہو گا، یا خود گولم کو بھوک بھی لگی ہے یا نہیں! وہ پہیلیوں کے علاوہ کچھ اور جانتا بھی نہ تھا۔ بہت سال پہلے وہ دیگر مخلوقات کے ساتھ ان کی گھاؤں میں بیٹھا پہیلیاں پوچھتا اور

خود ہی ان کے جواب دیتا تھا۔ بہت پہلے، اس سے بھی پہلے جب اس کے دوست ہوا کرتے تھے، جنھیں وہ کھو بیٹھا تھا، جب اسے وہاں سے نکال دیا گیا اور وہ اکیلا رینگتا ہوا پہاڑوں کے نیچے ان تاریک غاروں میں آن بسا تھا۔

''ٹھیک ہے!'' بلبو بھی راضی ہو گیا۔ وہ بھی اس کے بارے میں مزید جاننا چاہتا تھا کہ وہ اکیلا ہے یا نہیں، کہیں وہ دشمن یا بھوکا تو نہیں اور سب سے بڑھ کر کہ کہیں وہ بھتنوں کا ساتھی تو نہیں۔ ''پہلے تم پوچھو!'' وہ بولا کیونکہ اسے ابھی تک کوئی پہیلی یاد نہ آ رہی تھی۔

گولم پھنکارا،

''جڑیں اس کی آنکھ سے اوجھل، اونچے درختوں سے اونچا

اونچا اونچا چڑھتا جائے، ایک قدم نہ بڑھنے پائے؟''

بلبو نے جواب دیا، ''یہ تو آسان ہے.... پہاڑ!''

''اس نے آسانی سے بوجھ لیا۔ ہمارا اس سے مقابلہ ہونا چاہیے، میرے دوس س ست۔ اگر ہم پوچھیں اور یہ بوجھ نہ سکے تو ہم اسے کھا جائیں گے اور اگر یہ پوچھے اور ہم نہ بوجھ سکیں تو ہم وہی کریں گے جو وہ کہے گا۔ ہم اسے باہر جانے کا راستہ دکھائیں گے۔ ٹھیک ہے؟ ٹھیک ہے؟''

بلبو میں انکار کرنے کی ہمت نہ تھی، ''ٹھیک ہے!'' اب وہ تیزی سے اپنے ذہن میں مشکل سے مشکل ترین پہیلیاں یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا تاکہ گولم کا نوالہ بننے سے بچ پائے۔

''لال پہاڑی پر تیس سوار، پہلے ٹاپیں اور پھر کچلیں، پھر جائیں تھک ہار۔''

عین اس وقت اس کے ذہن میں یہی پہیلی آئی تھی، یوں بھی اسے بھوک لگ رہی تھی۔ پہیلی پرانی اور گھسی پٹی تھی اور آپ کی طرح گولم کو بھی اس کا جواب آتا تھا، وہ پھنکار کر بولا، ''پرانی پہیلی، پرانی پہیلی، اس کا جواب دانت ہے، میرے دوس س س ت۔ ہمارے تو صرف چھ ہی دانت ہیں!'' پھر اس نے اپنی دوسری پہیلی پوچھی،

''آواز نہیں پر چیختی جائے، پَر نہیں پر اڑتی جائے،

دانت نہیں پر کاٹے، ہونٹ بنا بڑبڑائے۔''

''ذرا ٹھہرو!'' بلبو تیزی سے بولا۔ اس کے ذہن پر ابھی تک کھانے کا خیال سوار تھا۔ خوش قسمتی سے اس نے ایسی ہی ایک پہیلی پہلے ہی سن رکھی تھی۔ اس نے اپنے خیالات مجتمع کرتے ہوئے جواب دیا، ''ہوا، یقیناً ہوا!'' اسے اپنی حاضر جوابی پر اتنی خوشی ہوئی کہ اس نے وہیں کھڑے کھڑے ایک نئی پہیلی گھڑ ڈالی، اور سوچنے لگا، ''یہ پہیلی تو یہ شیطان صفت مخلوق کبھی نہ بوجھ پائے گی۔''

''نیلے چہرے پر اک آنکھ نے، دیکھا سبز چہرے پر اک آنکھ کو، یہ آنکھ تو ہے اس آنکھ جیسی، کہنے لگی پہلی آنکھ، نیچے ہے پر اوپر نہیں۔''

''س س س س'' گولم پھنکارنے اور سسکارنے لگا۔ وہ یہاں پہاڑ کے نیچے اتنے عرصے سے رہ رہا تھا کہ اب اسے ایسی چیزیں بھولنے لگی تھیں۔ لیکن جیسے ہی بلبو کو امید ہونے لگی تھی کہ یہ منحوس اس پہیلی کو بوجھ نہ پائے گا، گولم نے اپنے ذہن میں سالوں سالوں اور مزید سالوں پرانی یادیں کریدیں جب وہ اپنی دادی کے ساتھ دریا کنارے ایک گپھا میں رہتا تھا اور اچھل کر بولا، ''گل بہاری، سورج کے نیچے گل بہاری، یہی ہے نا، میرے دوس س س ست!''

لیکن اب وہ ان سیدھی سادی زمین کے اوپر کی چیزوں سے متعلق پہیلیوں سے اکتانے لگا تھا اور ان پہیلیوں سے اسے وہ زمانہ یاد آنے لگا تھا جب وہ اکیلا نہ تھا، اندھیروں میں چھپتا پھرتا نہ تھا، اور اتنا بدفطرت نہ تھا اور اس بات سے اسے غصّہ آنے لگا تھا۔ یوں بھی اب اسے بھوک لگنے لگی تھی۔ اس لیے اب اس نے قدرے مشکل اور قدرے ڈراؤنی پہیلی چنی،

''نہ اسے دیکھا جائے، نہ چھوا جائے، نہ اسے سنا جائے نہ سونگھا جائے، ستاروں کے پیچھے پہاڑوں کے نیچے....

خالی غاروں کو بھرتی جائے، آئے آئے اور پیچھے آئے زندگی ختم، قہقہہ ختم۔''

لیکن گولم کی بدقسمتی تھی کہ بلبو نے ایسی ہی ایک پہیلی سن رکھی تھی اور یوں بھی جواب اس

کے چاروں جانب موجود تھا، وہ بولا، ''اندھیرا!'' اور ایک لمحے کا توقف کیے بغیر اس نے اپنی اگلی پہیلی داغ ڈالی،

''نہ ڈھکن نہ چابی نہ قبضہ، سنہری خزانے سے ڈبا بھرا''

گو اس نے پہیلی اپنے اصلی پیرائے میں نہ پوچھی تھی لیکن وہ جانتا تھا کہ یہ ایک بہت ہی آسان سی پہیلی ہے لیکن وہ کسی مشکل سی پہیلی کے لیے وقت چاہتا تھا۔ لیکن گولم کے لیے یہ دشوار ثابت ہوئی۔ وہ سسکارنے لگا اور پھنکارنے لگا اور اپنا سر کھجانے لگا اور سرگوشیوں میں بڑبڑانے لگا۔ تھوڑی دیر بعد بلبو کے صبر کا پیمانہ لبریز ہونے لگا، ''جواب دو، کیا ہے یہ؟ اور میں بتا رہا ہوں کہ اس کا جواب آگ پر دھری کیتلی نہیں ہے، جیسا کہ تمھاری آوازوں سے معلوم ہو رہا ہے۔''

''ہمیں موقع تو دو، ہمیں وقت تو دو، دوس س س ست کو وقت تو دو!''

بلبو کافی دیر خاموش بیٹھا رہا اور پھر بولا، ''پھر؟ کیا جواب ہے تمھارا؟''

پھر گولم کو یکایک وہ دن یاد آئے جب وہ پرندوں کے گھونسلوں پر چپکے چپکے حملہ کیا کرتا تھا اور اپنی دادی کو سکھاتا تھا کہ ''انڈہ'' کیسے کھاتے ہیں۔ ''انڈہ۔ انڈہ جواب ہے اس کا!'' اور ساتھ ہی بول اٹھا،

''سانس لیے بن جیتی جائے، ٹھنڈی جیسے مرتی جائے
پیاس بنا وہ پیتی جائے، زرّہ بکتر پہنے آئے۔''

اب گولم سوچ رہا تھا کہ یہ انتہائی آسان پہیلی ہے کیونکہ ہر وقت اس کے ذہن میں اس کا جواب ہی سوار رہتا تھا۔ لیکن وہ انڈوں والی پہیلی سے اتنا گڑبڑا گیا تھا کہ اس کے علاوہ اسے کچھ اور سوجھا ہی نہ تھا۔ لیکن بلبو کے لیے جس کا پانی اور پانی میں رہنے والی چیزوں سے دُور دُور تک کوئی واسطہ نہ تھا، یہ پہیلی بھی بہت مشکل ثابت ہوئی۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اس پہیلی کا جواب جانتے ہوں گے یا ایک ہی لمحے میں بوجھ گئے ہوں گے کیونکہ آپ اپنے گھر میں سکون سے بیٹھے ہیں اور آپ کو اس بات کا کوئی خدشہ نہیں ہے کہ غلط جواب پر کوئی آپ کو کھا جائے گا۔

بلبو بیٹھا سوچتا رہا اور ایک دو مرتبہ اس نے کھانس کر اپنا گلا صاف کیا، لیکن جواب ندارد۔

اب گولم خوشی سے بیتابی کے عالم میں سسکارنے لگا تھا۔ وہ سوچنے لگا، ''یہ کھانے میں کیسا ہوگا؟ کیا یہ نرم ہوگا؟ یا خستہ اور کرارا ہوگا؟'' وہ اندھیرے میں بلبو کو اور بھی دلچسپی سے گھورنے لگا۔

بلبو نے کپکپاتے ہوئے جواب دیا، ''ٹھہرو، ذرا! میں نے تو بھی تو تمھیں وقت دیا تھا۔''

گولم جو اَب اپنی کشتی سے اتر کر بلبو کے قریب پہنچنے کی کوشش کرنے لگا تھا، بولا، ''تمھیں جلدی کرنا ہوگا، جلدی کرنا ہوگا!'' جب اس نے اپنا ایک استخوانی پیر پانی میں رکھا تو ایک مچھلی چھپ کر کے پانی سے اچھلی اور بلبو کے پیروں میں آن گری۔

بلبو چونک اٹھا ''اوہ، یہ تو لجلجی، ٹھنڈی اور گیلی ہے۔'' اور یوں اسے پہیلی کا جواب مل گیا، ''مچھلی.... مچھلی جواب ہے!''

گولم بہت مایوس ہوا۔ لیکن بلبو نے فوراً ہی ایک اور پہیلی پوچھ ڈالی اور گولم واپس اپنی کشتی میں جا بیٹھا اور سوچوں میں گم ہو گیا۔ پہیلی کچھ یوں تھی،

''بن ٹانگوں اک ٹانگ پہ، دو پایہ تین پائی کے پاس، چار پائی نے بھی کچھ پایا۔''

پہیلی ایسی تو نہ تھی کہ اس موقع پر پوچھی جاتی لیکن بلبو جلدی اس معاملے کو ختم کرنا چاہتا تھا۔ اگر وہ یہی پہیلی کسی اور موقع پر پوچھتا تو شاید گولم نہ بوجھ پاتا۔ لیکن چونکہ چند لمحے پہلے مچھلی کی بات ہو رہی تھی اس لیے ''بن ٹانگوں'' نے معمہ آسان کر دیا، اس لیے گولم نے فوراً ہی درست جواب دے ڈالا، ''مچھلی میز پر، تین ٹانگوں والی تپائی پر ایک آدمی بیٹھا اپنے قریب بلی کو ہڈیاں پھینک رہا ہے۔'' پھر اس نے سوچا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ کوئی مشکل اور خوفناک سی پہیلی پوچھی جائے۔ اب اس نے یہ پہیلی بوجھی،

''ہر شے کو کھاتی جائے، جانور، درخت، پھول، پرندے
لوہا کھائے، فولاد کھائے، پتھروں کو سفوف بنائے
بادشاہ مارے، ملک اجاڑے، پہاڑوں کو پاتال میں مارے''

بلبو بیچارہ اندھیرے میں بیٹھا ان تمام جنوں دیوؤں اور بلاؤں کے نام یاد کرنے کی کوشش کرتا رہا جن کی کہانیاں اور داستانیں اس نے بچپن میں سن رکھی تھیں، لیکن ان میں کوئی بھی ان پہیلی کی تمام شرائط پر پورا نہ اترتا تھا۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ جواب کچھ مختلف ہوگا اور یہ بھی کہ اسے جواب آتا تھا، لیکن اس کے ذہن میں کچھ نہ آرہا تھا۔ اسے خوف محسوس ہونے لگا اور خوف سوچنے سمجھنے کے لیے مناسب نہیں ہوتا۔ گولم اپنی کشتی سے باہر اترنے لگا۔ وہ پانی میں اترا اور کنارے کی جانب چل دیا۔ بلبو کو تاریکی میں اس کی زرد گول آنکھیں دکھائی نہ دے رہی تھیں۔ اس کا منہ خشک ہو رہا تھا۔ وہ زور سے چلّانا چاہتا تھا، ''مجھے کچھ وقت دو، کچھ اور وقت دو!'' لیکن اس کے ہونٹوں سے صرف ایک ہلکی چیخ نکلی، ''وقت!''

قسمت کی دیوی بلبو پر مہربان تھی، کیونکہ یہی درست جواب تھا۔

گولم ایک مرتبہ پھر مایوس ہو گیا لیکن اب اسے غصّہ بھی آنے لگا تھا۔ وہ اس کھیل سے بیزار ہو رہا تھا۔ اب وہ واپس کشتی میں نہ گیا اور وہیں بلبو کے ساتھ بیٹھ گیا۔ اب بلبو مزید مضطرب ہو گیا اور اس کے خیالات بری طرح منتشر ہونے لگے۔

گولم بولا، ''اب اسے ہم سے ایک سوال پوچھنا ہوگا، صرف ایک س س س سوا.... ص ص ص صرف ایک سوال.... جس کا جواب ہم دیں گے۔''

بلبو کی پریشانی اور خوف کا یہ عالم تھا کہ اس کے دماغ میں ایک بھی سوال نہ آیا جو وہ اس گیلی شیطانی بدفطرت مخلوق سے پوچھ سکتا جو اس کے پاس بیٹھی اسے بھوکی اور للچائی نگاہوں سے دیکھے جا رہی تھی۔ بلبو سر کھجانے لگا، اپنے پیٹ سہلانے لگا، خود کو چٹکیاں کاٹنے لگا، یہ مجال ہے کہ کوئی سوال اس کے ذہن میں آجاتا۔

گولم پھر پھنکارا، ''پوچھو!.... ہم سے س س س سوال پوچھو!''

بلبو خود کو چٹکیاں کاٹنے لگا، اور اپنے منہ پر طمانچے مارنے لگا، اس نے اپنی تلوار کو تھاما، اپنی جیبیں ٹٹولیں۔ ایک جیب میں اس کی انگلیوں نے اس انگوٹھی کو چھوا جو وہ راستے سے اٹھا لایا تھا اور جس کے بارے میں وہ بھول چکا تھا۔

وہ زور سے بول اٹھا، ''میری جیب میں کیا ہے؟'' وہ خود سے بول رہا تھا لیکن گولم سمجھا کہ وہ اس سے سوال پوچھ رہا ہے۔ وہ بدحواسی کے عالم میں بولا، ''یہ بے ایمانی ہے! بے ایمانی ہے! میرے دوس س س ست، یہ پوچھنا بے ایمانی کہ تمھاری جیب میں کیا ہے!''

بلبو جان گیا کہ کیا ہو رہا ہے اور چونکہ اسے اور سوال نہ سوجھ رہا تھا اس لیے وہ اسی سوال پر اڑ گیا۔ وہ مزید اونچی آواز میں بولا، ''بتاؤ، میری جیب میں کیا ہے؟''

گولم سسکارنے لگا، ''س س س.... اسے ہمیں تین موقعے دینے ہوں گے!''

بلبو نے جواب دیا، ''چلو ٹھیک ہے۔ تین موقعے دیتا ہوں۔''

گولم بولا، ''ہاتھ؟''

''غلط!'' خوش قسمتی سے بلبو نے ایک لمحہ پہلے اپنے ہاتھ اپنی جیبوں سے باہر نکالے تھے۔

گولم کا پارہ چڑھنے لگا، ''س س س س!'' وہ ان سب چیزوں کے بارے میں سوچنے لگا جو اس کے پاس ہوتی تھیں، مچھلیوں کی ہڈیاں، بھتنوں کے دانت، چمگادڑ کا ایک پر، گیلے گھونگے، ایک پتھر جس پر وہ اپنے دانت تیز کیا کرتا تھا اور ایسی ہی بہت سی چیزیں.... وہ سوچنے لگا کہ دوسرے لوگ بھلا اپنی جیبوں میں کیا رکھتے ہوں گے۔ بالآخر وہ بولا، ''چھری!''

بلبو کو اپنی گمشدہ چھری یاد آئی، ''یہ بھی غلط!''

اب گولم کی حالت اس وقت سے بھی بدتر تھی جب بلبو نے اسے انڈوں والی پہیلی پوچھی تھی۔ وہ پھنکارنے اور کھانسنے لگا، آگے پیچھے ڈولنے لگا، اور اپنے پاؤں زمین پر پٹخنے لگا، تلملانے اور کسمسانے لگا، وہ اپنا آخری جواب ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔

بلبو بولا، ''جلدی کرو، میں انتظار کر رہا ہوں!'' اس کے لہجے سے اعتماد اور سکون جھلک رہا تھا لیکن حقیقت میں اسے قطعی طور پر یقین نہ تھا کہ یہ کھیل کس رخ بیٹھے گا۔

بالآخر بلبو بول اٹھا، ''بس وقت ختم!''

گولم چیخا، ''ایک رسی.... یا کچھ نہیں!'' یہ ضوابط کی خلاف ورزی تھی کیونکہ اس نے ایک

وقت میں دو جواب دے ڈالے تھے۔

بلبو نے سکھ کا سانس لیا اور چلایا، ''دونوں غلط!'' یہ کہتے ہی وہ اٹھا اور قریبی دیوار کے ساتھ اپنی پشت لگا کر کھڑا ہو گیا اور اپنی تلوار تان لی۔ وہ جانتا تھا کہ پہیلیوں کی روایت زمانہ قدیم سے چلی آرہی تھی اور بدترین مخلوقات بھی اس کھیل میں بے ایمانی سے گریز کرتی تھیں۔ لیکن اسے احساس ہو رہا تھا کہ یہ کریہہ صورت مخلوق شکست کی صورت میں اپنے وعدے اور کھیل کے اصولوں کا پاس نہیں کرے گی اور یوں بھی کھیل کے صدیوں پرانے اصولوں کے مطابق آخری سوال ایک حقیقی پہیلی نہ تھا۔

بہرصورت گولم نے اس پر فوراً حملہ نہ کیا۔ اس نے بلبو کے ہاتھ میں تلوار دیکھ لی تھی۔ وہ وہیں منہ بسورتا اور کسمساتا بیٹھا رہا۔ بالآخر بلبو سے رہا نہ گیا اور وہ بول اٹھا، ''اب؟ بولو، تمھارے وعدے کا کیا ہوا؟ مجھے جانا ہے اور تمھیں مجھے باہر کا راستہ دکھانا ہوگا۔''

''کیا ہم نے یہ کہا تھا؟ اس بے ایمان بیگنز کو باہر کا راستہ دکھانا ہوگا، میرے دوسس س ست۔ لیکن اس کی جیب میں آخر کیا ہے؟ نہ رسی ہے اور نہ ہی کچھ نہیں ہے۔ اوہ نہیں، گولم!''

بلبو بولا، ''تمھیں اس سے کیا مطلب؟ وعدہ وعدہ ہوتا ہے۔''

گولم پھنکارا، ''اوہ، غصہ اور بے صبری! لیکن اسے انتظار کرنا ہوگا، ہاں، کرنا ہوگا۔ ہم اتنی جلدی اوپر سرنگوں میں نہیں جا سکتے۔ ہمیں پہلے جا کر کچھ چیزیں لانی پڑیں گی، اپنے کام کی چیزیں!''

بلبو بولا، ''اچھا تو جلدی کرو!'' بلبو دراصل اس کے جانے کے خیال ہی سے خوش ہوا تھا۔ اسے یقین تھا کہ گولم صرف راہِ فرار اختیار کر رہا ہے اور اس کا واپس لوٹنے کا کوئی ارادہ نہیں۔ گولم کن چیزوں کے بارے میں بات کر رہا تھا؟ اس تاریک جھیل کے کنارے کون سی چیزیں تھیں جو اس کے کام کی تھیں؟ لیکن وہ غلطی پر تھا۔ گولم کا واپس لوٹنے کا پورا ارادہ تھا۔ اب وہ غصے میں تھا اور اسے بھوک بھی لگی تھی۔ وہ بدنیت اور شیطان صفت تھا اور اس کے ذہن میں بلبو سے نمٹنے

کا منصوبہ پک رہا تھا۔

اس کا جزیرہ قریب ہی تھا جس کے بارے میں بلبو کو علم نہ تھا اور وہیں اپنی پناہ گاہ میں اس نے اپنا کچھ کاٹھ کباڑ رکھ چھوڑا تھا۔ تاہم ان چیزوں میں ایک انتہائی خوبصورت چیز تھی، انتہائی خوبصورت، اور انتہائی حیرت انگیز.... اس کے پاس ایک انگوٹھی تھی، ایک سنہری انگوٹھی، اس کی دوس س س ست انگوٹھی!

وہ سرگوشی میں خود کلامی کے انداز میں بولا، ''میری سالگرہ کا تحفہ! ہمیں اس کی ضرورت ہے، ہمیں اس کی ضرورت ہے۔'' وہ اپنے دائمی تاریک اور کبھی نہ ختم ہونے والے دنوں میں ہر وقت سرگوشیوں میں خود سے باتیں کیا کرتا تھا۔ اسے اس انگوٹھی کی ضرورت تھی کیونکہ وہ کوئی معمولی انگوٹھی نہ تھی۔ وہ ایک طاقتور طلسمی انگوٹھی تھی۔ اگر آپ اسے اپنی انگلی میں پہنیں تو آپ ایک ہی لمحے میں سب کی آنکھوں سے اوجھل ہو سکتے ہیں۔ آپ صرف تیز روشن دھوپ میں دکھائی دے سکتے ہیں اور وہ بھی صرف اپنے دُھندلے اور مبہم سائے کی بنا پر جو مکمل طور پر دکھائی نہیں دیتا۔

گولم ہر وقت خود سے باتیں کرتا رہتا، ''میری سالگرہ کا تحفہ! وہ مجھے سالگرہ پر ملا تھا، میری دوس س س ست!'' لیکن کون جانتا تھا کہ گولم کو یہ انگوٹھی کیسے ملی تھی، سالوں پہلے جب ایسی طلسماتی انگوٹھیاں دنیا میں اکثر پائی جاتی تھیں؟ شاید اس بات کا جواب ان انگوٹھیوں کے طلسم پر حکمرانی کرنے والا بادشاہ بھی نہ دے سکتا تھا۔ پہلے پہل تو گولم یہ انگوٹھی پہنے رکھتا تھا، پھر وہ اسے پہنے پہنے تھکنے لگا۔ پھر وہ اسے ایک تھیلی میں ڈالے گلے میں لٹکائے پھرتا لیکن وہ اس سے بھی زِچ ہونے لگا۔ اب وہ عموماً اسے اپنے جزیرے پر ایک پتھر کے نیچے چھپائے رکھتا تھا اور اکثر جا کر اسے نکال کر ہاتھ میں پکڑے دیر تک تکتا رہتا اور جب وہ انگوٹھی کی جدائی میں بے تاب ہو جاتا تو اسے انگلی میں پہن لیتا یا پھر جب اسے بہت شدید بھوک لگتی اور وہ مچھلی کھانے سے بیزار ہو جاتا تو وہ انگوٹھی پہنے تاریک سرنگوں میں گھومتا پھرتا جب تک اس کی مڈبھیڑ کسی بھولے بھٹکے بھتنے سے نہ ہو جاتی۔ وہ ایسی جگہوں پر جا پہنچتا جہاں مشعلیں روشن ہوتیں

لیکن وہ چندھیائی آنکھیں لیے بے فکر گھومتا پھرتا کیونکہ جب تک وہ انگوٹھی پہنے رہتا وہ محفوظ تھا۔ ہاں، قطعی محفوظ! اسے کوئی نہ دیکھ سکتا تھا اور کسی کو اس کی موجودگی کا احساس نہ ہو پاتا حتیٰ کہ اس کی انگلیاں اپنے شکار کی گردن دبوچ لیتیں۔ ابھی کچھ ہی گھنٹے پہلے انگوٹھی پہنے اس نے ایک دبلے پتلے بھتنے کو پکڑا تھا۔ وہ بھتنا بہت چیخا چلّایا تھا۔ ابھی چوسنے چبانے کو اس بھتنے کی دو چار ہڈیاں باقی تھیں لیکن گولم کا دل نرم اور گرم گوشت کھانے کو چاہ رہا تھا۔

وہ خود سے سرگوشیاں کرتا گیا، ''کوئی خطرہ نہیں ہے۔ وہ ہمیں دیکھ تو نہیں پائے گا، میرے دوس س س ست؟ نہیں وہ ہمیں دیکھ نہیں سکے گا، اور اس کی وہ منحوس تلوار بھی اس کے کام نہیں آئے گی۔'' یہ تھا وہ منصوبہ جو اس کے شیطانی دماغ میں بن رہا تھا جب وہ بلبو کو چھوڑ کر اپنی کشتی میں جا بیٹھا اور تاریکی میں غائب ہو گیا۔ بلبو کا خیال تھا کہ وہ ہمیشہ کے لیے دفعان ہو گیا ہے۔ پھر بھی کچھ دیر وہ اس کے انتظار میں بیٹھا رہا کیونکہ اسے کوئی اندازہ نہ تھا کہ وہ یہاں سے باہر کیسے نکل سکتا ہے۔

یکایک اسے دُور تاریکی میں ایک خوفناک دل دہلا دینے والی چیخ سنائی دی۔ بلبو کی ہڈیاں تک لرز اٹھیں۔ گولم اندھیرے میں کہیں چیخے چلّائے جا رہا تھا، آواز سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ بہت دُور نہ تھا۔ وہ اپنے جزیرے پر تھا اور بے تابی سے ادھر ادھر لپک لپک کر کچھ تلاش کر رہا تھا۔ اس کی چیخوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسے ناکامی کا سامنا ہے۔

بلبو کو اس کی چیخیں سنائی دے رہی تھیں، ''کہاں ہے؟ کہاں ہے؟ کھو گئی، کھو گئی.... میں مر گیا، میں لٹ گیا۔ میری دوس س س ست کھو گئی!''

بلبو اندھیرے میں پکارا، ''کیا ہوا؟ کیا کھو گیا؟''

گولم چیخا، ''اس کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ گم گئی.... گولم، گولم، گولم!''

بلبو زور سے بولا، ''میں بھی تو گم گیا ہوں اور مجھے راستے کی تلاش ہے۔ میں کھیل جیت چکا ہوں اور تم نے وعدہ کیا تھا۔ بس اب چلے آؤ۔ چلو مجھے باہر کا راستہ دکھاؤ اور پھر جو کچھ ڈھونڈنا

ہے ڈھونڈ لینا!'' گولم کی دردناک چیخوں کے باوجود بلبواس سے کچھ خاص ہمدردی محسوس نہ کر سکا تھا، کیونکہ اسے خدشہ تھا کہ گولم جس چیز کو یوں تلاش کر رہا تھا وہ کوئی اچھی چیز نہیں ہو سکتی۔ وہ ایک مرتبہ پھر چلّایا، ''چلو بھی!''

گولم نے جواب دیا، ''نہیں نہیں دوست! ہمیں اسے ڈھونڈنا ہوگا۔ گم گئی.... گولم!''

''لیکن تم نے میرے آخری سوال کا جواب نہیں دیا اور تم نے وعدہ کیا تھا۔''

گولم نے جواب دیا، ''جواب نہیں دیا!'' چند لمحے خاموشی کے بعد اندھیرے میں پھنکار سنائی دی، ''اس کی جیب میں کیا ہے؟ اسے بتانا ہوگا؟ پہلے اسے بتانا ہوگا!''

جہاں تک بلبو کا تعلق تھا اسے نہ بتانے میں کوئی خاص عار بھی نہ تھا۔ اب گولم کا شک یقین میں بدلنے لگا تھا۔ گزشتہ سالہا سال سے گولم اپنی زندگی میں صرف ایک ہی چیز کے بارے میں سوچتا رہتا تھا اور اسے ہمیشہ اس کے چوری ہو جانے کا خدشہ لاحق رہتا۔ لیکن بلبو کو اپنے سفر میں دیر ہونے پر غصہ آ رہا تھا۔ آخر اس نے قدرے ایمانداری سے کھیل میں جیت حاصل کی تھی اور ہارنے کی صورت میں اسے ہولناک نتائج کا سامنا تھا۔ وہ بولا، ''جوابات بوجھے جاتے ہیں، بتائے نہیں!''

گولم بولا، ''لیکن یہ درست سوال نہیں تھا۔ یہ کوئی پہیلی نہیں تھی۔''

بلبو نے جواب دیا، ''اوہ، اگر معمولی سوالات کا معاملہ ہے تو میں نے پہلے پوچھا تھا۔ تم کیا کھو بیٹھے ہو؟ اس کا جواب دو۔''

''اس کی جیب میں کیا ہے؟'' گولم کی پھنکار بلند اور تیز ہونے لگی تھی اور جب بلبو نے اس کی سمت میں اندھیرے میں گھور کر دیکھا تو اسے دُور دو زرد روشنی کے دائرے چمکتے دکھائی دیئے۔ جیسے جیسے گولم کے ذہن میں شک یقین میں بدلتا گیا اس کی آنکھوں میں زرد شعلے بھڑکنے لگے۔

بلبو نے اصرار کیا، ''تم نے کیا کھویا ہے؟''

اب گولم کی آنکھوں میں چمکنے والی روشنی زرد سے سبز میں تبدیل ہو گئی تھی اور وہ تیزی سے

قریب آ رہی تھی۔ گولم اپنی کشتی میں تیزی سے کنارے کی جانب آ رہا تھا اور اس کے دل میں نقصان اور شک وشبہ کا اتنا شدید اشتعال تھا کہ اب اسے کسی تلوار کا بھی خوف نہ تھا۔ بلبو کو کوئی اندازہ نہ تھا کہ گولم کس بات پر سیخ پا ہو رہا تھا لیکن وہ اتنا جان گیا تھا کہ اب قصہ تمام ہو چکا تھا اور گولم اس کی جان کے درپے ہو چکا تھا۔ اس لیے وہ فوراً مڑا اور اس سرنگ کی جانب بھاگ اٹھا جہاں سے وہ آیا تھا۔ وہ دیوار کے قریب رہنے کی کوشش کر رہا تھا اور ایک ہاتھ سے دیوار کو ٹٹولتا جا رہا تھا۔ اسے اپنے عقب میں گولم کی پھنکار سنائی دی، ''اس کی جیب میں کیا ہے؟'' اور ایک چھپاکے کی آواز ابھری جب گولم کشتی سے پانی میں اترا۔ سرپٹ بھاگتے ہوئے بلبو سوچنے لگا، ''آخر کیا ہے میری جیب میں؟'' اس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا، انگوٹھی کا لمس انتہائی سرد تھا اور اسے احساس ہی نہ ہوا کہ اس کی انگلی انگوٹھی سے گزرتی گئی۔

گولم کی پھنکار اس کے پشت پر بہت قریب سنائی دی۔ وہ مڑا تو اسے اندھیرے میں گولم کی سبز شعلہ بار نگاہیں چڑھائی پر قریب آتی دکھائی دیں۔ بلبو خوف کے عالم میں مڑا اور مزید تیز رفتاری سے بھاگنے کی کوشش کی اور یکا یک اس کا پیر ایک پتھر سے اٹکا اور وہ منہ کے بل زمین پر آ رہا۔

گولم ایک ہی جست میں اس کے قریب آن پہنچا لیکن اس سے قبل کہ بلبو کچھ کر پاتا، خود پر قابو پاتا، اٹھ پاتا یا اپنی تلوار نکال پاتا گولم اس کے عین قریب سے طیش کے عالم میں بڑبڑاتا پھنکارتا بھاگتا چلا گیا جیسے اس نے بلبو کو دیکھا ہی نہ ہو۔

یہ کیا ہوا؟ گولم تو اندھیرے میں بھی بخوبی دیکھ سکتا تھا۔ بلبو کو اس کی آنکھوں کی زرد روشنی عقب سے بھی دکھائی دے رہی تھی۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا کھڑا ہوا اور اپنی تلوار پر ایک نگاہ ڈالی جو اندھیرے میں ہلکی ہلکی چمک رہی تھی۔ اس نے تلوار واپس میان میں ڈالی اور محتاط انداز میں گولم کے پیچھے چل دیا۔ اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ تھا۔ گولم کی جھیل کی جانب جانے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ اگر وہ گولم کے پیچھے پیچھے چلا تو اس بات کا امکان تھا کہ وہ نادانستہ بلبو کو باہر جانے والے راستے کی جانب لے جاتا۔

گولم کی غضبناک پھنکاریں اسے سنائی دے رہی تھیں، ''لعنت ہو، لعنت ہو، لعنت ہو اس بیگنز پر! وہ جا چکا ہے۔ اس کی جیب میں کیا ہے؟ ہم جانتے ہیں، ہم جانتے ہیں، اس کی جیب میں کیا ہے، میری دوست! وہ اسے مل گئی ہے۔ یقیناً اسے مل گئی ہے۔ میری سالگرہ کا تحفہ!''

بلبو اس کا رونا دھونا سن رہا تھا۔ اب اسے بھی اندازہ ہونے لگا تھا کہ کیا ماجرا ہے۔ اس نے اپنی رفتار قدرے تیز کی تا کہ اس کے اور گولم کے درمیان فاصلہ کم ہو جو خود بھی پوری رفتار سے پیچھے دیکھے بغیر بھاگے جا رہا تھا۔ ہاں البتہ وہ دائیں بائیں کی سرنگوں میں ضرور نگاہیں دوڑاتا جاتا تھا کہ کہیں بلبو ان میں نہ نکل گیا ہو۔

''آہ! میری سالگرہ کا تحفہ! لعنت ہو! ہم اسے کیسے کھو بیٹھے؟ وہ گم کیسے گئی؟ ہاں۔ اب یاد آیا۔ ہم اس جانب آئے تھے جب ہم نے اس بھتنے کی گردن مروڑی تھی۔ ہاں یہی ہوا۔ لعنت ہو! اتنے سالوں کے بعد وہ ہم سے کھو گئی۔ وہ کھو گئی، گولم، گولم!''

یکا یک وہ رک گیا اور زمین پر بیٹھ کر ہاتھ اٹھائے بین ڈالنے لگا، اس کی کرخت سیٹی جیسے ہولناک آواز سے بلبو کا دل بیٹھنے لگا۔ وہ خود بھی رک گیا اور اپنی پشت دیوار کے ساتھ لگا کر ساکت کھڑا ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد گولم نے رونا بند کیا اور خود سے باتیں کرنے لگا۔ یوں لگا جیسے وہ خود سے بحث کر رہا ہو۔

''اسے ڈھونڈنے واپس جانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ ہمیں وہ سب جگہیں یاد نہیں جہاں جہاں ہم گئے تھے اور وہ وہاں نہیں ہوگی۔ وہ تو اس بیگنز کی جیب میں ہوگی۔ ہمیں یقین ہے کہ وہ اس خبیث چور کے پاس ہی ہے۔ ہم اندازہ ہی لگا سکتے ہیں، صرف اندازہ۔ اس وقت تک معلوم نہ ہوگا جب تک ہم اس خبیث کو پکڑ نہ لیں اور اس کی گردن نہ مروڑ ڈالیں۔ لیکن وہ نہیں جانتا کہ وہ کیا کر سکتی ہے؟ وہ صرف اسے اپنی جیبوں میں ڈالے پھرتا رہے گا۔ اسے کچھ معلوم نہ ہوگا اور وہ بہت دُور بھی نہیں جا سکتا۔ وہ تو خود بھی یہاں گم چکا ہے۔ راستہ کھو چکا ہے، وہ منحوس چور! اسے باہر جانے کا راستہ معلوم نہیں.... اس نے خود ایسا ہی کہا تھا۔''

''ہاں اس نے کہا تو تھا، لیکن وہ چالاک ہے۔ جو وہ کہتا ہے وہ اس کا مطلب نہیں ہوتا۔ اس نے یہ نہیں کہا کہ اس کی جیب میں کیا ہے۔ وہ جانتا ہے۔ وہ یہاں آنے کا راستہ جانتا ہے تو باہر جانے کا راستہ بھی جانتا ہوگا۔ وہ عقبی راستے کی طرف جا رہا ہوگا۔ ہمیں بھی پچھلے راستے کی جانب جانا ہوگا۔''

''وہاں وہ بھتنوں کے ہتھے چڑھ جائے گا۔ وہ وہاں سے نہیں نکل سکتا۔''

''س س س س.... بھتنے.... گولم! ہاں، لیکن اگر اس کے پاس تحفہ ہے، ہمارا پیارا تحفہ، تو وہ بھی بھتنوں کے ہاتھ لگ جائے گا۔ گولم! وہ ان کے ہاتھ لگ جائے گا اور پھر بھتنے جان جائیں گے کہ تحفہ کیا کر سکتا ہے۔ پھر ہم کبھی بھی محفوظ نہیں رہیں گے، کبھی بھی نہیں۔ گولم! ان بھتنوں میں ایک اسے پہن لے گا اور اسے کوئی نہیں دیکھ سکے گا۔ وہ یہیں ہوگا لیکن کوئی اسے دیکھ نہ پائے گا۔ ہماری تیز نگاہیں بھی اسے دیکھ نہ پائیں گی۔ پھر وہ بن دیکھے، خاموشی سے آئے گا اور ہمیں پکڑ لے گا.... گولم! گولم!''

''پھر میرے دوست، ہمیں یہاں باتیں نہیں کرنا چاہئیں اور فوراً وہاں پہنچنا چاہیے۔ اگر بیگنز ادھر گیا ہے تو ہمیں بھی وہاں جا کر دیکھنا ہوگا۔ چلو! وہ جگہ دُور نہیں ہے.... جلدی! جلدی!''

گولم نے ایک زقند بھری اور تیزی سے ایک جانب بھاگ اٹھا۔ بلبو بھی اس کے تعاقب میں تیزی سے بھاگنے لگا لیکن اب اس کو ایک فکر لاحق تھی کہ کہیں وہ ایک مرتبہ پھر کسی پتھر سے ٹھوکر نہ کھا بیٹھے اور اس کے گرنے کی آواز گولم تک نہ پہنچ جائے۔ وہ بہ یک وقت پُرامید اور حیرت زدہ تھا۔ تو گویا جو انگوٹھی اس کے ہاتھ لگی تھی وہ ایک جادوئی انگوٹھی تھی۔ وہ پہننے والے کو نگاہوں سے اوجھل کر دیتی تھی۔ اس نے پرانی داستانوں میں ایسی چیزوں کے بارے میں سن رکھا تھا۔ لیکن ناقابلِ یقین بات یہ تھی کہ اسے اتفاق سے ایسی چیز مل گئی۔ بہرحال، یہ حقیقت تھی کہ اپنی بڑی بڑی آنکھوں کے ساتھ گھٹاٹوپ اندھیرے میں بھی دیکھنے والا گولم اس سے گز بھر کے فاصلے سے گزر گیا تھا۔

یوں وہ دونوں بھاگتے گئے۔ آگے گولم جو پھدکتا، لپکتا، پھنکارتا اور لعن طعن کرتا بھاگے جا رہا تھا اور اس کے پیچھے بلبو خاموشی سے اس کے ساتھ رہنے کی کوشش کرتے ہوئے۔ جلد ہی وہ ایسی جگہوں سے گزرے جہاں سے سرنگ کے دونوں جانب راستے نکلنے لگے۔ گولم ان کے سامنے سے گزرتے ہوئے انھیں گننے لگا۔ اس نے راستوں کی گنتی یاد کر رکھی تھی۔

''بائیں ایک، ہاں! دائیں ایک، ہاں! دائیں دو، ہاں، ہاں! بائیں دو، ہاں، ہاں!''

جیسے جیسے وہ آگے بڑھتے گئے گولم کی پریشانی میں اضافہ ہوتا گیا اور اب وہ رونے لگا۔ وہ اپنی جھیل سے دُور ہوتا چلا جا رہا تھا اور اب اسے خوف محسوس ہو رہا تھا۔ یہاں بھتنے ہو سکتے تھے اور اب اس کے پاس انگوٹھی بھی نہ تھی۔ پھر اوپر کی جانب بڑھتے ہوئے وہ ایک راستے کے قریب رکا جو بائیں طرف جا رہا تھا۔

وہ سرگوشی میں بولا ''سات دائیں، ہاں! چھ بائیں، ہاں! ہاں، یہی ہے! یہی ہے راستہ جو عقبی دروازے کی جانب جاتا ہے۔ یہی راستہ ہے!''

اس نے راستے کی طرف جھانک کر دیکھا اور یکایک پیچھے ہٹ گیا۔ ''نہیں، ہمیں اس طرف نہیں جانا چاہیے، میرے دوست، ہمیں اس طرف نہیں جانا چاہیے۔ وہاں بھتنے ہوں گے۔ بہت سے بھتنے! ہمیں ان کی بُو آ رہی ہے۔ س س س! اب ہم کیا کریں؟ لعنت ہو ان پر لعنت ہو! ہمیں یہاں انتظار کرنا چاہیے۔ انتظار کرنا چاہیے اور دیکھنا چاہیے۔''

اب وہ دونوں رک گئے۔ گولم اسے باہر جانے والے راستے تک لے آیا تھا لیکن بلبو آگے بڑھ نہ سکتا تھا۔ تنگ راستے کے عین درمیان گولم اکڑوں بیٹھا تھا۔ اس کی سرد نگاہیں اندھیرے میں چمک رہی تھیں اور وہ اپنا سر اپنے گھٹنوں کے درمیان رکھے دائیں بائیں گھمائے جا رہا تھا۔

بلبو انتہائی خاموشی اور احتیاط سے دیوار سے ہٹا لیکن یکایک گولم چونک اٹھا اور اس نے ہوا میں کچھ سونگھنے کی کوشش کی۔ اس کی آنکھیں زرد سے سبز ہو گئیں۔ اس کے منہ سے ایک مدھم لیکن ڈراؤنی پھنکار برآمد ہوئی۔ وہ ہابٹ کو دیکھ نہ پا رہا تھا لیکن وہ چوکنا ہو چکا تھا۔ تاریکی

نے اس کے دوسرے حواس یعنی سننے اور سونگھنے کی حِس کو تیز کر دیا تھا۔ اب وہ اپنے ہاتھ پیر چاروں جانب پھیلائے اپنا ناک زمین کے قریب رکھے کسی کیڑے کی مانند بیٹھا تھا۔ اگرچہ اپنی ہی سبز نگاہوں کی دھیمی روشنی میں وہ ایک ہیولا سا لگ رہا تھا لیکن بلبو کو احساس ہو رہا تھا کہ گولم کے بدن کا ایک ایک عضو یکا یک کُود پڑنے کے لیے کسی تنی ہوئی کمان کی مانند کھنچا ہوا تھا۔

بلبو نے سانس لینا بھی تقریباً بند کر دیا اور ساکت ہو گیا۔ اب وہ حوصلہ ہارنے لگا تھا۔ اس سے پہلے کہ اس کی قوت جواب دے جائے اسے یہاں سے اس ہولناک تاریکی سے فرار ہو جانا تھا۔ اسے لڑ جانا ہوگا۔ اسے اس منحوس عفریت کو تلوار سے چیر دینا ہوگا، اس کی آنکھیں نکال دینی ہوں گی، اسے مار ڈالنا ہوگا۔ وہ بھی تو اسے مارنے پر تلا تھا۔ نہیں، یہ برابر کا مقابلہ نہ ہوگا۔ وہ نگاہوں سے اوجھل ہو چکا تھا اور گولم کے پاس کوئی تلوار نہ تھی اور درحقیقت گولم نے اسے مار ڈالنے کی دھمکی بھی نہ دی تھی یا کم از کم کوشش تو نہ کی تھی اور وہ بھی تو بیچارہ مصیبت زدہ، اکیلا اور بھٹکا ہوا تھا۔ بلبو کے دل میں اچانک گولم کے لیے کراہیت کے ساتھ ساتھ احساسِ ترحّم اُبھرنے لگا۔ اسے روشنی اور بہتری کی امید کی کسی کرن کے بغیر لا متناہی اور اَن گنت دنوں، سنگلاخ پتھروں، ٹھنڈی مچھلیوں، چھپتے پھرنے اور خود کلامی میں سرگوشیاں کرنے کا خیال آنے لگا۔ یہ سب خیالات ایک لمحے میں اس کے ذہن میں پیدا ہوئے۔ وہ لرز اٹھا اور پھر خیالات کا ایک اور کوندہ اس کے ذہن میں لپکا جیسے اس کے دل میں ایک نئی ہمت اور نیا ولولہ پیدا ہوا ہو اور پھر اس نے چھلانگ لگائی۔

کسی عام قد کے آدمی کے لیے یہ کوئی بڑی چھلانگ نہ تھی۔ لیکن پھر بھی تاریکی میں امید کی چھلانگ تھی۔ وہ گولم کے اوپر سے اڑتا گیا، سات قدم آگے اور تین قدم بلند.... اسے احساس نہ ہوا کہ وہ اپنا سر سوراخ کے اوپر کی چٹان سے پھوڑنے سے بال بال بچا۔

گولم مڑا اور اپنے اوپر گزرتے ہوئے بلبو کو دبوچنے کی کوشش کی۔ لیکن بہت دیر ہو چکی تھی۔ اس کے ہاتھ ہوا میں رہ گئے اور بلبو دوسری جانب اپنے پیروں کے بل جا گرا اور پوری

طاقت سے دوسری سرنگ میں بھاگتا گیا۔ اس نے مڑ کر بھی گولم کی جانب نہ دیکھا۔ شروع میں اسے اپنے پیچھے چیخنے اور پھنکارنے کی آواز سنائی دی۔ پھر وہ آوازیں بند ہو گئیں اور پھر یکا یک نفرت اور مایوسی سے بھری ہوئی خون جما دینے والی چیخ بلند ہوئی۔ گولم ہار چکا تھا! وہ اپنا شکار کھو چکا تھا اور وہ بھی جو اس کی زندگی کی سب سے قیمتی چیز تھی.... اس کی دوست! چیخ سنتے ہی بلبو کا کلیجہ حلق کو آنے لگا۔ لیکن وہ بھاگتا چلا گیا۔ اب دُور رفتہ رفتہ دھیمی ہوتی ہوئی آواز سنائی دے رہی تھی، ''چور! چور! چور! بیگنز! ہمیں نفرت ہے اس سے! نفرت ہے ہمیں! ہمیں اس سے ہمیشہ نفرت ہے۔''

اور پھر خاموشی چھا گئی۔ لیکن یہ خاموشی بھی بلبو کو خوفزدہ کیے جا رہی تھی۔ ''اگر بھتنے اتنے قریب ہیں کہ اسے ان کی بدبو آ رہی تھی تو انھوں نے اس کا چیخنا چلّانا بھی سن لیا ہو گا۔ اب احتیاط کرنا ہو گی ورنہ اس راستے پر دوبارہ کسی بدترین مصیبت کا سامنا ہو سکتا ہے۔''

سرنگ قدرے تنگ اور دیواریں سنگلاخ تھیں۔ بلبو کو کچھ خاص دقّت نہ ہوئی تاہم اپنی تمام تر احتیاط کے باوجود اسے فرش کے نوکیلے پتھروں سے متعدد بار ٹھوکریں لگیں۔ ''کم از کم تنگ سرنگ میں بڑے بھتنے تو داخل نہ ہو سکیں گے۔'' وہ نہ جانتا تھا کہ بڑے اور قد آور بھتنے اور اورک بھی زمین پر جھک کر اپنے چاروں ہاتھوں پیروں پر بھیڑیوں کی مانند برق رفتاری سے بھاگ سکتے تھے۔

جلد ہی نیچے کی جانب جاتا ہوا راستہ ہموار ہو گیا اور پھر اوپر کی جانب چڑھنے لگا۔ بلبو کی رفتار آہستہ ہو گئی۔ لیکن پھر چڑھائی بھی ختم ہوئی اور سامنے ایک موڑ دکھائی دیا۔ موڑ کے بعد راستہ ایک مرتبہ پھر نیچے کی جانب اترا اور ڈھلوان کے آخر میں ایک اور موڑ کے قریب ہی اسے روشنی دکھائی دی۔ یہ روشنی آگ یا مشعلوں کی سرخ روشنی نہ تھی بلکہ کھلے آسمان کی روشنی کی مانند سفید تھی۔ بلبو ایک مرتبہ پھر بھاگنے لگا۔

اپنی پوری طاقت سے بھاگتے ہوئے وہ موڑ تک پہنچا اور مڑتے ہی ایک روشن جگہ پر پہنچا۔ اتنا عرصہ اندھیرے میں رہنے کے بعد اس کی آنکھیں روشنی سے چندھیا گئیں۔ حالانکہ

درحقیقت کچھ فاصلے پر پتھر سے تراشے ایک بلند و بالا بھاری دروازے سے سورج کی روشنی چھن چھن کر آرہی تھی۔

بلبو نے اپنی پلکیں جھپکائیں اور عین اس لمحے اس کی نگاہ بھتنوں پر پڑی۔ زرّہ بکتروں میں ملبوس، ہاتھوں میں تلواریں تھامے دروازے کے ساتھ بھتنوں کا ایک گروہ دروازے پر اور دروازے تک جانے والے راستے پر نظریں جمائے بیٹھا تھا۔ وہ ہوشیار، چوکنّے اور ہر صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے تیار بیٹھے تھے۔

وہ بلبو کو دیکھ چکے تھے۔ ہاں، وہ اسے دیکھ چکے تھے۔ نجانے یہ کوئی حادثہ تھا یا انگوٹھی کی ایک نیا مالک ڈھونڈنے کے لیے ایک نئی سازش تھی، بہرحال انگوٹھی اس کی انگلی میں نہ تھی۔ بھتنے چیخیں مارتے ہوئے اس کی جانب لپکے۔

خوف اور مایوسی کے عالم میں بلبو اپنی تلوار نکالنا بھی بھول گیا اور غیر اختیاری طور پر اس نے اپنے ہاتھ اپنی جیبوں میں ڈالے۔ ایک ہی لمحے میں انگوٹھی اس کی انگلی میں تھی۔ بھتنے جہاں تھے وہیں رک کر رہ گئے۔ بلبو ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ وہ غیظ و غضب سے چنگھاڑنے لگے۔

وہ چلّانے لگے، ''وہ کہاں گیا؟''

دوسرے چیخے، ''واپس راستے کی جانب دیکھو!''

کچھ چیخے، ''اس جانب!'' دوسرے چیخے، ''اُس جانب!''

ان کا کمانڈر دھاڑا، ''دروازے پر نظر رکھو!''

وہ سب چیخنے چلّانے سیٹیاں بجانے لگے۔ زرّہ بکتریں کھٹکھٹانے لگیں، تلواریں کھنکھنانے لگیں، بھتنے چیخنے چلّانے لگے اور اِدھر اُدھر بھاگنے لگے، گرتے پڑتے ایک دوسرے سے ٹکرانے لگے۔ ہر طرف شور شرابہ غل غپاڑا مچا ہوا تھا۔

گو بلبو خوف سے کانپ رہا تھا لیکن اسے احساس ہو چکا تھا کہ کیا ہو رہا ہے اور دروازے کے پاس رکھے شراب کے ڈرم کی اوٹ میں چھپ بیٹھا۔ یوں وہ ادھر ادھر بھاگتے ہوئے

بھتنوں کی راہ سے دُور ہوگیا کہ کہیں کوئی اس سے ٹکرا نہ جائے، اسے اپنے پیروں کے نیچے کچل نہ ڈالے اور کہیں اسے چھو کر دبوچ نہ لے۔

وہ خود سے کہے جا رہا تھا، ''مجھے دروازے تک پہنچنا ہے، مجھے دروازے تک پہنچنا ہے۔'' بہت دیر دبکے رہنے کے بعد بالآخر اس نے ہمت کی اور باہر نکل آیا۔ اس کے بعد جو ہوا وہ آکھڑ پانڈی کا کھیل ہی تھا۔ وہ اِدھر اُدھر بھاگتے بھتنوں کے درمیان سے گزرتا ہوا بھاگتا چلا گیا، کسی کے دائیں اور کسی کے بائیں سے، کسی کی ٹانگوں کے درمیان سے ہوتا ہوا۔ ایک بھتنے نے اسے ٹکر ماری لیکن اسے اندازہ نہ ہوا کہ اس کی ٹکر کس چیز سے لگی ہے۔ بالآخر بلبو درروازے کے قریب جا پہنچا۔ پہلے تو دروازہ کھلا تھا لیکن یکا یک ایک بھتنے نے دھکیل کر اسے تقریباً بند ہی کر دیا۔ بلبو نے پتھریلے دروازے کو دھکیلنے کی کوشش کی لیکن بھاری بھرکم دروازہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ بلبو نے ادھ کھلے دروازے سے گزرنے کی کوشش کی لیکن اپنی تمام تر جدوجہد کے باوجود ناکام رہا۔ جگہ بہت تنگ تھی اور وہ جتنی کشمکش کرتا مزید پھنستا جاتا۔ اب اس کی سانس رکنے لگی۔ اس کی واسکٹ کے بٹن دروازے کے کونے میں بری طرح پھنس چکے تھے۔ اس نے باہر کی جانب نگاہ ڈالی۔ چند قدم کے فاصلے پر ایک راستہ پہاڑ کے پہلو سے ہوتا ہوا نیچے وادی میں اتر رہا تھا۔ یکا یک بادلوں کی اوٹ سے سورج نکلا اور پہاڑ پر چاروں جانب دھوپ پھیل گئی۔ لیکن وہ ابھی تک بری طرح پھنسا ہوا تھا۔

یکلخت اندر سے ایک بھتنے کی چیخ سنائی دی، ''دروازے پر کسی کا سایہ ہے! وہاں کوئی ہے!'' بلبو کا کلیجہ اچھل کر اس کے حلق میں آن اٹکا۔ اس نے پوری طاقت سے باہر نکلنے کی کوشش کی۔ واسکٹ کے بٹن اکھڑ کر بکھر گئے۔ وہ باہر نکل چکا تھا۔ ایک ہی جست میں وہ باہر کے راستے پر کسی پہاڑی بکری کی مانند اچھلتا کودتا چلا گیا۔ بٹنوں کے بغیر اس کا کوٹ اور واسکٹ ہوا میں اڑ رہے تھے۔

اس کے عقب میں حیران و پریشان بھتنے زمین پر پڑے پیتل کے بٹنوں کو زمین سے اٹھا کر حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد وہ بلبو کے تعاقب میں باہر نکلے اور غراتے

چنگھاڑتے ہوئے درختوں کے درمیان بلبو کو ڈھونڈتے رہے۔ لیکن بھتنے زیادہ دیر تک سورج کی روشنی میں نہیں رہ سکتے۔ سورج کی تیز روشنی میں ان کی ٹانگیں کپکپانے اور سر چکرانے لگتا ہے۔ وہ بلبو کو تلاش نہ کر سکے جو طلسماتی انگوٹھی پہنے درختوں کے سائیوں میں چھپتا چھپاتا سورج کی روشنی سے بچتا تیزی لیکن خاموشی سے بھاگتا چلا گیا۔ جلد ہی بھتنے مایوس ہو کر واپس اپنے غار کے دروازے کی جانب لوٹ گئے۔ بلبو فرار ہو چکا تھا۔

چھٹا باب

آسمان سے گِرا....

بلبو بھتنوں سے تو جان بچا کر نکل چکا تھا لیکن اب اسے کچھ اندازہ نہ تھا کہ وہ کہاں ہے۔ اس کا کوٹ، کنٹوپ، کھانا پینا، واسکٹ کے بٹن اور اس کے دوست.... وہ سب کچھ ہی تو کھو بیٹھا تھا۔ وہ چلتا گیا اور چلتا گیا۔ حتیٰ کہ سورج اس کے عقب میں پہاڑوں کے پیچھے ڈوبنے لگا۔ پہاڑوں کا سایہ اس کے سامنے راستے میں پھیلنے لگا۔ اس نے مڑ کر دیکھا اور پھر اپنے سامنے نگاہ دوڑائی تو اسے دُور میدانی علاقوں تک ڈھلوانیں اور گھاٹیاں دکھائی دیں۔

وہ بول اٹھا، ''اوہ میرے خدا! میں تو دھندلے پہاڑوں کی دوسری طرف آ نکلا ہوں۔ میں تو ارضِ ویراں سے بھی آگے پہنچ چکا ہوں۔ نجانے گنڈالف اور بونے کہاں رہ گئے؟ کہیں وہ ابھی تک بھتنوں کے چنگل میں تو نہیں؟''

انھیں خیالوں میں گم وہ چلتا گیا۔ وادیوں اور ڈھلوانوں سے گزرتا چلا گیا۔ لیکن اب اس کے ذہن میں ایک اور الجھن کلبلانے لگی۔ وہ سوچنے لگا کہ اب جب کہ اس کے پاس طلسمی انگوٹھی موجود ہے تو کیا اسے اپنے دوستوں کو بچانے ان خوفناک تاریک سرنگوں میں واپس جانا چاہیے یا نہیں؟ بہت سوچ و بچار کے بعد اس نے فیصلہ کیا کہ انھیں بچانے کی کوشش کرنا اس کا

فرض بنتا ہے۔ بھاری دل کے ساتھ وہ الٹے پاؤں مڑنے ہی لگا تھا، اچانک اسے آوازیں سنائی دیں۔

وہ فوراً رُکا اور کان لگا کر سننے لگا۔ آوازیں بھتنوں کی تو نہیں تھیں اس لیے وہ ہولے ہولے آگے بڑھنے لگا۔ وہ اس وقت ایک پتھریلے راستے پر اتر رہا تھا اس کے بائیں ہاتھ پہاڑ کا پہلو تھا اور دائیں جانب ایک ڈھلوان تھی جس کے نیچے اسے جھاڑیاں اور درخت دکھائی دے رہے تھے۔ انھیں درختوں کے درمیان اسے لوگوں کے باتیں کرنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

وہ دھیرے دھیرے رینگتا ہوا ان آوازوں کی جانب بڑھا کہ یکا یک اسے دو پتھروں کے درمیان سرخ کنٹوپ پہنے ایک سر دکھائی دیا۔ یہ بالین تھا جو پہرہ دے رہا تھا۔ بلبو کا جی چاہا کہ خوشی سے تالیاں بجائے اور چیخ اٹھے۔ لیکن وہ ابھی تک کسی ناگہانی مصیبت سے بچنے کے لیے جادوئی انگوٹھی پہنے تھا اور اس نے دیکھا کہ بالین سیدھا اس کی جانب دیکھ رہا تھا لیکن اس کے چہرے پر ایسا کوئی تاثر نہیں تھا کہ اس نے بلبو کو دیکھ لیا ہو۔

''میں ان سب کو بے خبری میں جا لوں گا۔'' بلبو نے سوچا اور درختوں کے قریب جھاڑیوں میں جا پہنچا۔ گنڈالف اور بونے بحث میں مصروف تھے۔ وہ سرنگوں میں پیش آنے والے واقعات کے بارے میں باتیں کر رہے تھے اور بحث کا موضوع یہ تھا کہ اب انھیں کیا کرنا چاہیے۔ بونے بڑبڑا رہے تھے اور گنڈالف کہہ رہا تھا کہ مسٹر بیگنز کو یوں بھتنوں کے چنگل میں چھوڑ کر اپنا سفر جاری رکھنا درست نہ ہوگا۔ انھیں یہ معلوم کرنا ہوگا کہ وہ زندہ بھی ہے یا نہیں اور اگر وہ زندہ ہے تو اسے بچانے کی کوشش کرنا ہوگی۔

گنڈالف کہہ رہا تھا، ''وہ میرا دوست ہے اور ایک شریف شخص ہے۔ ایک لحاظ سے اس کی خیر و عافیت کا میں ہی ذمے دار ہوں۔ کاش تم لوگوں نے اسے یوں چھوڑ نہ دیا ہوتا۔''

بونے پوچھنے لگے کہ اگر بلبو اپنے ساتھیوں کے ساتھ رہ نہ سکتا تھا، ان کے ساتھ چل نہ سکتا تھا تو گنڈالف اسے اس مہم پر لایا ہی کیوں تھا اور کیا گنڈالف کو بلبو سے زیادہ عقل مند شخص

نہ ملا تھا؟ ایک بونا بولا، ''اب تک اس کی موجودگی کا فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہوا ہے۔ اب اگر اسے ڈھونڈنے واپس ان جہنمی سرنگوں میں لوٹنا پڑے تو میں کہتا ہوں وہ بھاڑ میں جائے۔''

گنڈالف طیش کے عالم میں بولا، ''میں اسے ساتھ لایا تھا اور میں اپنے ساتھ کچھ بھی غیر ضروری اور بے فائدہ نہیں لاتا، یا تو تم سب اسے تلاش کرنے میں میری مدد کرو گے یا میں اکیلا جا کر اسے تلاش کروں گا اور تم سب یہاں بیٹھ کر جو تمھارا جی چاہے کرو۔ میں جانتا ہوں کہ اگر ہم اسے بچانے میں کامیاب ہو گئے تو ایک نہ ایک دن تم میرا شکریہ ادا کرو گے اور ڈوری، تم نے اسے کاندھے پر اٹھایا ہوا تھا، تم نے کیوں اسے گرا دیا؟''

ڈوری بولا، ''اگر میری جگہ تم ہوتے تو تم بھی اسے گرا دیتے۔ اگر اندھیرے میں ایک بھتنا تمھاری ٹانگیں پکڑ لیتا اور تم اوندھے منہ زمین پر جا گرتے اور وہ بھتنا تمھاری کمر پر لات رسید کر دیتا تو تم کیا کرتے؟''

''تو پھر تم نے اسے دوبارہ کیوں نہ اٹھایا؟''

''اوہ میرے خدا! یہ کیا بات ہوئی بھلا؟ تاریکی میں ہر طرف لڑتے بھڑتے، مارتے کاٹتے بھتنے تھے۔ سب لوگ ایک دوسرے پر گرتے پڑ رہے تھے اور تم نے تو گلیمڈرنگ سے میرا سر ہی کاٹ ڈالا تھا اور دوسری جانب تھورین آرکرسٹ اندھا دھند گھمائے جا رہا تھا اور پھر تم نے اپنے عصا سے روشنی کا جھماکا کیا اور سارے بھتنے چیختے ہوئے ادھر ادھر بھاگنے لگے اور پھر تم نے ہی تو چلّا کر کہا تھا، ''سب میرے پیچھے آؤ'' اور سب تمھارے پیچھے بھاگ اٹھے تھے۔ کم از کم ہم یہی سمجھے تھے کہ سب لوگ تمھارے ساتھ ہیں۔ ایسے وقت میں کون گنتی کا خیال رکھتا! اور یوں ہم سب وہاں سے بھاگتے ہوئے پہریداروں کے قریب سے گزرتے باہر آن نکلے اور یہاں پہنچ گئے اور اب ہم سب یہاں ہیں، سوائے اس چور کے!''

''اور یہ رہا وہ چور!'' بلبو نے انگوٹھی اتار کر جیب میں رکھی اور ایک قدم بھرتے ہوئے یکا یک ان کے درمیان آن پہنچا۔

اوہ، میرے خدا! وہ سب کیسے ششدر رہ گئے تھے۔ وہ سارے حیرت اور خوشی سے

اُچھل پڑے۔ باقیوں کی طرح گنڈالف بھی حیرت زدہ رہ گیا اور شاید سب سے زیادہ خوش بھی۔ لیکن اس نے فوراً بالین کو پکار کر بلایا اور اس کی سرزنش کی کہ کیسی پہرے داری کی کہ بلبو اس کے قریب سے گزرتا ہوا ان سب تک پہنچ گیا۔ یہ حقیقت تھی کہ اس واقعے کے بعد بونوں کی نظر میں بلبو کی صلاحیتوں کی قدر و منزلت بہت بڑھ گئی تھی۔ گنڈالف کی تعریفوں کے باوجود اگر کسی کی نظر میں بلبو کی قابلیت پر کوئی شک تھا تو اب وہ دُور ہو چکا تھا۔ سب سے زیادہ پریشان اور حیرت زدہ بالین ہی تھا۔ بہرحال سب بلبو کی صلاحیتوں کے قائل ہو چکے تھے۔

بلبو ان کی تعریفوں سے اتنا خوش ہوا کہ اس کا دل بلیوں اچھلنے لگا اور اس نے انگوٹھی کے بارے میں فی الحال کچھ نہ کہنے کا فیصلہ کیا۔ جب اس سے اس کے فرار کے بارے میں پوچھا گیا تو وہ لااُبالی انداز میں بولا، ''کچھ بھی نہیں! بس چھپ چھپا کر چلتا رہا.... احتیاط اور خاموشی سے!''

لیکن بالین سے رہا نہ گیا، ''میری زندگی کا یہ پہلا موقع ہے کہ کوئی میرے پہرے میں احتیاط اور خاموشی سے چھپ چھپا کر میری ناک کے نیچے سے گزر جائے اور مجھے معلوم ہی نہ ہو۔ میں آپ کو سلام پیش کرتا ہوں!'' یہ کہہ کر اس نے اپنا ہیٹ اتارا اور جھک کر بولا، ''بالین آپ کی خدمت میں۔''

بلبو نے جواب دیا، ''بلبو بیگنز، آپ کی خدمت میں۔''

پھر انھوں نے اس سے پوچھا کہ ان سب سے جدا ہونے کے بعد اس پر کیا گزری۔ بلبو بیٹھ گیا اور انھیں سوائے انگوٹھی والے واقعے کے اپنی ساری رُوداد سنانے لگا (اس نے سوچا، ''ابھی مناسب وقت نہیں ہے'') پہیلیوں کے مقابلے کے بارے میں سنتے ہوئے انھوں نے بہت دلچسپی کا مظاہرہ کیا اور گولم کی تصویر کشی پر وہ سب لرز اٹھے۔

آخر میں بلبو بولا، ''اور پھر جب وہ میرے قریب آن بیٹھا تو میرے ذہن میں کوئی اور سوال نہ آیا۔ تو میں نے پوچھا، ''میری جیب میں کیا ہے؟'' اس نے تین جواب دیئے اور تینوں جواب غلط تھے۔ پھر میں نے کہا، ''اب تمھارا وعدہ کیا ہوا؟ تمھیں مجھے باہر کا راستہ دکھانا ہو

گا۔" اس پر وہ مجھے مارنے لپکا لیکن میں وہاں سے بھاگ اٹھا۔ میں نیچے گر پڑا اور یوں وہ مجھے ڈھونڈ نہ پایا۔ پھر میں اس کے پیچھے پیچھے چلتا رہا کیونکہ وہ اندھیرے میں خود سے باتیں کرتا جا رہا تھا۔ وہ سمجھا کہ مجھے واقعی باہر جانے کا راستہ معلوم تھا اور وہ باہر نکلنے والے راستے کی طرف ہی جا رہا تھا تاکہ مجھے وہاں پکڑ سکے۔ پھر وہ دروازے کے قریب ہی بیٹھ گیا تاکہ میں باہر نہ نکل سکوں۔ لیکن میں نے اس کے اوپر سے چھلانگ لگائی اور باہر جانے والے دروازے سے نکل گیا۔"

انھوں نے پوچھا، "اور بھتنے؟ کیا وہاں دروازے پر بھتنے نہ تھے؟"

"ہاں تھے! بہت تھے۔ لیکن میں انھیں چکمہ دے کر نکل آیا۔ پھر میں دروازے کی چٹان کے درمیان پھنس گیا اور میری واسکٹ کے بہت سے بٹن بھی ٹوٹ گئے۔" یہ کہتے ہوئے وہ اپنی پھٹی ہوئی واسکٹ سہلانے لگا۔ "لیکن پھر میں نے پوری قوت سے زور لگایا اور جیسے تیسے باہر نکل آیا، اور یوں میں یہاں بیٹھا ہوں۔"

تمام بونے اس کی باتوں سے مرعوب ہوئے بیٹھے تھے جب وہ بھتنوں کو چکمہ دینے، گولم کے اوپر سے چھلانگ لگانے اور دروازے میں سے نکل بھاگنے کے بارے میں بے پروائی سے بتا رہا تھا جیسے یہ کوئی خطرناک یا بڑی بات نہ ہو۔

گنڈالف نے قہقہہ لگایا، "میں نہ کہتا تھا؟ مسٹر بیگنز کے بارے میں آپ ابھی کچھ بھی نہیں جانتے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی گھنی ابروؤں کے نیچے سے عجیب سی نگاہوں سے بلبو کو دیکھا۔ بلبو سوچنے لگا کہیں گنڈالف کو اندازہ تو نہیں ہو گیا کہ اس نے اپنی کہانی کا ایک حصّہ حذف کر دیا ہے۔ لیکن پھر وہ گنڈالف سے سوالات کرنے لگا کیونکہ اگرچہ گنڈالف باقی سب لوگوں کو بتا چکا تھا لیکن بلبو ابھی تک اس کی داستان سے لاعلم تھا۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ گنڈالف کہاں چلا گیا تھا اور اب وہ کہاں تک پہنچ چکے تھے۔

سچ تو یہ تھا کہ گنڈالف کو اپنی عقل و دانش کی کہانیاں بار بار بیان کرنے میں کوئی عار نہیں تھا اس لیے اس نے ایک مرتبہ پھر بتانا شروع کیا کہ اسے اور ایلرونڈ کو پہاڑی سلسلے کے اس

حصے میں بھتنوں کی موجودگی کا علم تھا۔ لیکن ان کی سرنگوں کا اصل دروازہ ایک اور راستے پر پڑتا تھا جو مسافروں کے لیے قدرے آسان تھا۔ اس لیے بھتنے عموماً اس راستے پر پڑاؤ ڈالنے والے مسافروں پر حملہ کیا کرتے اور انھیں پکڑ لے جاتے تھے۔ پھر یوں ہوا کہ مسافروں نے اس راستے پر چلنا چھوڑ دیا اور اسی وجہ سے بھتنوں نے پہاڑ کے اوپر ایک نیا دروازہ کھول دیا ہو گا۔ یہ وہی راستہ تھا جو بونوں نے اختیار کیا تھا کیونکہ ابھی تک یہ راستہ محفوظ جانا جاتا تھا۔

گنڈالف بولا، ''لگتا ہے مجھے جلد ہی کسی قدرے شریف دیو کو رضامند کرنا ہوگا کہ وہ اس دروازے کو بند کر دے، ورنہ یوں تو مسافروں کے لیے ان پہاڑوں کو پار کرنے کا کوئی محفوظ راستہ باقی نہ رہے گا۔''

جس رات بھتنوں نے ان پر حملہ کیا تھا، جونہی گنڈالف نے بلبو کی چیخ سنی تو وہ چوکنا ہو گیا اور اسے احساس ہوا کہ کیا ہو رہا ہے۔ جیسے ہی اس نے اپنے عصا سے جادوئی روشنی کا جھماکا کیا تو وہ سب بھتنے جو اس پر پل پڑے تھے وہ خوف سے مر گئے اور گنڈالف فوراً اس سوراخ میں داخل ہو گیا جہاں بھتنے بلبو اور بونوں کو اٹھا کر لے گئے تھے۔ وہ ان سب کے پیچھے خاموشی سے چلتا رہا اور بڑے ہال کے ایک تاریک کونے میں بیٹھ گیا۔ وہاں تاریکی میں اس نے اندھیرے اور روشنی کا اپنا طاقتور ترین منتر پڑھنا شروع کیا۔

وہ بولا، ''وہ بہت ہی مشکل جادو تھا نجانے کام کرتا یا نہ کرتا۔''

لیکن گنڈالف آگ اور روشنیوں کے جادو کا ماہر تھا۔ بلبو کو ابھی تک گنڈالف کے آتش بازی کے کمالات یاد تھے جو وہ بوڑھے ٹوک کی دعوت کے موقع پر پیش کیا کرتا تھا۔ پھر جو ہوا وہ ہم سب جانتے ہیں۔ سوائے اس بات کے کہ گنڈالف کو اس دروازے کے بارے میں علم تھا جسے بھتنے عقبی دروازہ کہتے تھے اور جہاں بلبو کے بٹن ٹوٹے تھے۔ حقیقت میں ان پہاڑوں سے واقف سب لوگ اس دروازے کے بارے میں جانتے تھے لیکن صرف گنڈالف جیسا جادوگر ہی ان سرنگوں کے جال میں اپنا راستہ ڈھونڈ سکتا تھا اور درست سمت میں جا سکتا تھا۔

وہ بولتا گیا، ''انھوں نے بہت عرصہ پہلے یہ دروازہ بنایا تھا۔ اس کا ایک مقصد حملے کی

صورت میں فرار ہونے کا ایک اور راستہ بنانا تھا اور دوسری جانب اسی دروازے سے پہاڑ کے اس پار نکلنا تھا جہاں وہ رات کے وقت لوگوں پر حملہ آور ہوتے تھے اور انھیں نقصان پہنچاتے تھے۔ وہ اس دروازے پر ہر وقت پہرہ دیتے ہیں اور ابھی تک کوئی بھی اس دروازے کو بند نہیں کر سکا۔'' وہ قہقہہ لگا کر ہنسا، ''اس واقعے کے بعد تو وہ وہاں مزید پہریدار لگا دیں گے۔''

وہ سب بھی ہنسنے لگے۔ اگرچہ انھیں بہت کچھ کھونا پڑا تھا لیکن انھوں نے شاہ بھتنے کو مار ڈالا تھا اور اس کے لاتعداد ساتھیوں کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا تھا اور بالآخر وہ سب خیریت سے بچ نکلے تھے اس لیے کہا جا سکتا تھا کہ ان کے لیے معاملہ سودمند ہی رہا۔

لیکن جلد ہی گنڈالف نے انھیں سنجیدہ کر دیا، ''اب ہم ستا چکے ہیں تو ہمیں فوراً روانہ ہونا چاہیے۔ رات ہوتے ہی وہ سیکڑوں کی تعداد میں ہمارے تعاقب میں نکل آئیں گے۔ اس وقت بھی سائے طویل ہو رہے ہیں۔ ہمارے گزرنے کے گھنٹوں بعد تک بھی وہ ہمارے قدموں کے نشانات کی بُو سونگھ سکتے ہیں۔ شام ڈھلنے سے پہلے ہمیں میلوں دُور پہنچنا ہوگا۔ اگر آسمان صاف رہا تو چاند بھی دکھائی دے گا جو ہمارے لیے فائدہ مند ہوگا۔ گو بھتنوں کو چاند کی روشنی سے کوئی خاص خوف نہیں آتا لیکن کم از کم ہمیں چلنے میں چاند کی روشنی مددگار ثابت ہو گی۔''

بلبو کے ایک اور سوال کے جواب میں گنڈالف بولا، ''ہاں۔ بھتنوں کی سرنگوں میں وقت کا احساس نہیں رہتا۔ آج جمعرات ہے اور جب ہمیں پکڑا گیا تھا تو اس وقت سوموار کی رات یا منگل کی صبح تھی۔ اس دوران ہم میلوں فاصلہ طے کر چکے ہیں اور پہاڑ کے عین درمیان سے ہوتے ہوئے ہم پہاڑی سلسلے کے دوسری جانب نکل آئے ہیں۔ لیکن اب ہم اس جگہ پر نہیں ہیں جہاں ہمارا پہلا راستہ ہمیں لا پہنچاتا۔ ہم اس راستے سے بہت دُور شمال کی جانب ہیں اور ہمارے سامنے دشوار گزار راستہ ہے۔ ابھی ہمیں میدانی علاقے تک پہنچنے کے لیے مزید نیچے اترنا ہوگا۔ چلو اب چلتے ہیں۔''

بلبو بڑبڑایا، ''لیکن مجھے بہت بھوک لگی ہے۔'' اسے احساس ہوا کہ اس نے چند راتوں

سے کچھ نہیں کھایا تھا۔ ہابٹوں کے لیے یہ نا قابلِ برداشت بات تھی۔ اب چونکہ خوف کا اثر زائل ہو رہا تھا تو اس کے پیٹ میں چوہے دوڑ رہے تھے اور اس کی ٹانگیں ڈگمگا رہی تھیں۔

گنڈالف بولا، ''اس کے بارے میں کچھ نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں البتہ اگر تم واپس جانا چاہو اور بھتنوں سے اپنا خچر اور سامان واپس مانگنا چاہو تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔''

بلبو بولا، ''نہیں، نہیں۔ بہت شکریہ۔''

''بس تو پھر ٹھیک ہے۔ سب لوگ تیاری پکڑیں اور چلیں۔ ورنہ اگر بھتنوں نے ہمیں آ لیا تو ہمارا کھانا بنا ڈالیں گے اور یہ ہمارے بھوکے رہنے سے کہیں بدتر ہوگا۔''

وہ چلنے لگے اور چلتے چلتے بلبو اپنے دائیں بائیں دیکھتا گیا کہ شاید کچھ کھانے کو مل جائے۔ لیکن کسی جھاڑی یا بوٹی پر کوئی پھل نہ لگا تھا۔ اس نے ایک جگہ حماض کی بوٹی کے چند پتے کھائے اور راستے میں پڑنے والی ایک ندی سے پانی کے چند گھونٹ پیے۔ ندی کے کنارے اسے جنگلی سٹرابری کا ایک پودا دکھائی دیا تو اس نے چند مٹھیاں بھر کے پھانک لیں۔ لیکن اس کی بھوک جیسے تھی ویسے ہی رہی۔

یوں وہ چلتے گئے۔ اب ناہموار پہاڑی راستہ ختم ہو چکا تھا۔ جھاڑیاں، چٹانوں کے درمیان اگنے والے اونچے سرکنڈے، گھنی گھاس، ساج، سعتر، نیاز بو اور کوہستانی گلابوں کے زرد پھول سب ختم ہو گئے اور اب وہ ایک وسیع عریض سیدھی ڈھلوان پر چل رہے تھے جہاں زمین پر باریک کنکر بکھرے تھے۔ جب وہ نیچے کی جانب اترنے لگے تو ان کے پیروں سے باریک پتھر پھسلنے لگے۔ ان پتھروں نے ٹوٹی پھوٹی چٹانوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ جلد ہی چھوٹے پتھروں نے بڑے پتھروں کو اپنے ساتھ شامل کر لیا اور تھوڑی ہی دیر میں ان کے اوپر اور نیچے پہاڑ کا پورا پہلو ایک زوردار گڑگڑاہٹ کے ساتھ نیچے سرکنے لگا۔ وہ سب پوری کوشش میں تھے کہ اکٹھے رہتے ہوئے ان سرکتی گرتی پڑتی چٹانوں سے بچتے نیچے کی جانب چلتے جائیں۔

بالآخر انھیں نیچے جنگل کے ابتدائی درختوں کی آڑ میں ہی پناہ ملی۔ وہ تیزی سے سرو کے

درختوں کے ایک جھنڈ میں جا گھسے جو گھنے تاریک جنگل کی حد پر واقع تھے۔ کچھ تو فوراً ہی درختوں کی نچلی شاخوں پر چڑھ گئے اور کچھ بلبو سمیت درختوں کے تنوں کی اوٹ میں جا بیٹھے تا کہ لڑھکتے پتھروں سے بچ سکیں۔ جلد ہی خطرہ ٹل گیا۔ پتھر گرنا بند ہو گئے۔ اب انھیں دُور جنگل میں ان بڑی چٹانوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں جو گرتی اچھلتی جنگل میں دُور تک جا پہنچی تھیں۔

گنڈالف بولا، ''یہ بھی خوب رہی۔ چلو اب ہمارا پیچھا کرنے والے بھتنے کم از کم خاموشی سے نیچے تو نہ اتر سکیں گے۔''

بومبور بڑبڑایا، ''لیکن اگر انھوں نے اوپر ہی سے ہمارے سروں پر پتھر لڑھکانا شروع کر دیا تو؟'' دوسرے بونے اور بلبو خاموشی سے پریشانی کے عالم میں پتھروں کی وجہ سے اپنے زخمی پیروں اور ٹانگوں کو سہلا رہے تھے۔

''احمقانہ باتیں نہ کرو! ہم یہاں سے ایک جانب ہو جائیں گے اور گرنے والے پتھروں کی زد سے نکل جائیں گے۔ ہمیں جلدی کرنا ہوگا۔ دیکھو، روشنی کم ہوتی جا رہی ہے۔''

سورج پہاڑ کی اوٹ میں اتر گیا تھا۔ ان کے اردگرد سائے گہرے ہو گئے تھے اگرچہ درختوں کے درمیان انھیں دُور بلند درختوں کی چوٹیوں پر ڈھلتی شام کی روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ اب وہ سب لنگڑاتے ہوئے سرو کے جنگل میں جنوب کی جانب جاتی ایک پگڈنڈی پر بھاگے جا رہے تھے۔ کبھی وہ اونچے سرکنڈوں کے درمیان چلے جاتے تھے اور کبھی نرم و ملائم گھاس پر۔ لیکن لحہ بہ لحہ چاروں جانب تاریکی بڑھتی جاتی تھی اور خاموشی کا جمود بڑھتا جاتا تھا۔ ہوا مکمل طور پر ساکت تھی اور کسی درخت اور پودے کے درمیان کوئی ہلکی سی سرسراہٹ تک نہ سنائی دیتی تھی۔

جب تاریکی اتنی بڑھ گئی کہ بلبو کو اپنے ساتھ چلتے ہوئے تھورین کی داڑھی بھی مشکل سے دکھائی دینے لگی اور خاموشی اتنی بڑھ گئی کہ اسے تھورین کی سانسوں کی آواز کسی شور کی طرح سنائی دینے لگی تو اس سے رہا نہ گیا اور وہ بول اٹھا، ''ہمیں مزید کتنا چلنا ہوگا؟ میرے پیر زخمی ہیں اور

میری ٹانگیں شل ہو رہی ہیں اور بھوک سے میرا پیٹ خالی بوری کی طرح تھر تھرا رہا ہے۔"

گنڈالف بولا، "بس تھوڑی دُور اور۔"

وہ نجانے کتنی دیر مزید چلتے رہے اور پھر وہ ایک ایسی جگہ پر آن پہنچے جہاں نزدیک کوئی درخت نہ تھا۔ چاند کی روشنی میں انھیں اپنے اردگرد چاروں جانب ایک کھلا میدان دکھائی دے رہا تھا۔ یکا یک ان سب کو احساس ہوا کہ یہ کوئی محفوظ جگہ نہیں ہے حالانکہ یہاں پر بظاہر کوئی خطرے والی بات بھی نہ تھی۔

اچانک انھیں دُور ایک جانب سے بھیڑیئے کے رونے کی آواز آئی۔ ایک طویل لرزتی کپکپاتی ہوئی آواز.... اس کے جواب میں ان کے دائیں جانب سے ایک اور آواز بلند ہوئی اور پھر ایک اور آواز ان کے قریب سے بائیں جانب سے بلند ہوئی۔ بھیڑیئے چاند کو دیکھ کر رو رہے تھے اور اس دوران ایک جگہ جمع ہو رہے تھے۔

گو مسٹر بیگنز کے گھر کے قریب بھیڑیئے نہ پائے جاتے تھے لیکن وہ ان کی آواز پہچانتا تھا۔ اس نے ان کے بارے میں کہانیاں اور قصے سن رکھے تھے۔ ٹوک خاندان کی جانب سے اس کا ایک عم زاد بھائی جو بہت ملکوں میں گھوما پھرا تھا اسے اکثر بھیڑیوں کی آواز کی نقل اتار کر ڈرایا کرتا تھا۔ اس وقت جنگل کے بیچ میں چاند کی روشنی میں بھیڑیوں کی آوازیں سن کر بلبو کے پسینے چھوٹ گئے۔ بھیڑیوں کے سامنے تو جادوئی انگوٹھیاں بھی بے کار تھیں۔ خصوصاً ان انجانے علاقوں میں بھتنوں سے بھرے پہاڑوں کی وادیوں میں پائے جانے والے خونخوار بھیڑیوں کے سامنے.... یہ وہ بھیڑیئے تھے جن کی سونگھنے کی حس بھتنوں سے بھی تیز ہوتی ہے اور اپنے شکار کو پکڑنے کے لیے انھیں اسے دیکھنے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔

بلبو چلّا اٹھا، "اب ہم کیا کریں؟ اب ہم کیا کریں؟ بھتنوں سے بچے تو بھیڑیوں میں پھنسے۔" بلبو کا یہ قول اب ضرب المثل بن چکا ہے۔ گو اب ہم ایک مشکل سے نجات پاتے ہی دوسری میں پھنس جانے کو "آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا" کہتے ہیں۔

گنڈالف چیخا، "درختوں پر چڑھو، فوراً۔" وہ سب میدان کے ایک کنارے پر لگے

درختوں کی جانب بھاگے۔ وہ ان درختوں کی جانب لپکے جن کی شاخیں قدرے نیچی تھیں یا جن پر چڑھنا قدرے آسان تھا۔ چند ہی لمحوں میں وہ سب درختوں پر چڑھے جا رہے تھے.... اوپر اوپر۔ اتنی اوپر جتنی اونچی شاخیں ان کا وزن برداشت کر سکتی تھیں۔ دُور سے دیکھنے پر خاصی مضحکہ خیز صورتِ حال دکھائی دے رہی تھی کہ درختوں کے اوپر لمبی لمبی داڑھیوں والے بونے بندروں کی مانند بیٹھے تھے جیسے بوڑھوں کا ایک گروہ سٹھیا گیا ہو اور کمسن بچوں کی طرح کھیل کود میں مگن ہو۔ فیلی اور کیلی ایک اونچے دیودار کی چوٹی پر بیٹھے تھے جو کرسمس کا درخت دکھائی دیتا تھا۔ ڈوری، نوری، اوری، اوئین اور گلوئین سرو کے درخت میں دبکے بیٹھے تھے جس کی شاخیں سائیکل کے پہیے کی مانند ترتیب سے چاروں جانب پھیلی تھیں۔ بیفور، بوفور، بومبور اور تھورین ایک اور سرو پر چڑھے بیٹھے تھے۔ ڈوالین اور بالین کم شاخوں والے چیڑ کے درخت میں اوپر کی شاخوں میں چھپنے کی کوشش کر رہے تھے۔ گنڈالف جو ان سب سے قدآور تھا میدان کے کنارے پر ایک بلند و بالا سرو پر چڑھا بیٹھا تھا اور درخت کی گھنی شاخوں میں اس کی آنکھیں چاند کی روشنی میں چمک رہی تھیں۔

اور بلبو؟ بلبو کسی بھی درخت پر چڑھ نہ پایا تھا اور ایسے خرگوش کی مانند ایک درخت سے دوسرے تک بھاگا پھرتا تھا جس کے پیچھے شکاری کتے لگے ہوں۔

نوری نیچے دیکھتے ہوئے ڈوری سے بولا، ''تم چور کو پھر نیچے چھوڑ آئے؟''

ڈوری تنک کر بولا، ''میں ہی کیوں ہمیشہ چور کو اٹھائے اٹھائے پھروں؟ کبھی سرنگوں میں اور کبھی درختوں پر۔ میں کوئی مال بردار جانور ہوں؟'' بھیڑیوں کی آوازیں بلند ہوتی جا رہی تھیں اور قریب آتی جا رہی تھیں۔ تھورین بولا، ''اگر ہم نے کچھ نہ کیا تو بھیڑیئے اسے کھا جائیں گے۔'' پھر اس نے ڈوری کو آواز دی کیونکہ وہی سب سے نچلی شاخوں میں بیٹھا تھا، ''ڈوری، جلدی سے مسٹر بیگنز کو اوپر چڑھنے میں مدد کرو۔''

اپنی تنک مزاجی کے باوجود ڈوری بھلا مانس بونا تھا۔ لیکن ڈوری کے سب سے نچلی شاخ پر آن اترنے کے باوجود بلبو کا ہاتھ ڈوری کے ہاتھ تک نہ پہنچا۔ اس لیے بیچارے ڈوری کو

درخت سے نیچے زمین پر اترنا پڑااور بلبو کو اپنے کاندھے پر کھڑا کرنا پڑا تا کہ وہ درخت پر چڑھ سکے۔ عین اس لمحے میدان کے کنارے پر بھیڑیئے نمودار ہوئے اور یکا یک ان کی درجنوں سرخ آنکھیں ان پر مرکوز ہو گئیں۔ لیکن ڈوری نے پھر بھی بلبو کا ساتھ نہ چھوڑا۔ وہ اس وقت تک انتظار کرتا رہا جب تک بلبو اس کے کاندھے سے اتر کر درخت کی شاخوں تک نہ پہنچ گیا اور پھر وہ خود درخت پر چڑھنے لگا۔ بس ایک ہی لمحے کی دیر تھی۔ جیسے ہی اس کے پیروں نے زمین چھوڑی ایک بھیڑیئے نے ہوا میں جست لگائی اور اس کی پنڈلیوں میں اپنے دانت گاڑھتے گاڑھتے رہ گیا۔ چند ہی لمحوں میں بھیڑیوں کے ایک غول نے درختوں کو اپنے نرغے میں لے لیا اور غرّاتے ہوئے انھیں پانے کے لیے اچھلنے لگے۔ ان کی زبانیں باہر لٹک رہی تھیں اور اندھیرے میں ان کی خونخوار آنکھیں شعلوں کی مانند چمک رہی تھیں۔

لیکن یہ جنگلی بھیڑیئے تو کیا وحشی وارگ بھیڑیئے بھی درختوں پر نہ چڑھ سکتے تھے۔ یوں وقتی طور پر وہ محفوظ تھے۔ ان کی خوش قسمتی تھی کہ ٹھنڈ زیادہ نہ تھی اور ہوا بھی بند تھی۔ درختوں کی شاخوں پر بیٹھنا یوں بھی کچھ زیادہ آرام دہ نہیں ہوتا لیکن اگر سرد ہوا چل رہی ہو اور نیچے بھیڑیئے منتظر ہوں تو حالات مزید مخدوش ہو جاتے ہیں۔

یوں لگتا تھا کہ یہ میدان ان بھیڑیوں کی اجتماع گاہ تھی۔ ہر جانب سے مزید بھیڑیئے چلے آرہے تھے۔ کچھ بھیڑیئے اس درخت کے نیچے بیٹھ گئے جس پر ڈوری اور بلبو چڑھے بیٹھے تھے۔ پھر وہ اپنی تھوتھنیاں زمین سے لگائے سونگھتے ہوئے ہر اس درخت تک جا پہنچے جس پر کوئی نہ کوئی بیٹھا تھا۔ ہر درخت کے نیچے بھیڑیئے بٹھانے کے بعد باقی بھیڑیئے اپنے سیکڑوں ساتھیوں کے ساتھ میدان میں دائرہ بنا کر جا بیٹھے۔ دائرے کے درمیان ایک بھاری بھرکم سرمئی بھیڑیا بیٹھا تھا جو اُن کا سردار تھا۔ وہ ان سے وحشی وارگ بھیڑیوں کی زبان میں باتیں کر رہا تھا۔ گنڈالف بھیڑیوں کی زبان جانتا تھا۔ بلبو ان کی زبان نہیں جانتا تھا لیکن ان کے انداز سے اسے یوں لگتا تھا کہ جیسے وہ خون خرابے اور قتل وغارت گری کی باتیں کر رہے ہوں۔ درحقیقت وہ یہی باتیں کر رہے تھے۔ گاہے بگاہے سب بھیڑیئے اپنے سردار کی تائید میں

آسمان کی جانب منہ اٹھائے زور سے چیختے تھے۔ ان کی خوفناک آوازیں سن کر بلبو کے ہاتھ پیر کپکپانے لگے اور اسے خدشہ لاحق ہوا کہ وہ کہیں زمین پر نہ جا گرے۔

میں آپ کو بتاتا ہوں کہ گنڈالف نے کیا سنا۔ وارگ بھیڑیئے اور بھتنے اکثر اپنے ہولناک عزائم کی تکمیل میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرتے تھے۔ بھتنے اپنی پہاڑی سرنگوں سے بہت زیادہ دُور نہیں جاتے سوائے اس وقت جب انھیں وہاں سے نکال بھگایا جائے اور وہ نئی پناہ گاہوں کی تلاش میں ہوں یا وہ کسی جنگ یا یلغار کے ارادے سے نکلے ہوں (اگرچہ یہ خوشی کی بات ہے کہ بہت عرصہ ہو گیا ایسا نہیں ہوا) لیکن ان دنوں وہ اکثر کھانے پینے کی اشیا اور اپنی سرنگوں میں جبری بیگار کے لیے غلام پکڑنے جتھوں کی صورت میں نکل آیا کرتے۔ ایسے حملوں کے دوران وہ وارگ بھیڑیوں کو اپنے ساتھ ملا لیتے اور انھیں لوٹ کے مال میں حصّہ دیتے۔ کبھی کبھار وہ بھیڑیوں پر یوں سوار ہوتے جیسے آدمی گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں۔ یوں لگتا تھا جیسے آج بھتنوں نے کسی بڑے حملے کا منصوبہ بنایا تھا۔ بھیڑیئے یہاں بھتنوں کا انتظار کر رہے تھے اور بھتنے ابھی تک نہ پہنچے تھے۔ ان کے نہ پہنچنے کی وجہ شاید شاہ بھتنے کی موت اور بونوں، بلبو اور گنڈالف کا واقعہ تھا جن کی تلاش میں وہ ابھی تک سرگرداں تھے۔

اس دور دراز کے علاقوں کے خطرات کے باوجود جنوب سے کچھ بہادر انسانوں نے کچھ عرصے سے اس علاقے میں واپس لوٹنا شروع کر دیا تھا اور وادیوں میں مناسب جگہوں پر خصوصاً دریا کنارے وہ درخت کاٹ کر اپنے لیے گھر بنانے لگے تھے۔ ان جنگل باسیوں کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی اور وہ بہادر اور مسلح لوگ تھے اور دن کے وقت جب وہ زیادہ تعداد میں ہوتے تو بھیڑیئے بھی ان پر حملہ آور ہونے سے کتراتے تھے۔ لیکن آج بھیڑیوں نے بھتنوں کی مدد سے پہاڑوں کے قریب رہنے والے ان لوگوں کے قصبوں پر حملہ کرنے کی ٹھانی تھی۔ اگر ان کا منصوبہ کامیاب ہو جاتا تو دوسرے دن ان قصبوں میں کوئی زندہ نہ بچتا۔ چند لوگ ہی بچ پاتے جنھیں بھتنے بھیڑیوں کے پنجوں سے بچا سکتے تاکہ انھیں اپنی سرنگوں میں بیگار پر لگا سکیں۔

یہ سب باتیں نہ صرف جنگلوں میں رہنے والے انسانوں اور ان کے بیوی بچوں کے لیے انتہائی دہشت ناک تھیں بلکہ گنڈالف اور اس کے ساتھیوں کے لیے بھی سنگین خطرے کا باعث تھیں۔ وارگ بھیڑیے گنڈالف اور اس کے ساتھیوں کو یہاں پا کر سیخ پا اور حیران ہوئے تھے۔ وہ سمجھے تھے کہ وہ جنگل باسیوں کے حمایتی تھے اور ان کے منصوبے کی جاسوسی کرنے یہاں آئے تھے تاکہ واپس جا کر ان لوگوں کو بھیڑیوں اور بھتنوں کے متوقع حملے کے بارے میں بتا سکیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا کہ بھتنوں اور بھیڑیوں کو اپنے مقصد کے حصول کے لیے بے خبر سوئے ہوئے لوگوں پر حملہ کر کے انھیں چیر پھاڑ کھانے اور قیدی بنانے کے بجائے ان سے شدید جنگ کرنا پڑتی۔ یوں وارگ بھیڑیوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ گنڈالف اور اس کے ساتھیوں کو یہاں سے کسی بھی صورت میں کم از کم صبح ہونے تک جانے نہ دیا جائے اور اس سے کہیں پہلے بھتنے پہاڑوں سے اتر آئیں گے اور بھتنے درختوں پر چڑھ بھی سکتے ہیں اور اپنی کلہاڑیوں سے انھیں کاٹ بھی سکتے ہیں۔

اب آپ سمجھ سکتے ہیں کہ جادوگر ہونے کے باوجود گنڈالف کو احساس ہو رہا تھا کہ وہ سب ایک انتہائی سنگین صورتِ حال میں گرفتار ہو چکے ہیں جس سے نجات مشکل تھی۔ اگرچہ وہ بھیڑیوں کے حصار میں واقع ایک اونچے درخت پر بیٹھا بہت کچھ نہ کر سکتا تھا لیکن پھر بھی ان کے منصوبوں کو ناکامی سے دوچار کرنے کے لیے اسے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی تھا۔ اس نے اپنے اردگرد کی شاخوں سے چیڑ کے بہت سے پھل اتارے اور اکٹھے کر لیے۔ پھر اس نے ان میں ایک خشک پھل کو اپنے عصا کے نیلے شعلے سے آگ لگائی اور بھیڑیوں کے دائرے کے عین بیچ میں اچھال دیا۔ نشانہ بننے والے ایک بھیڑیے کے گھنے بالوں والی کھال نے فوراً آگ پکڑ لی اور وہ خوف کے عالم میں چیختا چنگھاڑتا ادھر ادھر بھاگنے لگا اور پھر چند لمحوں میں درخت سے شعلوں میں لپٹے ہوئے چیڑ کے پھلوں کی بارش ہونے لگی، نیلے، سرخ اور سبز رنگ کے شعلوں میں بھڑکتے ہوئے پھل.... وہ بھیڑیوں کے درمیان جہاں بھی گرتے ایک دھماکے سے پھٹتے اور ہر طرف چنگاریاں اور شعلے پھیل جاتے۔ ایک جلتا ہوا پھل سردار بھیڑیے کی تھوتھنی پر جا کر

لگا اور وہ خوف اور درد میں زمین سے دس فٹ اوپر اچھلا اور پھر چاروں جانب دیوانگی کے عالم میں چیختا چلّاتا اچھلنے بھاگنے اور اپنے ہی ساتھیوں کو کاٹنے بھنبھوڑنے لگا۔

بونے خوشی کے عالم میں چلّانے اور تالیاں پیٹنے لگے۔ بھیڑیوں کی دیوانگی دیکھنے میں انتہائی خوفناک تھی اور ان کی چیخوں اور چنگھاڑوں سے سارا جنگل گونج اٹھا۔ بھیڑیے یوں بھی آگ سے خوفزدہ ہوتے ہیں لیکن یہ آگ تو عجیب تھی۔ اگر ایک چنگاری بھی ان کی کھال میں گرتی تو چند ہی لمحوں میں ساری کھال کو آگ لگ جاتی۔ اس کا ایک ہی علاج تھا کہ فوراً زمین پر لوٹنے لگیں۔ جلد ہی میدان کے سارے بھیڑیے زمین پر لوٹ رہے تھے اور جو بچ رہے تھے وہ اپنی جلتی ہوئی کھال کے ساتھ چاروں جانب دیوانگی کے عالم میں بھاگتے پھر رہے تھے اور دوسرے بھیڑیوں کو آگ لگا رہے تھے۔ یوں جن بھیڑیوں کو ابھی آگ نہ لگی تھی وہ اپنے جلتے ہوئے ساتھیوں کو خود سے دور دھکیل رہے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں آدھے سے زیادہ بھیڑیے چیختے چلّاتے پانی کی تلاش میں درختوں کے درمیان اس میدان سے غائب ہو گئے۔

پہاڑوں کے مشرق کی جانب ایک بلند و بالا چوٹی پر چاند کی روشنی میں بیٹھے عقاب بادشاہ نے کہا، ''یہ جنگل میں کیا شور مچا ہے؟ مجھے بھیڑیوں کی آوازیں آ رہی ہیں۔ کہیں یہ بھتنے جنگل میں کوئی نئی شرارت تو نہیں کر رہے؟''

یہ کہتے ہی وہ اپنے وسیع پَروں کی ایک ہی پھڑپھڑاہٹ سے فضا میں بلند ہوا۔ ساتھ ہی اس کے دونوں جانب چوٹیوں پر بیٹھے اس کے محافظ عقاب بھی اس کے پیچھے فضا میں بلند ہو گئے۔ وہ آسمان میں بلند ہوتے گئے اور دائرے میں اڑتے ہوئے وہاں پہنچے جہاں انھیں دُور نیچے بھیڑیوں کا غول دکھائی دے رہا تھا۔ عقابوں کی نظر بہت تیز ہوتی ہے اور وہ بہت فاصلے پر بھی چھوٹی چھوٹی چیزوں کو دیکھ سکتے ہیں۔ دھندلے پہاڑوں کی چوٹیوں کے باسی عقاب بادشاہ کی نگاہیں اتنی تیز تھیں کہ وہ پلک جھپکے بغیر سورج کو دیکھ سکتا تھا اور چاند کی روشنی میں بھی زمین پر دوڑنے والے خرگوش کو دیکھ سکتا تھا۔ اس لیے اگرچہ اس کی نگاہ درختوں میں بیٹھے بونوں پر تو نہ پڑی پھر بھی اس نے بھیڑیوں کو ادھر ادھر بھاگتا دیکھ لیا۔ اس نے دور سے شعلوں اور چنگاریوں

کو بھی دیکھ لیا اور بھیڑیوں کی چیخیں بھی اس تک پہنچ رہی تھیں۔ دوسری جانب وہ پہاڑ کے پہلو سے بھتنوں کی فوج کو اپنے غاروں سے برآمد ہوتے اور نیچے جنگل کی جانب اترتے دیکھ چکا تھا جن کے نیزوں اور آہنی خودوں پر چاندنی چمک رہی تھی۔

عموماً طور پر عقاب نرم دل نہیں ہوتے۔ ان میں کچھ بزدل اور کچھ سنگدل بھی ہوتے ہیں۔ لیکن جنوبی پہاڑوں کی چوٹیوں پر رہنے والے ان عقابوں کی یہ قدیم نسل پرندوں میں عظیم ترین پرندے جانے جاتے تھے۔ یہ انتہائی طاقتور، خوددار اور عالی ظرف تھے۔ وہ نہ تو بھتنوں کے دوست تھے اور نہ ہی ان سے خائف تھے۔ وہ جب بھی بھتنوں کو دیکھتے (جو کبھی کبھار ہی ہوتا کیونکہ وہ بھتنوں جیسی غلیظ مخلوق کا شکار نہ کرتے تھے) تو وہ ان پر آسمان سے غوطے لگاتے اور چیختے چلّاتے بھتنوں کو ان کی خباثتوں سے روک کر واپس غاروں میں جا چھپنے پر مجبور کر دیتے۔ بھتنوں کو عقابوں سے نفرت بھی تھی اور وہ ان سے خائف بھی تھے۔ لیکن وہ نہ تو پہاڑوں کے اوپر بادلوں میں ڈھکی بلند و بالا چوٹیوں پر واقع ان کے نشیمن تک پہنچ پاتے اور نہ ہی انھیں ان پہاڑوں سے بھگا پاتے۔

آج رات عقاب بادشاہ متجسس تھا کہ یہاں کیا ماجرا ہے۔ اس لیے اس نے اپنے مزید ساتھیوں کو اپنے ساتھ لیا اور وہ میدان کے اوپر آسمان کی بلندیوں میں اڑتے رہے۔ دائروں میں اڑتے وہ ہولے ہولے نیچے آتے گئے اور جلد ہی بھیڑیوں کے غول کے اوپر آن پہنچے۔

اچھا ہی ہوا کیونکہ نیچے زمین پر صورتِ حال سنگین ہوتی جا رہی تھی۔ وہ بھیڑیے جنھیں آگ لگ چکی تھی وہ خوف کے عالم میں جنگل میں بھاگ اٹھے تھے اور ان کی کھال میں لگی آگ سے جنگل میں بھی آگ بھڑک اٹھی تھی۔ پہاڑوں کی مشرقی جانب کافی عرصے سے بارش نہ ہوئی تھی۔ سوکھے پتے، زرد سرکنڈے، چیڑ کے پھلوں کے ڈھیر اور یہاں وہاں گرے ہوئے درخت سب نے آگ پکڑ لی تھی۔ وارگ بھیڑیوں کے میدان کے چاروں جانب آگ پھیلتی جا رہی تھی۔ لیکن بونے جن درختوں پر چڑھے تھے ان کے گرد کھڑے بھیڑیے اپنی جگہ سے نہ ہلے تھے۔ غیظ و غضب کے عالم میں غراتے ہوئے وہ درختوں کے ارد گرد بھاگنے لگے اور

بونوں کو اپنی زبان میں مغلظات بکنے لگے۔ ان کی زبانیں باہر لٹک رہی تھیں اور ان کی سرخ آنکھیں اندھیرے میں چمک رہی تھیں۔

یکا یک ایک جانب سے چیختے چلّاتے ہوئے بھتنوں کا ایک جمِ غفیر نمودار ہوا۔ پہلے پہل تو انھوں نے جانا کہ بھیڑیوں نے ان کے آنے سے پہلے ہی جنگل باسیوں پر حملہ کر دیا ہے لیکن جلد ہی انھیں معلوم ہوا کہ حقیقت کیا ہے۔ کچھ تو وہیں زمین پر بیٹھ کر ہنسنے لگے۔ دوسرے اپنے نیزے لہرانے لگے اور اپنی تلواریں ڈھالوں پر مارنے لگے۔ بھتنے آگ سے خوفزدہ نہیں ہوتے اور جلد ہی انھوں نے ایک منصوبہ تیار کیا جو ان کے خیال میں بہت دلچسپ تھا۔

کچھ نے سب بھیڑیوں کو ایک جگہ اکٹھا کیا۔ کچھ نے جھاڑیاں اور لکڑیاں درختوں کے تنوں کے گرد جمع کرنا شروع کیں۔ کچھ اِدھر اُدھر بھاگے اور پیروں سے جگہ جگہ پھیلی ہوئی آگ کو بجھانے میں مصروف ہو گئے۔ لیکن انھوں نے ان درختوں کے قریب لگنے والی آگ کو نہ بجھایا جن پر بونے اور گنڈالف وغیرہ چڑھے تھے۔ اس آگ پر انھوں نے مزید لکڑیاں اور سوکھی ٹہنیاں پھینک دیں۔ جلد ہی بونوں والے درختوں کے گرد آگ اور دھوئیں کا ایک دائرہ بننے لگا جسے بھتنے باہر کی جانب پھیلنے سے روکنے لگے۔ آگ کے شعلے اندر کی جانب بڑھتے گئے اور تھوڑی ہی دیر میں درختوں کے گرد پڑی جھاڑیوں اور شاخوں کے قریب پہنچنے لگے۔ بلبو کی آنکھیں دھوئیں سے جلنے لگیں اور اسے شعلوں کی حرارت قریب ہوتی محسوس ہونے لگی۔ دھوئیں کے مرغولوں کے درمیان اسے بھتنے درختوں کے گرد ناچتے دکھائی دے رہے تھے جیسے انسان رات کے وقت الاؤ کے گرد ناچتے گاتے ہیں۔ نیزے بھالے اور تلواریں لہراتے بھتنوں سے کچھ ہی فاصلے پر بھیڑیئے خاموشی سے دیکھ رہے تھے اور انتظار کر رہے تھے۔ بلبو کو بھتنوں کا شیطانی گیت سنائی دے رہا تھا...

پانچ درختوں میں پندرہ پرندے
دہکتی ہوا میں ان کے پَر اڑتے ہیں

لیکن ان پرندوں کے پُران کے کسی کام کے نہ ہیں
اب ہم ان پرندوں کا کیا کریں گے؟
بھونیں گے یا دیگ میں پکائیں گے؟
تلیں گے، ابالیں گے یا کچا ہی کھائیں گے؟

پھر وہ رکے اور چیخنے لگے، ''اڑ جاؤ، چھوٹے پرندو، اڑ جاؤ اگر اڑ سکتے ہو! نیچے آ جاؤ چھوٹے پرندو! ورنہ اپنے درختوں پر ہی جل کر راکھ ہو جاؤ گے۔ گاؤ چھوٹے پرندو! گاؤ، گاتے کیوں نہیں؟''

گنڈالف جواب میں دھاڑا، ''بھاگ جاؤ، وحشی بھتنو! ابھی پرندوں کے شکار کا وقت نہیں آیا اور جو احمق بھتنے آگ سے کھیلتے ہیں انھیں اس کی سزا بھی مل کر رہتی ہے۔'' اس نے یہ بھتنوں کو تلملانے کے لیے کہا تھا اور یہ جتانے کے لیے کہ وہ خوفزدہ نہیں ہیں۔ لیکن جادوگر ہونے کے باوجود وہ خوفزدہ تو تھا۔ بھتنوں پر اس کی باتوں کا کوئی اثر نہ ہوا اور وہ گاتے چلے گئے...

جلو، جلو، درخت اور چھال جلو
جلو اور جل کر راکھ ہو جاؤ
شعلوں سے رات روشن کرو اور ہمیں خوش کرو.... یا ہے ہا ہے
انھیں جلا دو، پکا دو، بھون دو
جلا دو داڑھیاں اور جلا دو آنکھیں
جلا دو کھال اور جلا دو بال
چربی پگھلے، ہڈیاں چٹخیں
اور سب کچھ راکھ میں ڈھل جائے
بونے مر جائیں اور ہم خوش ہو جائیں.... یا ہے یا ہے.... یا ہاری ہے
.... یا ہوئے!!

اس آخری یا ہوئے کے ساتھ آگ کی لپٹیں گنڈالف کے درخت کو چاٹنے لگیں۔ چند ہی لمحوں میں وہ دوسرے درختوں تک پہنچ گئیں۔ درختوں کی چھال پر شعلے رینگنے لگے اور شاخیں چٹخنے لگیں۔

پھر گنڈالف نے فیصلہ کرلیا۔ وہ درخت کی سب سے اوپر والی شاخوں تک پہنچ گیا اور پھر جیسے ہی اس نے ایک منتر پڑھتے ہوئے اپنا عصا بلند کیا اس سے آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی روشنی کا ایک جھماکا پیدا ہوا۔ اب وہ بلندی سے نیچے جمع نیزے لہراتے بھتنوں کی بھیڑ کے درمیان چھلانگ لگانے کو تیار تھا۔ گو اس حرکت سے وہ خود تو موت کو گلے لگا ہی لیتا لیکن مرتے مرتے بھی جب وہ گرتی ہوئی بجلی کی مانند بھتنوں کے سروں پر نازل ہوتا تو اپنے ساتھ بہت سے بھتنوں کو بھی موت کے گھاٹ اتار جاتا۔ لیکن اسے چھلانگ لگانے کا موقع ہی نہ ملا۔ عین اسی لمحے عقاب بادشاہ آسمان سے اترتا ہوا آیا اور گنڈالف کو اپنے پنجوں میں پکڑ کر ایک مرتبہ پھر آسمان کی بلندیوں میں پرواز کر گیا۔

بھتنوں نے مایوسی اور غصے میں چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھالیا۔ اسی اثنا میں گنڈالف نے عقاب بادشاہ کو کچھ کہا جس نے مڑ کر اپنے ساتھیوں کی جانب ایک زوردار چیخ ماری۔ اس کے ساتھی بلندیوں سے تیرتے ہوئے واپس لوٹے اور تاریک سائیوں کی طرح بھیڑیوں اور بھتنوں پر حملہ آور ہوئے۔ بھیڑیے رونے اور دانت کچکچانے لگے۔ بھتنے چلّانے لگے اور آسمان کی جانب منہ اٹھا کر زمین پر پاؤں پٹخنے لگے۔ کچھ نے عقابوں کو مار گرانے کے لیے ہوا میں نیزے اور بھالے اچھال دیئے۔ لیکن سب بے سود رہا۔ عقابوں کا جھنڈ ان کے سروں پر آن پہنچا اور ان کے پَروں کی طوفانی پھڑ پھڑاہٹ سے وہ پتوں کی مانند ادھر ادھر بکھر گئے۔ ان کے پنجوں نے بھتنوں کے چہرے نوچ لیے اور انھیں لہولہان کر دیا۔ چند عقاب ان درختوں کی جانب اڑے جہاں بلبو وغیرہ چھپے تھے۔ بونے بھی اس دوران درختوں کی چوٹیوں پر جا پہنچے تھے جہاں سے عقابوں نے انھیں بآسانی اچک لیا۔

بلبو بیچارہ ایک مرتبہ پھر پیچھے ہی رہ گیا تھا۔ جیسے ہی ڈوری کو ایک عقاب نے اپنی پنجوں

میں اٹھایا تو بلبو لپک کر ڈوری کی ٹانگ سے لٹک گیا۔ یوں وہ تینوں اوپر، اوپر اور اوپر اڑتے چلے گئے اور بھیڑیوں کی چیخوں، بھتنوں کے شور شرابے اور آگ کے شعلوں سے دور ہوتے گئے۔ بلبو کو یوں لگا کہ اس کے بازو کاندھوں سے اکھڑ جائیں گے۔ نیچے بھتنے اور بھیڑیئے جنگلوں میں تتر بتر ہو گئے تھے۔ چند عقاب ابھی تک میدانِ جنگ کے اوپر فضاؤں میں اڑ رہے تھے۔ پھر یکا یک آگ نے ان درختوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا جہاں بونوں نے پناہ لے رکھی تھی۔ آگ کے شعلے درختوں کے تنوں سے ہوتے ہوئے شاخوں اور بلند ترین چوٹیوں تک لپکنے لگے۔ چاروں جانب چنگاریوں اور دھوئیں کے بادل بلند ہونے لگے۔ ایک مرتبہ پھر بلبو کی جان بچ گئی۔

جلد ہی جلتے سلگتے ہوئے میدان کی روشنی دور نیچے ایک زرد نقطے کی مانند دکھائی دینے لگی۔ اب وہ آسمان کی بلندیوں پر تھے اور عقاب مزید بلند ہوتے جا رہے تھے۔ ڈوری کی ٹانگوں سے لپٹا بلبو زندگی بھر یہ اڑان نہ بھول پایا۔ ہر چند لمحوں بعد وہ کراہ اٹھتا، ''ہائے میرے بازو! ہائے میرے بازو۔'' ہر چند لمحوں بعد ڈوری کراہ اٹھتا، ''ہائے میری ٹانگ! ہائے میری ٹانگ۔''

عام طور پر بھی بلبو کو بلندیوں سے خوف آتا تھا۔ اس کا سر چکرانے لگتا تھا۔ اگر وہ کسی چھوٹی سی پہاڑی کے کنارے سے نیچے جھانکتا تو اس کا دماغ گھومنے لگتا۔ وہ تو سیڑھیاں چڑھنے سے بھی کتراتا تھا۔ اونچے درختوں پر چڑھنے کا تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا، اگرچہ آج سے پہلے اسے بھتنوں سے جان بچانے کی کوئی ضرورت بھی پیش نہ آئی تھی۔ اس لیے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس وقت اس کا کیا حال ہو گا جب اپنی لٹکتی ٹانگوں کے درمیان سے اس نے نیچے جھانکا اور اسے میلوں دور تاریک زمین دکھائی دی جس میں کبھی کبھار کسی ندی دریا یا جھیل میں چاند کی روشنی منعکس ہوتی دکھائی دے جاتی۔

پہاڑوں کی برفیلی چوٹیاں قریب آ رہی تھیں اور چاندنی میں نہائی ہوئی نوکیلی چٹانیں سیاہ آسمان میں بلند تھیں۔ اس بلندی پر سردی بھی زیادہ تھی۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور

سوچنے لگا کہ وہ مزید کتنی دیر ڈوری کی ٹانگ سے لٹکا رہ سکتا ہے اور پھر وہ سوچنے لگا کہ اگر اس کا ہاتھ چھوٹ گیا تو کیا ہوگا۔ اس کا سر ایک مرتبہ پھر چکرانے لگا۔

ان کی اڑان عین اس لمحے ختم ہوئی جب اس کے ہاتھوں میں سکت نہ رہی۔ اس نے ایک آہ کے ساتھ ڈوری کی ٹانگ چھوڑ دی اور دھڑام سے ایک عقاب کے گھونسلے میں جا گرا۔ وہاں وہ نجانے کتنی دیر خاموش حیرت اور خوف کے عالم میں پڑا رہا۔ حیرت اس بات پر کہ وہ آگ کے شعلوں سے کیسے بچ نکلا اور خوف اس بات پر کہ اگر وہ آسمان سے باتیں کرتی اس باریک سی چوٹی سے نیچے دونوں جانب تاریک گہرائیوں میں گر پڑا تو کیا ہوگا۔ اس کا ذہن ابھی تک گزشتہ چند روز میں پیش آنے واقعات اور بھوک اور پیاس کی وجہ سے قدرے ماؤف تھا۔ وہ بڑبڑا اٹھا، ''اب مجھے معلوم ہوا ہے کہ گوشت کا وہ پارچہ کیا محسوس کرتا ہے جسے کھولتے ہوئے تیل میں سے ایک کانٹے کی مدد سے نکال کر واپس الماری میں رکھ دی جائے۔'' اسے اپنے قریب سے ڈوری کی آواز سنائی دی، ''تمھیں کچھ معلوم نہیں ہوا! کیونکہ گوشت کے پارچے کو معلوم ہے کہ جلد یا بدیر اسے واپس کھولتے ہوئے تیل میں ہی جانا ہے۔ بس امید کرو ہمیں واپس تیل میں نہ جانا پڑے اور ہاں عقابوں کے پنجے کانٹے نہیں ہوتے۔''

بلبو بولا، ''اوہ ہاں۔ عقابوں کے پنجے چھانٹے.... میرا مطلب ہے کانٹے نہیں ہوتے۔'' وہ اٹھ کر بیٹھا اور حیرت سے اس عقاب کو دیکھنے لگا جو ان کے قریب ہی آن بیٹھا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ نجانے وہ کیا اول فول بکتا رہا تھا اور کہ کہیں عقاب اس کی باتوں سے ناراض نہ ہو جائے۔ اگر آپ قد و قامت میں ایک بونے سے بھی چھوٹے ہوں اور پہاڑ کی چوٹی پر عقاب کی گھونسلے میں پڑے ہوں تو بہتر یہی ہوگا کہ عقاب آپ سے ناراض نہ ہو۔ لیکن عقاب ایک چٹان پر اپنی چونچ تیز کرتا رہا اور اپنے پَروں کو سنوارتا رہا اور اس نے ان کی باتوں پر کوئی توجہ نہ دی۔

جلد ہی ایک اور عقاب ان کے قریب سے گزرا اور کہنے لگا، ''عقاب بادشاہ کا حکم ہے کہ تم اپنے قیدیوں کو لے کر عظیم چٹان پر پہنچو۔'' اور اڑتا چلا گیا۔ ان کے ساتھ بیٹھے ہوئے عقاب نے اپنے پَر پھڑ پھڑائے اور ڈوری کو اپنے پنجوں میں داب کر ایک جانب اڑ گیا۔ بلبو اب چٹان

پر کیلا رہ گیا تھا۔ اب بلبو میں صرف اتنی ہی سکت رہ گئی تھی کہ وہ سوچنے لگا کہ اس دوسرے عقاب کا ''قیدیوں'' سے کیا مراد تھی؟ اس کے ذہن میں یہی خیال آرہا تھا کہ اس کی باری آنے پر کہیں عقاب اسے کسی خرگوش کی مانند چیر پھاڑ کر کھا نہ جائیں۔

اسی اثنا میں پہلا عقاب واپس لوٹ آیا اور بلبو کے کوٹ کو اپنے پنجوں میں پکڑا اور اڑنے لگا۔ یہ سفر قدرے مختصر تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں اس نے خوف سے کپکپاتے بلبو کو پہاڑ کے پہلو میں ایک چوڑی اور چپٹی چٹان پر لا ڈالا۔ آسمان کو چھوتی ہوئی بلندی سے چھلانگ لگائے بغیر اس جگہ سے نیچے جانے کا کوئی راستہ نہ تھا اور اڑے بغیر یہاں سے کہیں اور جانے کا کوئی طریقہ بھی نہ تھا۔ لیکن یہاں اس کے سارے ساتھی پہاڑ کے ساتھ پیٹھ لگائے بیٹھے تھے۔ عقاب بادشاہ بھی وہاں موجود تھا اور ایک جانب گنڈالف سے باتیں کر رہا تھا۔

بالآخر عقدہ کھلا کہ عقابوں کا بلبو کو کھانے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ یوں لگتا تھا کہ عقاب بادشاہ اور گنڈالف ایک دوسرے کو دوستی کی حد تک جانتے تھے۔ حقیقت یہ تھی کہ گنڈالف اس علاقے میں اکثر آتا تھا اور ایک موقع پر اس نے عقابوں کی مدد کی تھی۔ جب عقاب بادشاہ کو ایک تیر لگا تھا تو گنڈالف نے اس کے زخم کا علاج کیا تھا۔ یوں ''قیدیوں'' سے مراد محض ''بھتنوں کی قید سے آزاد کرائے گئے قیدی'' تھا نہ کے عقابوں کے قیدی۔ جوں جوں بلبو گنڈالف کی باتیں سنتا گیا اسے احساس ہونے لگا کہ بالآخر حقیقت میں ان خطرناک پہاڑوں سے نکلنے کا امکان پیدا ہونے لگا ہے۔ گنڈالف عقاب بادشاہ سے کہہ رہا تھا کہ وہ اسے، بونوں کو اور بلبو کو یہاں سے دور پہنچا آئیں اور انھیں دور میدانی علاقوں تک لے جائیں۔

لیکن عقاب بادشاہ انسانوں کی آبادی کے قریب بھی جانے کو تیار نہ تھا۔ وہ بولا، ''ہمیں دیکھتے ہی وہ اپنی سدا بہار درختوں کی لکڑی سے بنی کمانوں سے تیر برسانے لگیں گے کیونکہ وہ سمجھیں گے کہ ہم ان کی بکریاں اٹھانے آئے ہیں۔ کسی زمانے میں ایسا ہوتا بھی تھا.... نہیں! بھتنوں کو مارنے بھگانے تک تو بات ٹھیک ہے اور یوں ہم نے تمھاری مدد کا بدلہ بھی چکا دیا ہے لیکن ہم چند بونوں کی خاطر جنوبی میدانوں میں اپنی جانوں کو خطرے میں نہیں ڈال سکتے۔''

گنڈالف بولا، ''ٹھیک ہے، تو آپ ہمیں وہاں تک لے جائیں جہاں تک آپ جا سکتے ہیں۔ یوں بھی ہم آپ کے بہت مشکور ہیں۔ لیکن تب تک ہم بھوک سے مرے جا رہے ہیں۔''

بلبو بھی کمزور آواز میں بول اٹھا جو کسی کے کان میں نہ پڑی، ''میں تو بھوک سے مرنے لگا ہوں۔''

عقاب بادشاہ بولا، ''ہاں، اس کا بندوبست کیا جا سکتا ہے۔''

تھوڑی ہی دیر میں پہاڑ کی اس چپٹی چٹان پر روشنی دکھائی دینے لگی اور اس روشنی کے گرد بونے خوشی خوشی کھانے کی تیاریاں کرنے لگے۔ عقاب نیچے سے کچھ خشک لکڑیاں اور چند خرگوش اور ایک چھوٹی سی بھیڑ اٹھا لائے تھے۔ بونوں نے کھانے کی تیاری کا کام سنبھال لیا۔ تھکاوٹ کا مارا بلبو ایک جانب پڑا رہا اور یوں بھی اسے خرگوشوں کی کھال اتارنے اور گوشت کے قتلے بنانے میں کوئی مہارت نہ تھی۔ اسے تو عادت تھی کہ قصائی بنا بنایا تیار گوشت اس کے گھر لا دیتا۔

گنڈالف بھی ایک جانب ستا رہا تھا۔ اس نے آگ جلانے میں ہاتھ بٹایا تھا کیونکہ اوئین گلوئین اپنے آگ جلانے والے چقماق کے پتھر کہیں پھینک آئے تھے (بونے اس وقت تک بھی دیا سلائی یا ماچس سے متعارف نہ ہوئے تھے)۔

یوں دھندلے پہاڑوں کا قصہ تمام ہوا۔ تھوڑی ہی دیر میں بلبو کا پیٹ بھر چکا تھا اور اس پر غنودگی طاری ہونے لگی۔ تاہم اس کا لکڑیوں پر بھنی گوشت کی بوٹیوں کے بجائے نرم روٹی اور تازہ مکھن کھانے کو جی چاہ رہا تھا۔ اس پتھریلی چٹان پر وہ یوں سکون سے سویا جیسے وہ اپنے گھر میں اپنے نرم و گرم بستر پر بھی نہ سویا تھا۔ ساری رات اسے اپنے گھر کے خواب آتے رہے جہاں وہ ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں گھومتا رہا۔ وہ کوئی چیز ڈھونڈ رہا تھا لیکن اسے قطعاً معلوم نہ تھا کہ وہ کیا تلاش کر رہا ہے یا وہ جس چیز کا متلاشی ہے وہ کیسی ہے۔

ساتواں باب

انوکھا گھر

دوسرے دن صبح جب بلبو بیدار ہوا تو سورج کی روشنی اس کی آنکھوں میں چمک رہی تھی۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا کہ وقت دیکھے اور چائے کے پانی کی کیتلی چولہے پر رکھے۔ لیکن یکا یک اسے احساس ہوا کہ وہ اپنے گھر میں نہیں ہے۔ وہ سر جھکا کر بیٹھ گیا اور اچانک اسے دانت برش کرنے اور نہانے کی شدید خواہش ہوئی۔ لیکن اسے نہ دانتوں کا برش ملا، نہ ہی ناشتے میں چائے، ڈبل روٹی یا تلے ہوئے گوشت کے قتلے۔ بس گزشتہ رات والے خرگوش اور بکری کا بھنا ہوا ٹھنڈا اور سخت گوشت دستیاب تھا۔ اس کے بعد وہ آگے روانگی کے لیے تیاری پکڑنے لگے۔

آج بلبو کو ایک عقاب کی پشت پر اس کے پروں کے بیچ میں بیٹھ کر سواری کرنے دی گئی۔ تیز ہوا سے خوف کے مارے اس نے پھر اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ دوسرے بونوں نے روانہ ہوتے ہوئے عقاب بادشاہ کو الوداع کہا اور اس کی مہربانیوں کا بدلہ چکانے کی پوری کوشش کا وعدہ کیا۔ پہاڑ کی چوٹی سے پندرہ عظیم الشان پرندے آسمانوں میں بلند ہوئے۔ مشرق میں سورج ابھی تک افق کے قریب ہی تھا۔ صبح کی خنکی ابھی تک برقرار تھی اور دور پہاڑوں کی چوٹیوں، وادیوں اور جنگلوں کے اوپر دھند کے بادل چھائے تھے۔ بلبو نے ڈرتے

ڈرتے آنکھ کھولی اور دیکھا کہ عقاب آسمان کی بلندیوں پر پہنچ چکے تھے، زمین نیچے بہت دور دکھائی دے رہی تھی اور پہاڑ ان کے عقب میں دور ہوتے جا رہے تھے۔ اس نے ایک مرتبہ پھر اپنی آنکھیں میچ لیں اور عقاب کے پَروں پر اپنی گرفت مضبوط کر لی۔

عقاب بولا، ''ذرا آہستہ پکڑو! اگرچہ تم قد کاٹھ میں خرگوش جیسے ہی لگتے ہو لیکن ضروری نہیں کہ تم خرگوش کی طرح خوفزدہ بھی ہو۔ آج بہت اچھا موسم ہے اور ہوا بھی تیز نہیں ہے۔ ایسی سہانی صبح کو نیلے آسمانوں میں پرواز کرنے کے علاوہ اور کیا کیا جا سکتا ہے؟''

بلبو کہنا چاہتا تھا، ''گرم پانی سے غسل اور پھر باغیچے میں سکون سے ناشتہ۔'' لیکن اس نے خاموش رہنا مناسب جانا اور اپنے ہاتھوں کی گرفت قدرے نرم کر دی۔

کافی دیر بعد عقابوں نے اتنی بلندی سے بھی شاید وہ جگہ دیکھ لی جہاں انھیں پہنچنا تھا۔ وہ وسیع دائروں میں دھیرے دھیرے نیچے کی جانب آنے لگے۔ زمین کی جانب آنے میں بھی کافی وقت لگا اور بالآخر بلبو نے آنکھیں کھول دیں۔ زمین اب قدرے قریب آن پہنچی تھی۔ دور سے دیودار اور شاہ بلوط کے درخت، گھاس کے سرسبز میدان اور ان کے درمیان بہتا ایک دریا دکھائی دے رہا تھا۔ لیکن اس میدان کے عین درمیان اور دریا کے راستے میں ایک دیوہیکل پتھریلی چٹان رکھی تھی جو لمبائی چوڑائی اور بلندی میں کسی پہاڑی سے کم نہ تھی۔ یوں لگتا تھا کہ کسی جناتی ہاتھ نے پورا پہاڑ چوکور شکل میں تراش کر یہاں لا رکھا ہو۔ یکے بعد دیگرے عقاب اس چٹان پر اترے اور اپنے مسافروں کو اتارتے گئے۔ روانہ ہوتے ہوئے سب عقاب چلّائے، ''الوداع! جہاں بھی جاؤ اپنے سفر کے اختتام پر خیر و عافیت سے اپنے آشیانوں تک پہنچو۔'' عقابوں کی زبان میں یہ شائستہ اور مہذبانہ الوداعی کلمات ہوا کرتے تھے۔

گنڈالف جسے ان کلمات کا مناسب جواب معلوم تھا، بولا، ''اور تمھارے پَروں کے نیچے ہوا تمھیں وہاں تک لے جائے جہاں سورج اور چاند تیرتے ہیں۔'' اور یوں وہ جدا ہوئے۔ اس وقت تک بلبو نہ جانتا تھا کہ یہی عقاب بادشاہ ایک روز تمام پرندوں کا بادشاہ بن جائے گا جس کے سر پر ایک سنہری تاج ہوگا اور جس کی گردن میں پندرہ سرداروں کے پندرہ

سنہری گلو بند ہوں گے جو اس سونے سے بنائے جائیں گے جو مہم کے اختتام پر بونے اظہارِ تشکر کے طور پر اسے پیش کریں گے۔ بلبو اب ان عقابوں کو پانچ لشکروں کی جنگ کے موقع پر ہی دور سے دیکھ پائے گا۔ چونکہ اس جنگ کا ذکر بعد میں آئے گا اس لیے ہم اس کی تفصیل بعد تک اٹھائے رکھتے ہیں۔

چٹان کی اوپری ہموار سطح سے نیچے دریا کے قریب تک سیڑھیاں اترتی تھیں جس کے دوسرے کنارے پر واقع سرسبز میدانوں تک چپٹے پتھروں سے بنے پل پر گزرتا راستہ دکھائی دے رہا تھا۔ سیڑھیوں اور پل کے قریب پکے فرش والا ایک غار تھا۔ وہ سب وہاں جا بیٹھے اور مستقبل کا لائحہ عمل ترتیب دینے لگے۔

گنڈالف بولا، ''میرا بنیادی مقصد تم سب کو بخیر و عافیت پہاڑوں کے پار پہنچانا تھا اور اس کام میں اپنی تدابیر اور تم سب کی خوش قسمتی سے میں کامیاب رہا ہوں۔ سچ تو یہ ہے کہ میں تم لوگوں کے ساتھ اپنے ابتدائی منصوبے سے کہیں زیادہ دور مشرق تک آن پہنچا ہوں۔ بہر حال یہ میری مہم نہیں ہے۔ اس مہم کے خاتمے سے پہلے ہماری ملاقات ضرور ہوگی لیکن اس سے پہلے مجھے کچھ اور انتہائی اہم کام نمٹانے ہیں۔''

یہ سنتے ہی بونوں کے چہروں پر مایوسی چھا گئی اور بلبو کی آنکھیں نمناک ہوگئیں۔ وہ سمجھے تھے کہ گنڈالف سارا سفر ان کے ساتھ رہے گا اور ان کی مدد کرے گا۔ گنڈالف بولا، ''میں ابھی اسی وقت تو غائب نہیں ہو رہا! میں چند روز مزید تمھارے ساتھ رہوں گا۔ میں ابھی تمھاری مشکلات میں تمھارے ساتھ رہوں گا اور یوں بھی میرے اپنے بھی کچھ مسائل ہیں۔ ہمارے پاس کھانے پینے کی اشیا، ساز و سامان اور سواریاں بھی نہیں ہیں اور تم یہ بھی نہیں جانتے کہ تم کہاں ہو۔ لیکن اب میں اس سوال کا جواب دے سکتا ہوں۔ اگر ہم پہاڑوں سے یوں ناگہانی طور پر نہ نکلتے تو ہمیں جہاں ہونا چاہیے تھا ہم اس راستے سے قدرے شمال میں ہیں۔ یہاں بہت کم لوگ رہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کچھ سال ہوئے میری گزشتہ آمد سے لے کر اب تک شاید کچھ لوگ یہاں آن بسے ہوں۔ ہاں، یہاں قریب ہی ایک شخص رہتا ہے جسے میں جانتا ہوں۔

یہ وہی ہے جس نے اس پتھر پر یہ سیڑھیاں بنائیں ہیں، جسے وہ کاروک کہہ کر پکارتا ہے۔ وہ عموماً یہاں نہیں آتا، دن کے وقت تو کبھی نہیں آتا۔ اس لیے اس کا انتظار بے سود ہے۔ سچ تو ہے کہ یہاں انتظار کرنا خطرناک بھی ہوسکتا ہے۔ ہمیں خود جا کر اسے تلاش کرنا ہوگا اور اگر ہماری ملاقات خوشگوار رہی تو میں بھی عقابوں کی طرح تمھیں یہ کہتے ہوئے الوداع کہہ پاؤں گا، ''جہاں بھی جاؤ اپنے سفر کے اختتام پر خیریت سے پہنچو۔''

سب نے اس کی بہت منّت سماجت کی کہ وہ رک جائے۔ بونوں نے اسے مزید سونے اور جواہرات کی پیشکش کی لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ وہ کہنے لگا، ''دیکھتے ہیں، دیکھتے ہیں! یوں بھی میرا خیال ہے کہ میری خدمات کے عوض اب تمھیں مجھے اژدھے کے خزانے سے حصّہ تو دینا ہی ہوگا.... اگر تم اسے حاصل کر پائے تو۔''

کچھ دیر بعد انھوں نے منّت سماجت بند کر دی۔ انھوں نے اپنے کپڑے اتارے اور دریا میں نہانے لگے۔ دریا کا پانی صاف تھا اور بہت گہرا نہ تھا۔ جب تیز اور گرم دھوپ میں انھوں نے اپنے کپڑے سکھائے تو انھیں قدرے سکون آیا۔ لیکن تھکن اور بھوک کا احساس ابھی باقی تھا۔ پھر انھوں نے دریا پار کیا اور شاہ بلوط اور دیودار کے درختوں کے درمیان لمبی گھاس والے میدان میں چلنے لگے۔

گنڈالف کے پہلو میں چلتے ہوئے بلبو بولا، ''اسے کاروک کیوں کہتے ہیں؟''

گنڈالف نے جواب دیا، ''اُس نے اس کا نام کاروک رکھا ہے۔ وہ ایسی چیزوں کو کاروک کہہ کر پکارتا ہے، خصوصاً اس چٹان کو کیونکہ یہ اس کے گھر کے قریب ہے اور وہ اسے خوب جانتا ہے۔''

''کون پکارتا ہے؟ کون جانتا ہے؟''

''وہی جس کا میں نے ذکر کیا تھا۔ بہت عظیم شخص ہے وہ! جب میں اس سے تمھارا تعارف کراؤں گا تو تم سب کو انتہائی تعظیم سے پیش آنا ہوگا۔ میں تمھیں اس کے سامنے رفتہ رفتہ پیش کروں گا.... دو دو کی جوڑیوں میں۔ بس تمھیں اس بات کا دھیان کرنا ہوگا کہ کہیں وہ

ناراض نہ جائے ورنہ کچھ بھی ہوسکتا ہے۔ وہ غصّے کا بہت غضبناک ہے لیکن جب وہ خوش ہوتا ہے تو بہت مہربان ہوتا ہے۔ پھر بھی میں تمھیں بتائے دیتا ہوں کہ اس کا غصّہ ہمیشہ ناک پر دھرا رہتا ہے۔"

گنڈالف کی باتیں سن کر بونے بھی اس کے گرد جمع ہو گئے اور سوالوں کی بوچھاڑ کر دی، "کیا یہ وہی شخص ہے جس کے پاس تم ہمیں لے جا رہے ہو؟ تم کوئی خوش مزاج شخص نہیں ڈھونڈ سکتے تھے؟ ذرا پھر سے بتانا ہمیں کیا کرنا ہوگا؟"

گنڈالف جھلا کر بولا، "ہاں، وہی شخص ہے۔ نہیں، نہیں ڈھونڈ سکتا تھا۔ نہیں، میں پہلے ایک مرتبہ بتا چکا ہوں۔ اگر تم مزید جاننا ہی چاہتے ہو تو اس کا نام بیورن ہے اور وہ ایک کینچلی بدل ہے۔"

بلبو بول اٹھا، "کیا؟ مرے ہوئے جانوروں کی کھالوں میں بُھس بھرنے والا؟"

گنڈالف بولا، "اوہ میرے خدا..... نہیں، نہیں، نہیں! مسٹر بیگنز! اگر ہو سکے تو کچھ عقل کے ناخن لو اور میرا مخلصانہ مشورہ ہے کہ جب تک ہم اس کے گھر کے سو میل فاصلے پر بھی ہوں تو کھالوں میں بھس بھرنے، تھوتھنی، کھر اور سُم جیسے الفاظ استعمال نہ کرنا۔ وہ ایک کینچلی بدل ہے۔ وہ اپنی شکل و شباہت بدل سکتا ہے۔ کبھی وہ دیوہیکل سیاہ ریچھ بن جاتا ہے اور کبھی سیاہ بالوں، طاقتور بازوؤں اور لمبی داڑھی والے دیوقامت انسان کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ میں اس کے بارے میں اور بہت کچھ بتا سکتا ہوں لیکن فی الحال اتنے کو ہی بہت سمجھو۔ کہتے ہیں کہ صدیوں پہلے دیوؤں کے آنے سے بھی پہلے اس کے آبا و اجداد پہاڑوں میں بسنے والے ریچھوں کی نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ کچھ کہتے ہیں کہ وہ سماگ اور دوسرے اژدھوں کے ان علاقوں میں آنے سے پہلے اور شمال سے پہاڑوں میں آنے والے بھتنوں سے بھی پہلے یہاں رہنے والے انسانوں کی پہلی اولادوں میں سے ہے۔ مجھے پورا یقین تو نہیں ہے لیکن میرا خیال ہے کہ دوسری بات ہی شاید درست ہے۔ بہرحال اس کے ماضی کے بارے میں سوال جواب نہ کرنا ہی بہتر ہوگا۔"

''حقیقت یہ ہے کہ اس پر کوئی جادوٹونہ نہیں کیا گیا۔ وہ جو کچھ کرتا ہے اپنی مرضی سے کرتا ہے۔ وہ شاہ بلوط کے جنگل میں شاہ بلوط کی لکڑی سے بنے ایک عالیشان گھر میں رہتا ہے۔ جب وہ انسانی جون میں ہوتا ہے تو مویشی اور گھوڑے پالتا ہے جو اتنے ہی عجیب ہیں جتنا کہ وہ خود۔ وہ اس کے کام کرتے ہیں اور اس سے باتیں کرتے ہیں۔ وہ انھیں کھاتا نہیں ہے اور نہ ہی کسی اور جنگلی جانور کا شکار کرتا ہے۔ اس نے بڑی بڑی اور زہریلی شہد کی مکھیاں پال رکھی ہیں اور وہ صرف ان کے شہد اور مکھن پر گزارا کرتا ہے۔ جب وہ ریچھ کی صورت میں ہوتا ہے تو اس علاقے میں دور دور تک گھومتا پھرتا ہے۔ ایک رات میں نے اسے کاروک چٹان پر بیٹھا دیکھا۔ وہ دھندلے پہاڑوں کے پیچھے ڈوبتے چاند کو دیکھ رہا تھا اور ریچھوں کی زبان میں غرا رہا تھا، ''وہ دن آئے گا جب وہ سب مر جائیں گے اور میں واپس لوٹ جاؤں گا۔'' اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ وہ خود بھی پہاڑوں سے آیا ہے۔''

بلبو اور بونے خاموشی سے سوچوں میں گم ہو گئے۔ ان کے سوالات ختم ہو گئے تھے۔ ابھی انھیں بہت طویل سفر کرنا تھا۔ وہ وسیع میدان میں چلتے گئے اور ایک وادی میں اترتے گئے۔ اب گرمی ہونے لگی تھی۔ کبھی وہ کسی درخت کے سائے میں ستاتے۔ بلبو کی بھوک کا یہ عالم تھا کہ اگر اسے شاہ بلوط کا کوئی پکا ہوا چلغوزہ زمین پر گرا ملتا تو وہ اسے بھی کھانے سے گریز نہ کرتا۔

دوپہر ہونے کو تھی کہ انھیں احساس ہوا کہ ان کے چاروں جانب ایک ہی قسم پھول اگتے دکھائی دینے لگے جیسے کسی نے خود اگائے ہوں۔ ہر طرف تپتیا گھاس لہلہا رہی تھی، جن پر شہد کی خوشبو والے خوشنما قرمزی اور ارغوانی پھول دکھائی دے رہے تھے۔ فضا میں ہر جانب ایک بھنبھناہٹ سنائی دے رہی تھی۔ چاروں جانب شہد کی مکھیاں اڑ رہی تھیں اور مکھیاں بھی کیسی؟ بلبو نے اپنی زندگی میں ایسی مکھیاں نہ دیکھیں تھیں۔ وہ سوچنے لگا، ''اگر ان میں سے ایک بھی مجھے کاٹ جائے تو میں سوج کر اپنے جثے سے دوگنا ہو جاؤں۔'' وہ انسانی انگوٹھے سے بھی بڑی تھیں، بڑی بھڑوں سے بھی بڑی۔ ان کے سیاہ جسم پر پیلی دھاریاں دھوپ میں چمک رہی تھیں۔

گنڈالف بولا، ''ہم اس کے گھر کے قریب پہنچ گئے ہیں۔ ہم اس کی مکھیوں کے باغوں کے قریب ہیں۔''

کچھ ہی دیر بعد وہ بلند وبالا اور پرانے بلوط کے درختوں کی ایک قطار کے پاس آن پہنچے۔ درختوں کے آگے کانٹے دار جھاڑیوں کی ایک قدآور باڑتھی جس کے دوسری جانب نہ دیکھا جا سکتا تھا اور نہ ہی گزرا جا سکتا تھا۔

یہاں پہنچ کر گنڈالف بولا، ''تم سب یہاں انتظار کرو! اور جب میری آواز یا میری سیٹی سنو تو دو دو کی جوڑی میں میرے پیچھے آنا۔ وہ راستہ تم دیکھ لو گے جس جانب میں جاؤں گا اور ہاں، دھیان رہے صرف دو دو کی جوڑی میں آنا اور ہر جوڑی کے درمیان پانچ منٹ کا وقفہ ہونا چاہیے۔ بومبور سب سے موٹا ہے اس لیے وہ دو کے برابر ہوگا اور اسے اکیلا ہی آنا ہوگا۔ مسٹر بیگنز چلو میرے ساتھ آؤ۔ یہیں کہیں ایک دروازہ بھی ہے۔'' یہ کہتے ہی وہ چل دیا اور مضطرب بلبو اس کے پیچھے چلنے لگا۔

تھوڑے فاصلے پر لکڑی کا بڑا دروازہ دکھائی دیا جس کے دوسری جانب ایک باغ تھا اور لکڑی کے چند گھر بنے تھے۔ کچھ گھاس پھونس کی چھتوں والے اور کچھ آڑے ترچھے شہتیروں والے باڑے، گودام، سائبان، اصطبل اور ایک جانب ایک طویل رہائشی عمارت.... اس کے عین سامنے گھاس کی چھت کے نیچے شہد کی مکھیوں کے چھتوں کی قطاریں جن میں مکھیوں کی لگاتار آمدورفت جاری تھی۔ چاروں جانب مکھیوں کی بھنبھناہٹ پھیلی تھی۔

گنڈالف نے بھاری دروازے کو دھکیلا تو وہ چرچراہٹ سے کھلتا گیا۔ وہ ایک چوڑی پگڈنڈی پر چلتے ہوئے مکان کی جانب چل دیئے۔ باغ کی دوسری جانب سے چند تنومند اور خوبصورت گھوڑے بھاگتے ہوئے ان کی جانب آئے اور ان کے قریب رک کر دونوں کو بغور دیکھنے لگے۔ پھر وہ سب واپس مکان کی جانب بھاگ گئے۔

گنڈالف بولا، ''یہ جا کر اپنے مالک کو اجنبی مسافروں کی آمد کی اطلاع دیں گے۔''

سامنے ایک دالان تھا جس کے تین اطراف میں مکان کے تین حصے تھے۔ عین درمیان

میں ایک شاہ بلوط کے درخت کا ایک بڑا تنا دھرا تھا جس کی کچھ شاخیں کاٹی جا چکی تھیں۔ ساتھ ہی سیاہ بالوں، سیاہ داڑھی اور طاقتور گٹھیلے ہاتھوں پیروں والا ایک دیو قامت شخص کھڑا تھا۔ اس کا اونی لبادہ اس کے گھٹنوں تک آ رہا تھا اور وہ ایک جناتی کلہاڑے کو تھامے کھڑا تھا۔ گھوڑے اس کے چاروں جانب دائرہ بنائے کھڑے تھے جیسے اس سے سرگوشیوں میں باتیں کر رہے ہوں۔

وہ بھاری گرجدار آواز میں گھوڑوں سے بولا، ''آہ، لو وہ آن پہنچے۔ یہ خطرناک تو نہیں دکھائی دیتے۔ چلو اب تم سب جاؤ'' یہ کہتے ہوئے اس نے فلک شگاف قہقہہ لگایا اور اپنا کلہاڑا ایک جانب رکھتے ہوئے ان کی طرف بڑھا۔

وہ درشتی سے بولا، ''کون ہو تم اور کیا چاہتے ہو؟'' وہ ان کے سامنے آن کھڑا ہوا۔ اس کا قد گنڈالف سے بھی گز بھر اونچا تھا اور بلبو بیچارہ تو اس کی ٹانگوں کے نیچے سے بھاگ کر گزر جاتا تو اس کے لباس کو چھو نہ پاتا۔

گنڈالف بولا، ''میں گنڈالف ہوں۔''

وہ شخص غرایا، ''میں کسی گنڈالف کو نہیں جانتا اور یہ چھوٹا سا شخص کیا چیز ہے؟'' اس نے جھک کر اپنی گھنی ابروؤں کے نیچے سے بلبو کو گھورا۔

گنڈالف نے جواب دیا، ''یہ مسٹر بلبو بیگنز ہیں، ہابٹ قبیلے کے ایک اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور انتہائی شریف اور نیک سیرت ہابٹ کے طور پر جانے جاتے ہیں۔'' بلبو نے تعظیم میں اپنا ہیٹ اٹھایا۔ اسے اپنی پھٹی ہوئی واسکٹ اور ٹوٹے ہوئے بٹنوں کا شدّت سے احساس ہو رہا تھا۔ گنڈالف بولتا گیا، ''آپ مجھے نہیں جانتے، لیکن میں نے آپ کے بارے میں سن رکھا ہے۔ شاید آپ میرے عم زاد بھائی راڈ گاسٹ جادوگر کو جانتے ہوں جو بن سیاہ کے جنگلات کے جنوب میں رہتا ہے۔''

بیورن بولا، ''ہاں۔ جادوگروں کے لحاظ سے وہ کوئی برا شخص نہیں ہے۔ اس سے میری کبھی کبھار ملاقات ہوا کرتی تھی۔ چلو اب یہ تو معلوم ہو گیا کہ تم لوگ کون ہو یا کم از کم جو کہتے ہو

کہ تم وہی ہو۔اب یہ بتاؤ تم کیا چاہتے ہو؟''

''سچ تو یہ ہے کہ ہم اپنا سارا مال و اسباب کھو بیٹھے ہیں اور شاید اپنے راستے سے بھی بھٹک چکے ہیں۔ہمیں آپ کی مدد یا رہنمائی کی ضرورت ہے۔بس یوں جانیے کہ بھتنوں سے ہماری مڈبھیڑ کچھ زیادہ خوشگوار نہ تھی۔''

''بھتنے؟'' بیورن کی آواز میں درشتی قدرے کم ہوئی، ''اوہ اچھا! تو گویا تمھاری ان سے مڈبھیڑ ہو چکی ہے۔تم ان کے علاقے میں کیوں جا پہنچے؟''

''ہمارا قطعاً ایسا کوئی ارادہ نہ تھا۔ہم ایک پہاڑی راستے سے گزر رہے تھے کہ انھوں نے رات کی تاریکی میں ہم پر حملہ کر دیا۔ہم مغربی میدانوں سے پہاڑوں کے دوسری جانب سفر کر رہے تھے۔یہ کافی طویل داستان ہے۔''

''اگر اتنی ہی طویل داستان ہے تو اندر آؤ اور مجھے مختصراً بتاؤ۔'' یہ کہتے ہوئے وہ مڑا اور ایک گہرے رنگ کا چوبی دروازہ کھولتے ہوئے مکان کے اندر داخل ہو گیا۔

وہ دونوں اس کے پیچھے اندر داخل ہوئے۔کمرہ کیا تھا، ایک وسیع و عریض ہال تھا جس کے عین بیچ میں آتشدان تھا۔اگرچہ گرمیوں کا موسم تھا لیکن آتشدان میں لکڑیاں جل رہی تھی اور سرمئی دھوئیں کے مرغولے چھت کے سیاہ شہتیروں کے درمیان ایک چمنی سے باہر جانے کا راستہ تلاش کر رہے تھے۔آتشدان میں جلتی آگ کے شعلوں کی دھیمی روشنی کے علاوہ ہال میں تاریکی چھائی تھی۔ وہ ہال کی دوسری جانب ایک چھوٹے دروازے سے گزرے تو باہر ایک برآمدے میں آن نکلے جس کی چھت سرخ رنگ کے شہتیروں پر ایستادہ تھی۔ برآمدے کا رخ جنوب کی جانب تھا اور ڈوبتے سورج کی تمازت ابھی تک باقی تھی۔ دھوپ نے باغیچے میں پھولوں پر جیسے سونے کا ملمع چڑھا دیا ہو۔

یہاں وہ لکڑی کے بنچوں پر بیٹھ گئے اور گنڈالف بیورن کو اپنی داستان سنانے لگا۔قریبی بنچ پر بلبو بیٹھا اپنی ٹانگیں ہوا میں ہلا رہا تھا اور باغ میں کھلے پھولوں کو ستائشی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔اسے ان میں سے بہت سوں کے نام بھی نہیں آتے تھے کیونکہ اس نے ایسے پھول زندگی

میں پہلے کبھی نہ دیکھے تھے۔

گنڈالف نے اپنی کہانی سنانی شروع کی، ''میں اپنے چند دوستوں کے ساتھ پہاڑ سے گزر رہا تھا کہ....''

بیورن نے اس کی بات کاٹی، ''چند دوست؟ مجھے تو صرف ایک ہی دکھائی دے رہا ہے اور وہ بھی چھوٹا سا؟''

''سچ تو یہ ہے کہ میں اپنے سارے ساتھیوں کے ساتھ آپ کو زحمت نہیں دینا چاہتا تھا۔ مجھے آپ کی مصروفیت کے بارے میں علم نہ تھا۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں انھیں بھی اندر بلا سکتا ہوں۔''

''ہاں۔ کیوں نہیں۔ بلاؤ انھیں۔''

گنڈالف نے ایک تیز اور طویل سیٹی بجائی اور تھوڑی ہی دیر بعد تھورین اور ڈوری باغیچے والے راستے سے نمودار ہوئے اور بیورن کے سامنے جھک کر سلام بجالائے۔

بیورن بولا، ''یہ چند تو نہیں دو ہیں اور یہ ہابٹ بھی نہیں۔ یہ تو بونے ہیں۔''

دونوں بونے ایک مرتبہ جھکے اور بولے، ''تھورین اوکن شیلڈ، آپ کی خدمت میں! ڈوری، آپ کی خدمت میں۔''

بیورن بولا، ''مجھے تم دونوں کی خدمت نہیں چاہیے۔ لیکن مجھے شک ہو رہا ہے کہ تمھیں میری مدد کی ضرورت ہے۔ مجھے بونوں سے کچھ خاص انس نہیں ہے لیکن اگر تم واقعی تھورین ولد تھرین ولد تھرور ہی ہو اور اگر تمھارے ساتھی شریف بونے ہیں اور اگر تم بھتنوں کے دشمن ہو اور میرے علاقے میں کسی شرارت کی نیت سے نہیں آئے تو.... ویسے تم یہاں آئے کیوں ہو؟''

گنڈالف تیزی سے بولا، ''یہ بن سیاہ کے مشرق میں اپنے آباؤ اجداد کے آبائی علاقوں کو دیکھنے آئے ہیں۔ ہمارا آپ کے علاقے میں یوں آن پہنچنا قطعاً حادثاتی اور اتفاقی امر ہے۔ ہم بلند درّے سے گزر رہے تھے جو ہمیں اس علاقے سے دور جنوب میں لے جاتا جب ہم پر ان

خبیث بھتنوں نے حملہ کر دیا۔ جیسا کہ میں آپ کو بتانے ہی لگا تھا۔۔۔۔''

بیورن روکھے سے انداز میں بولا، ''تو پھر بتا بھی چکو۔''

''وہاں ایک خوفناک طوفان نے ہمیں آن لیا۔ اس دوران سنگی دیوؤں نے پتھر پھینکنے شروع کر دیئے۔ ہم درّے کی اوپر پہنچے ہی تھے کہ بارش اور طوفان سے بچنے کے لیے میں، بابٹ اور باقی سارے بونوں نے ایک غار میں پناہ لی۔۔۔۔''

''باقی سارے بونوں سے تمھاری کیا مراد ہے؟''

''وہ بات کچھ یوں ہے کہ میرے ساتھ کچھ اور بونے بھی ہیں۔''

''تو وہ کہاں ہیں؟ کیا وہ مارے گئے؟ یا بھتنوں نے انھیں کھا لیا؟ یا وہ واپس اپنے گھروں کو لوٹ گئے؟''

''نہیں۔ معلوم نہیں میری سیٹی پر وہ سارے کیوں نہیں آئے۔ میرا خیال ہے وہ ہچکچا رہے ہوں گے۔ ویسے ہمیں بہت شرمندگی ہو رہی ہے کہ ہم اتنے سارے بن بلائے یوں آپ کے گھر آن پہنچے ہیں۔''

''بلاؤ! ان کو بھی بلا لو! لگتا ہے آج یہاں دعوت ہوگی۔ مزید ایک دو بونوں سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔'' بیورن غرا کر بولا۔

گنڈالف نے ایک مرتبہ پھر سیٹی بجائی لیکن اس کی سیٹی کے خاتمے سے پہلے ہی نوری اور اوری وہاں آن پہنچے۔ حالانکہ اگر آپ کو یاد ہو تو گنڈالف نے ان سے کہا تھا کہ وہ جوڑیوں میں پانچ منٹ کے وقفے پہنچتے جائیں۔

بیورن انھیں دیکھتے ہی بول اٹھا، ''اوہو! تم بہت جلد آن پہنچے۔ تم کہاں چھپے بیٹھے تھے؟ آجاؤ، آجاؤ۔''

''نوری، آپ کی خدمت میں، اوری آپ کی۔۔۔۔''

لیکن بیورن ان کی بات کاٹتے ہوئے بولا، ''شکریہ۔ جب مجھے تمھاری خدمت کی ضرورت ہوگی تو میں تمھیں بتا دوں گا۔ بیٹھ جاؤ، تاکہ یہ کہانی تو ختم ہو سکے۔ ایسا ہی رہا تو یہ کہانی

رات کے کھانے تک بھی ختم نہ ہوگی۔''

گنڈالف پھر سے شروع ہوا، ''جیسے ہی ہم سونے لگے تو غار کے عقب میں دیوار میں ایک شگاف نمودار ہوا اور اس میں بہت سے بھتنے نکلے اور انھوں نے ہابٹ، بونوں اور ہمارے سارے خچروں کو پکڑ لیا....''

''سارے خچروں سے کیا مراد ہے؟ تم کوئی سرکس چلا رہے تھے؟ یا بہت سا سامان لے جا رہے تھے؟ یا تم یونہی چھ خچروں کو بہت سارے خچر کہتے ہو؟''

''اوہ! بات دراصل یوں ہے کہ خچر چھ سے زیادہ تھے کیونکہ ہماری تعداد بھی چھ سے زیادہ تھی اور.... چلو دو اور آ گئے۔'' عین اسی لمحے بالین اور ڈوالین نمودار ہوئے اور اتنے نیچے ہو کر جھکے کہ ان کی داڑھیاں فرش کو چھونے لگیں۔ بیورن پہلے تو انھیں گھورتا رہا۔ لیکن وہ دونوں اپنی تعظیم میں اتنی دیر تک جھکتے اور اپنے ہیٹ اپنے سامنے ہلاتے رہے (بونوں میں تعظیم کا یہی انداز ہوتا ہے) کہ وہ بالآخر اپنی ہنسی پر قابو نہ پا سکا اور قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔

وہ بولا، ''بہت سارے ہی ٹھیک تھا۔ بہت سارے اور بہت مزے کے بھی۔ آ جاؤ میرے دوستو، تمھارے نام کیا ہیں؟ مجھے تمھاری خدمات کی ضرورت نہیں ہے، صرف اپنے نام بتاؤ اور بیٹھ جاؤ! اور اپنے ہیٹ ہلانا بند کرو۔''

''بالین اور ڈوالین۔'' وہ بیورن کے قد کاٹھ سے اتنے مرعوب تھے کہ انھیں بیورن کے ہنسنے پر بھی کوئی اعتراض نہ ہوا۔ وہ دونوں وہیں زمین پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئے۔

بیورن پھر سے جادوگر سے مخاطب ہوا، ''ہاں تو بولو۔''

''اچھا تو میں کہاں تھا؟ اوہ ہاں! میں پکڑے جانے سے بچ گیا۔ میں نے اپنے جادوئی جھما کے سے ایک دو بھتنوں کو مار ڈالا....''

بیورن بولا، ''بہت اچھا کیا! جادوگر ہونے کا کچھ تو فائدہ ہوا۔''

''اور پھر شگاف کے بند ہونے سے پہلے ہی میں بھی اس میں داخل ہو گیا۔ میں ان کے پیچھے پیچھے ہی سرنگ میں چلتا چلتا بڑے ہال میں پہنچ گیا جہاں لاتعداد بھتنے جمع تھے۔ وہیں شاہ

بھتنا بھی اپنے تیس چالیس مسلح محافظوں کے ساتھ موجود تھا۔ میں نے سوچا کہ اگر یہ سارے بونے زنجیروں میں جکڑے نہ بھی ہوتے تو اتنے بھتنوں کے خلاف درجن بھر بونے کیا کر سکیں گے؟''

''درجن بھر؟ میں نے پہلی مرتبہ آٹھ بونوں کے لیے درجن بھر کا لفظ استعمال ہوتے سنا ہے۔ یا ابھی تمھارے ساتھ کچھ اور بونے بھی موجود ہیں جو اپنے اپنے ڈبوں سے باہر نہیں نکلے؟''

''ہاں، لیجیے دو اور آگئے۔ فیلی اور کیلی۔'' گنڈالف بولا اور ساتھ ہی وہ دونوں سامنے آن کھڑے ہوئے اور مسکراتے ہوئے اپنے ہیٹ ہلانے لگے۔

بیورن بولا، ''بس بہت ہوا! تم دونوں خاموشی سے بیٹھ جاؤ۔ گنڈالف اب تم اپنی کہانی ختم کرو۔''

گنڈالف نے اپنی کہانی دوبارہ شروع کی حتیٰ کہ وہ اس جگہ پر آن پہنچا جہاں اندھیرے میں لڑائی ہوئی، وہ نچلے دروازے تک پہنچ گئے اور جہاں انھیں احساس ہوا کہ مسٹر بیگنز کھو گیا ہے۔ ''ہم نے گنتی کی تو ہمیں اندازہ ہوا کہ ہمارا ہابٹ دوست غائب ہے۔ وہاں ہم صرف چودہ تھے۔''

''چودہ؟ دس کم ایک چودہ تو نہیں ہوتے؟ تمھارا مطلب ہے صرف نو تھے۔ تم نے اپنی ٹولی کے سارے ارکان کے نام نہیں بتائے۔''

''اوہ، میں آپ کو اوئین اور گلوئین کے نام بتانا تو بھول ہی گیا۔ خیر، لیجیے وہ دونوں بھی آ گئے۔ مجھے امید ہے کہ آپ ہماری دخل اندازی سے درگزر فرمائیں گے۔''

''آنے دو آنے دو، سب کو آنے دو! جلدی کرو اور تم دونوں بھی بیٹھ جاؤ۔ گنڈالف دھیان سے، اب بھی تمھاری گنتی کے مطابق کہانی میں تم، تمھارے دس بونے اور تمھارا گمشدہ ہابٹ شامل ہیں۔ یہ مل کر سب گیارہ ہوتے ہیں (اور ایک گمشدہ ساتھی) چودہ نہیں۔ کہیں تم جادوگروں کی گنتی دوسرے لوگوں سے مختلف تو نہیں ہوتی؟ بہر حال بس اب اپنی کہانی جلدی

جلدی ختم کرو۔'' بیورن کے چہرے سے ظاہر تو نہ ہو رہا تھا لیکن اب اس داستان میں اس کی دلچسپی بڑھتی جا رہی تھی۔ گنڈالف جس علاقے کا ذکر کر رہا تھا پرانے وقتوں میں بیورن اس علاقے کو خوب جانتا تھا۔ جب گنڈالف نے بلبو کی واپسی، پہاڑ کے پہلو میں ان سب کا پھسلنا اور میدان میں بھیڑیوں کے حصار کے بارے میں بتایا تو اس نے غرا کر اثبات میں سر ہلایا۔

جب گنڈالف نے وہ لمحہ بیان کرنا شروع کیا جب وہ درختوں کے اوپر چڑھے تھے اور نیچے بھیڑیے جمع تھے تو وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور بڑبڑاتے ہوئے ادھر ادھر ٹہلنے لگا، ''کاش میں وہاں ہوتا۔ میں وہاں ہوتا تو ان بھیڑیوں کو آتش بازی کے علاوہ بہت کچھ دکھاتا۔''

گنڈالف خوش ہوا کہ اس کی کہانی بیورن پر اثر کر رہی ہے۔ ''میں جو کچھ کر سکتا تھا میں نے وہی کیا۔ ہمارے درختوں کے نیچے بھیڑیے پاگل ہوئے جاتے تھے اور چاروں جانب جنگل میں آگ بھڑک اٹھی تھی۔ اسی وقت پہاڑ سے بھتنے اتر آئے اور انھوں نے ہمیں دیکھ لیا۔ وہ خوشی سے چیخنے لگے اور ہمارا مذاق اڑانے لگے اور الٹے سیدھے گیت گانے لگے، ''پانچ درختوں میں پندرہ پرندے....''

بیورن مڑا اور غرا کر بولا، ''یہ مت سمجھو کہ بھتنوں کو گنتی نہیں آتی۔ انھیں گنتی آتی ہے۔ وہ بارہ اور پندرہ میں فرق خوب جانتے ہیں۔''

''میں بھی جانتا ہوں۔ دراصل وہاں ہمارے ساتھ بیفور اور بوفور بھی تھے۔ میں نے ان کا تعارف نہیں کرایا لیکن چونکہ اب وہ آن پہنچے ہیں تو....''

بیفور اور بوفور اندر داخل ہوئے۔ ''اور میں بھی۔'' ان کے عقب میں بومبور پسینے میں شرابور ہانپتا کانپتا نمودار ہوا۔ وہ طیش میں تھا کہ اسے اکیلا کیوں چھوڑ دیا گیا ہے۔ اس نے پانچ منٹ انتظار کرنے سے انکار کر دیا اور آخری جوڑی کے ساتھ ہی روانہ ہو گیا۔

بیورن پھر سے ہنس دیا، ''چلو اب پندرہ پورے ہو گئے ہیں اور چونکہ بھتنے بھی اپنے نعروں میں پندرہ ہی کہہ رہے تھے اس لیے درختوں میں پندرہ ہی چڑھے بیٹھے تھے۔ شاید اب ہم کسی روک ٹوک کے بغیر کہانی ختم کر سکیں۔'' بلبو بیگنز کو اندازہ ہو رہا تھا کہ گنڈالف نے کتنی

چالاکی کا مظاہرہ کیا تھا۔ کہانی میں متواتر وقفوں نے بیورن کی دلچسپی بڑھا دی تھی اور یہ کہانی ہی تھی جس کی بنا پر بیورن نے سب بونوں کو مشکوک بھکاریوں کی مانند اپنے دروازے سے دھتکار نہ دیا تھا۔ اس کی پوری کوشش ہوتی تھی کہ اس کے گھر کوئی مہمان نہ آنے پائے۔ اس کے چند ہی دوست تھے جو یہاں سے بہت دور رہتے تھے۔ وہ انھیں بھی بہ یک وقت ایک دو کی تعداد میں اپنے گھر بلاتا تھا اور آج اس کے برآمدے میں پندرہ اجنبی بیٹھے تھے۔

جب تک گنڈالف کی داستان عقابوں کی آمد اور ان کے کاروک چٹان پر جا اترنے کے مرحلے تک پہنچی سورج دھندلے پہاڑوں کے عقب میں ڈوب گیا تھا اور بیورن کے باغ میں سائے طویل ہو چکے تھے۔

بیورن بولا، ''بہت عمدہ کہانی ہے! بہت عرصے بعد اتنی زبردست داستان سنی ہے۔ اگر سارے مسافر ایسی ہی کہانیاں سنایا کرتے تو میں ان کے ساتھ قدرے رحم دلی سے پیش آتا۔ ہوسکتا ہے تمھاری یہ ساری داستان خودساختہ اور جھوٹی ہو لیکن پھر بھی اس کہانی پر تمھیں رات کا کھانا تو ملنا چاہیے۔ چلو چل کر کچھ کھاتے ہیں۔''

وہ سارے یک زبان ہو کر بولے، ''ہاں ضرور، بہت شکریہ! آپ کا بہت بہت شکریہ۔''

ہال کے اندر قدرے تاریکی چھائی تھی۔ بیورن نے تالی بجائی تو ایک جانب سے چار سفید خچر اور لمبوترے دھڑوں والے چند کتے اندر داخل ہوئے۔ بیورن نے ان سے کسی عجیب و غریب زبان میں کچھ کہا جو یوں لگتا تھا کہ جانوروں کی زبان کو انسانی بولی میں تبدیل کیا گیا ہے۔ سارے کتے اور خچر چلے گئے اور چند لمحوں بعد جب واپس لوٹے تو ان کے منہ میں مشعلیں تھیں جنھیں آتشدان سے روشن کیا گیا اور ہال کے چاروں جانب شہتیروں میں نصب آہنی کنڈوں میں پھنسا دیا گیا۔ کتے جب چاہتے تو اپنی پچھلی ٹانگوں پر کھڑے ہو جاتے اور اپنے اگلے پیروں سے چیزیں اٹھالاتے۔ چند ہی لمحوں میں وہ ہال کے کونوں سے چوبی تپائیاں اور تختے اٹھالائے اور آتشدان کے قریب میزیں لگا دیں۔

باہر سے بھیڑوں کے منمنانے کی آوازیں آئیں اور چند ہی لمحوں میں ایک کالے سیاہ

مینڈھے کے پیچھے برف جیسی دودھیا سفید بھیڑوں کا ایک ریوڑ اندر داخل ہوا۔ ایک کی پیٹھ پر ایک سفید کپڑا رکھا تھا جس کے کناروں پر مختلف جانوروں کی اشکال بنی تھیں۔ دوسروں کی پشت پر چوبی تھال رکھے تھے جن میں پیالے، رکابیں، چمچے، کانٹے اور چھریاں رکھی تھیں۔ کتوں نے انھیں فوراً تپائیوں پر رکھے میزوں پر ترتیب دیا۔ میزیں بہت بلند نہ تھیں اور بلبو کو بھی ان پر بیٹھ کر کھانے میں کوئی دقت نہ ہوئی۔ ان کے ساتھ ہی ایک ٹٹو نے گنڈالف اور تھورین کے لیے بید سے بنی موٹی ٹانگوں والی دو کرسیاں قریب لا رکھیں۔ دوسری جانب اسی طرح کی ایک اور بڑی سیاہ کرسی لا رکھی جس پر بیورن خود ٹانگیں پھیلا کر بیٹھ رہا۔ ہال میں یہی کرسیاں تھیں اور بیورن کے جانوروں کی سہولت کے لیے ساری ہی کرسیاں نیچی تھیں۔ جب ساری کرسیوں پر بونے بیٹھ گئے تو یہ جانور کہاں بیٹھتے؟ ان کا بھی بندوبست کیا گیا۔ جلد ہی دوسرے ٹٹو گول تراشیدہ لکڑی کے تنے زمین پر گھماتے لائے اور تھوڑی ہی دیر میں بیورن کا ہال کھچا کھچ بھر گیا۔ بیورن کے کھانے کی میز پر سالہا سال سے اتنے مہمان اکٹھے نہ ہوئے تھے۔

میز پر شام کا کھانا تھا یا رات کا کھانا لیکن حقیقت تھی کہ انھوں نے آخری مسکنِ آسودہ میں ایلرونڈ کو الوداع کہنے کے بعد ایسا کھانا نہ کھایا تھا۔ ہال میں چاروں جانب آتشدان اور دیواروں پر نصب مشعلوں کی روشنی پھیلی تھی۔ میز پر دو بلند و بالا سرخ موم بتیاں روشن تھیں۔ کھانے کے دوران بیورن اپنی بھاری گرجدار آواز میں انھیں پہاڑوں کے اس جانب کی کہانیاں سناتا رہا۔ خصوصاً شمال اور جنوب میں پھیلے یہاں سے ایک دن کے سفر پر واقع بن سیاہ کے گھنے اور دہشت ناک جنگلات کی کہانیاں سناتا رہا جو مشرق کی جانب ان کے سفر میں ان کی راہ میں پڑتے تھے۔

بونے اس کی داستانیں سنتے رہے اور سر ہلاتے رہے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جلد ہی انھیں ان جنگلات سے گزرنا ہوگا جو اژدھے کی کمین گاہ تک پہنچنے میں سب سے دشوار گزار مرحلہ ہوگا۔ کھانے کے اختتام پر وہ اپنی کہانیاں سنانے لگے لیکن بیورن کے چہرے پر غنودگی اور بیزاری دکھائی دینے لگی کیونکہ وہ ان کی باتوں پر توجہ نہیں دے رہا تھا۔ بونوں کی باتوں کا

محور زیادہ تر سونے چاندی جواہرات اور ان سے بنی ہوئی چیزیں تھیں لیکن بیورن کو ان قیمتی چیزوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اس کے گھر میں چند دھاتی چھریوں کے علاوہ کوئی چیز سونے چاندی یا لوہے کی نہ تھی۔

وہ سب دیر تک میز کے گرد بیٹھے لکڑی کے پیالوں سے شراب کی چسکیاں لیتے رہے۔ باہر رات اپنی تاریکی کی چادر پھیلا چکی تھی۔ دیواروں پر لگی مشعلیں بجھا دی گئیں تھیں اور آتشدان میں تازہ لکڑیاں ڈال دی گئیں تھیں جس کے ناچتے شعلوں کے سائے ہال کے چوبی ستونوں پر لپک رہے تھے۔ نجانے یہ کوئی جادوئی عمل تھا یا نہیں لیکن بلبو کو یوں لگا جیسے چھت کے اوپر درختوں کی شاخوں میں ہوا کی سرسراہٹ اور اُلوؤں کی آواز سنائی دے رہی ہو۔ جلد ہی اس کا سر نیند سے ڈولنے لگا اور آوازیں معدوم ہونے لگیں۔ لیکن یکا یک وہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھا۔

ہال کا بیرونی دروازہ زور دار چرچراہٹ کے ساتھ بند ہوا۔ بیورن غائب تھا۔ بونے آتشدان کے گرد آلتی پالتی مارے بیٹھے تھے۔ پھر وہ گیت گانے لگے۔ گیت کا مفہوم کچھ یوں تھا...

خشک جھاڑیوں میں ہوا چل رہی تھی
لیکن جنگل میں سب پتے ساکت تھے
جہاں دن میں اور رات میں سائے پھیلتے تھے
اور سائیوں میں کچھ رینگتا پھرتا تھا
سرد ہوائیں پہاڑوں سے اترتی ہیں
پانی کی لہر کی طرح چنگھاڑتی بڑھتی جاتیں
شاخیں کڑکڑائیں اور جنگل پھنکارے
اور کائی پر پتے گرتے جائیں
مغرب سے مشرق ہوا چلتی جائے

جنگل سارا ساکت ہو جائے
دلدل میں چیخیں اور آوازیں
سیٹیاں مارتی پھیلتی جائیں
جھومتے سرکنڈوں والی گھاس سرسرائے
نرسل روئے، روتی جائے
سرد ہوائیں ندیوں کا پانی اچھالیں
بادل بھاگیں اور پھٹتے جائیں
تیز ہوا سنگلاخ پہاڑ سے گزری جائے
اژدھے کی کچھار سے بڑھتی جائے
جہاں سیاہ چٹانیں پائی جائیں
اور فضا میں دھواں اٹھتا جائے
وہ دنیا چھوڑ کر اڑتی جائے
رات کے سمندر پہ چڑھتی جائے
ہوا پر چاند تیرتا جائے
اور تارے چاندنی پر پھیلتے جائیں

بلبو ایک مرتبہ اونگھنے لگا۔ یکا یک گنڈالف اٹھ کھڑا ہوا اور بلند آواز سے بولا، ''ہمارے سونے کا وقت ہو گیا ہے۔ لیکن شاید بیورن کا نہیں۔ اس ہال کے اندر ہم سب محفوظ ہیں لیکن میری بات غور سے سنو کہ کسی کو بیورن کا کہا بھولنا نہیں چاہیے کہ سورج نکلنے سے پہلے کسی کو اس ہال سے باہر نہیں جانا چاہیے ورنہ وہ اپنے نفع نقصان کا خود ذمہ دار ہوگا۔''

ہال کی ایک جانب بلند چوبی ستونوں اور بیرونی دیوار کے درمیان ایک ابھرے ہوئے چبوترے پر بستر لگا دیئے گئے تھے۔ بلبو کے لیے ایک طرف چھوٹا سا گدا اور اونی کمبل رکھا تھا۔

وہ سکون سے اپنے بستر میں گھس گیا۔ آگ کی روشنی مدھم ہونے لگی اور وہ نیند کی آغوش میں کھو گیا۔ نجانے رات کے کس پہر اس کی آنکھ کھلی۔ آتشدان میں اب صرف چند کوئلے دہک رہے تھے۔ گنڈالف اور بونے گہری نیند میں گم تھے۔ چھت میں آتشدان کے سوراخ سے پورے چاند کی چاندنی تاریک ہال کے ایک کونے کو دودھیا روشنی سے دھوئے ڈالتی تھی۔

باہر غرانے اور بھاری قدموں کی چاپ سنائی دے رہی تھی جیسے کوئی وحشی جانور ایک دوسرے کو بھنبھوڑ رہے ہوں۔ بلبو سوچنے لگا کہ یہ کیا ہوسکتا ہے۔ شاید یہ بیورن اپنی ریچھ کی جون میں ہو۔ کیا وہ ریچھ کی شکل میں اندر آجائے گا اور ان سب کو کھا جائے گا؟ اس نے اپنا کمبل اپنے سر پر کھسکایا اور خوف کے عالم میں پھر سو گیا۔

جب اس کی آنکھ کھلی تو دن چڑھ چکا تھا۔ ایک بونے نے نیند میں کروٹ بدلی اور بلبو کے اوپر آن لیٹا اور پھر دوسری ہی کروٹ میں ابھرے چبوترے سے نیچے فرش پر دھڑام سے جا گرا۔ یہ بوفور تھا اور جب بلبو کی آنکھیں کھلیں تو وہ بڑبڑا رہا تھا۔

وہ تنک کر بولا، ''اب اٹھ بھی جاؤ کاہل! ورنہ تمھارے لیے ناشتہ نہیں بچے گا۔''

بلبو لپک کر اٹھا، ''کہاں ہے ناشتہ؟''

ادھر ادھر پھرتے ہوئے بونوں نے جواب دیا، ''زیادہ تر تو ہمارے پیٹوں میں ہے۔ جو کچھ بچا ہے وہ باہر برآمدے میں پڑا ہے۔ جب سے سورج چڑھا ہے ہم بیورن کو تلاش کر رہے ہیں۔ لیکن اس کا کوئی نام ونشان ہی نہیں ہے۔ البتہ ہمارے اٹھنے سے پہلے ناشتہ باہر تیار رکھا تھا۔''

بلبو جلدی سے ناشتے کے لیے باہر کی جانب نکلا، ''گنڈالف کہاں ہے؟''

انھوں نے جواب دیا، ''اوہ۔ وہ بھی یہیں کہیں ہوگا۔'' لیکن گنڈالف بھی غائب تھا۔ انھیں شام تک گنڈالف دکھائی نہ دیا۔ وہ اس وقت نمودار ہوا جب بونے اور بلبو ہال میں بیٹھے شام کا کھانا کھا رہے تھے اور بیورن کے جانور ان کی خدمت میں مصروف تھے۔ خود بیورن بھی گزشتہ رات سے غائب تھا اور اب اس کے مہمانوں کو اپنے میزبان کی غیر حاضری پر تشویش لاحق ہونے لگی تھی۔

وہ سب گنڈالف کو دیکھتے ہی بول اٹھے، ''بیورن کہاں ہے؟ اور تم سارا دن کہاں تھے؟''

''ایک وقت میں ایک سوال! اور وہ بھی کھانے کے بعد.... میں نے صبح سے کچھ نہیں کھایا۔''

بالآخر مکھن، شہد اور ملائی لگی دو مکمل روٹیاں اور کم از کم ایک جگ شراب پیٹ میں اتارنے کے بعد گنڈالف نے اپنی پلیٹ اور جگ پرے دھکیلا اور اپنا پائپ نکالا۔ ''میں دوسرے سوال کا جواب پہلے دوں گا.... ارے، یہ تو بڑی زبردست جگہ ہے دھوئیں کے دائرے اڑانے کے لیے....'' اور واقعی وہ کافی دیر تک بیٹھا اپنے پائپ سے دھوئیں کے دائرے بنا کر اڑاتا رہا جو ہال میں ایستادہ ستونوں کے گرد مختلف شکلوں اور رنگوں میں اڑتے رہے اور پھر یکے بعد دیگرے چھت میں بنے سوراخ سے باہر نکل جاتے۔ باہر سے کتنا عجیب لگتا ہوگا، جب یہ دائرے ایک کے بعد دوسرے ہوا میں بلند ہوتے ہوں گے۔ سبز، نیلے، لال، سرمئی، پیلے، سفید، بڑے چھوٹے، چھوٹے دائرے بڑے دائروں میں سے گزرتے جاتے یا ایک دوسرے کے ساتھ جڑ کر آٹھ کا ہندسہ بناتے اور پھر پرندوں کے جھنڈ کی مانند دور آسمانوں میں غائب ہو جاتے۔

بالآخر وہ بولا، ''میں ریچھوں کے پیروں کے نشانات کے پیچھے چلتا گیا۔ کل رات یہاں ریچھوں کا اجتماع ہوا تھا کیونکہ نشانات سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ سارے نشانات بیورن کے پیروں کے نہیں ہو سکتے۔ وہ تعداد میں بہت زیادہ تھے اور سب پیمائش میں بھی مختلف تھے۔ میرے خیال میں یہاں چھوٹے، درمیانے، بڑے، بلند قامت اور دیوہیکل ریچھ موجود تھے جو رات بھر صبح ہونے سے کچھ دیر پہلے تک یہاں ناچتے رہے تھے۔ مغرب میں پہاڑوں کے سوا وہ ہر طرف سے آئے تھے۔ اس جانب سے کوئی نشانات آتے دکھائی نہیں دے رہے تھے صرف اس طرف جاتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ میں ان نشانات کے پیچھے چلتا گیا حتیٰ کہ کاروک کے قریب یہ نشانات دریا میں غائب ہو گئے۔ یہاں دریا اتنا گہرا اور بہاؤ اتنا تیز تھا کہ میں پار نہ جا سکا۔ تمھیں یاد ہوگا کہ جہاں سے ہم نے دریا پار کیا تھا وہاں پانی قدرے کم تھا، لیکن یہاں دریا

کے دوسری جانب ایک کھڑی چٹان تھی جہاں دریا میں تیز بھنور بن رہے تھے۔ مجھے میلوں دور چلنا پڑا اور ایک ایسی جگہ سے جہاں دریا اتھلا اور بہاؤ آہستہ تھا۔ دریا کے پار دوسری جانب پہنچ کر واپس اسی جگہ پر پہنچا جہاں پیروں کے نشانات تھے۔ لیکن اس وقت تک ان کا پیچھا کرنے میں بہت دیر ہو چکی تھی۔ بہر حال قدموں کے نشانات سیدھے اس جانب جا رہے تھے جہاں چیڑ کے جنگلوں کے بعد میدانوں میں ہماری وارگ بھیڑیوں سے مڈبھیڑ ہوئی تھی اور یوں میرا خیال ہے کہ میں نے تمھارے پہلے سوال کا جواب بھی دے دیا ہے۔'' یہ کہہ کر وہ دیر تک خاموشی میں بیٹھا رہا۔

بلبو سمجھا کہ وہ گنڈالف کی ڈھکی چھپی بات جان گیا ہے اور چلّا اٹھا، ''اوہ میرے خدا، اب ہم کیا کریں؟ اگر بھیڑیئے اور بھتنے بیورن کا پیچھا کرتے کرتے یہاں تک آن پہنچے تو کیا ہو گا؟ وہ ہم سب کو پکڑ لیں گے اور مار ڈالیں گے۔ تم نے تو کہا تھا کہ بیورن بھتنوں کا دشمن ہے۔''

''کہا تھا، ضرور کہا تھا۔ احمقوں والی باتیں مت کرو۔ جاؤ اور جا کر سو جاؤ، تمھاری عقل کام نہیں کر رہی۔''

بلبو اس سرزنش پر سُن ہو کر رہ گیا اور چونکہ اور کچھ کرنے کو سوجھا نہیں تو وہ سونے کو چل دیا۔ بونے وہیں بیٹھے گیت گانے لگے۔ بلبو اپنے بستر میں لیٹا بیورن کے بارے میں سوچتا رہا۔ پھر اس نے خواب دیکھا کہ باہر دالان میں چاندنی میں سیکڑوں ریچھ ہولے ہولے ناچ رہے ہیں۔ پھر اس کی آنکھ کھلی تو سب سو رہے تھے اور باہر سے ایک مرتبہ پھر گزشتہ رات کی طرح غراہٹوں اور بھاری قدموں کی دھمک سنائی دے رہی تھی۔

دوسرے دن خود بیورن انھیں جگانے آیا۔ اس کی گرجدار آواز ہال میں گونجی، ''اوہ، تو تم سب ابھی تک موجود ہو۔'' اس نے بلبو کو کسی بچّے کی مانند اٹھایا اور قہقہہ لگاتے ہوئے بولا، ''اور تمھیں ابھی تک کسی وارگ بھیڑیئے، بھتنے یا ریچھ نے نہیں کھایا۔'' پھر اس نے بلبو کے پیٹ پر انگلی رکھتے ہوئے کہا، ''شہد اور مکھن کھا کھا کر تمھارا پیٹ نکلنے لگا ہے۔ چلو آؤ، کچھ اور کھاتے ہیں۔''

یوں وہ ناشتے کی میز پر آن بیٹھے۔ آج بیورن خلافِ معمول کچھ زیادہ ہی خوش دکھائی دے رہا تھا۔ ناشتے کے دوران وہ خوش مزاجی سے انھیں کہانیاں سناتے ہوئے انھیں ہنسنے پر مجبور کرتا رہا۔ اس کی غیر موجودگی اور اس کی خوش مزاجی کا معمہ بھی جلد ہی حل ہو گیا کیونکہ اس نے خود ہی ساری کہانی بیان کر ڈالی۔ وہ دریا کے پار پہاڑوں تک جا پہنچا تھا جس سے اندازہ ہوا کہ وہ ریچھ کی شکل میں بہت تیز رفتاری سے سفر کر سکتا تھا۔ بھیڑیوں کے میدان کے گرد جلے ہوئے جنگل کو دیکھ کر اسے یہ معلوم ہوا کہ اس کے مہمانوں کی کہانی کا وہ حصّہ تو سچ تھا۔ لیکن وہاں اسے اور بھی بہت کچھ معلوم ہوا تھا۔ وہیں جنگل میں ایک وارگ بھیڑیا اور ایک بھتنہ بھی اس کے ہتھے چڑھ گیا تھا۔ ان دونوں سے اسے معلوم ہوا کہ بھتنوں کی ٹولیاں وارگ بھیڑیوں کے ساتھ مل کر ابھی تک بونوں کو تلاش کر رہی ہیں۔ بھتنے اپنے شاہ بھتنے کی موت پر پیچ پا تھے جبکہ بھیڑیوں کا سردار اپنی جھلسی ہوئی ناک اور جل بھن کر خاک ہو جانے والے اپنے ساتھیوں کے انتقام پر تلا بیٹھا تھا۔ یہ سب کچھ تو ان دونوں نے بیورن کو اس وقت بتایا جب اس نے ان کا ٹینٹوا دبایا۔ لیکن اسے خدشہ تھا کہ معاملات اس سے کہیں زیادہ سنگینی کی جانب بڑھ رہے ہیں۔ اسے اب اندازہ ہونے لگا تھا کہ بھتنوں کی ایک پوری فوج پہاڑوں سے اتر رہی تھی اور وارگ بھیڑیوں کے ساتھ مل کر بونوں کو تلاش کرنے اور جنگلات کے رہائشی انسانوں اور دیگر مخلوقوں پر حملہ آور ہونے اور ان کے خیال میں بونوں کو پناہ دینے پر ان سے انتقام لینے پر تیار تھی۔

بیورن بولا، ''تمھاری کہانی بھی دلچسپ تھی لیکن اب چونکہ مجھے اس کی سچائی کا ثبوت مل گیا ہے تو مجھے زیادہ اچھی لگ رہی ہے۔ میں معذرت چاہتا ہوں کہ مجھے پہلے تمھاری بات پر پورا یقین نہ آیا تھا۔ اگر تم بھی بن سیاہ کے جنگلات کے کنارے پر رہتے تو تم بھی کسی اجنبی کی باتوں پر یقین نہ کرتے۔ بہر حال میں فوراً واپس لوٹا کہ کہیں تمھیں کوئی خطرہ تو لاحق نہیں۔ لیکن ایک بات ہے کہ آج کے بعد میری نظروں میں بونوں کا احترام بڑھ گیا ہے۔ شاہ بھتنے کو مار ڈالا.... شاہ بھتنے کو مار ڈالا.... واہ۔'' اس نے ایک اور قہقہہ لگایا۔

بلبو یکا یک بول اٹھا، ''اور اس بھیڑیئے اور بھتنے کا کیا بنا؟''

بیورن بولا، ''آؤ اور خود دیکھ لو۔'' وہ اس کے پیچھے چلتے ہوئے گھر کے عقب میں پہنچے تو دروازے کے ایک چوبی تختے پر ایک بھتنے کا سر ٹنگا تھا۔ قریب ہی ایک درخت کے تنے پر ایک وارگ بھیڑیئے کی کھال ایک کھونٹے سے لٹکی تھی۔ بیورن ایک خطرناک اور خونخوار شکاری تھا۔ لیکن اب وہ ان کا دوست بن چکا تھا۔ اب گنڈالف نے مناسب جانا کہ اسے اپنی پوری داستان اور اپنے سفر کی حقیقی وجہ بھی بیان کر دی جائے تاکہ اس سے زیادہ سے زیادہ مدد حاصل کی جا سکے۔

بیورن نے ان کی پوری مدد کرنے کا وعدہ کیا۔ بن سیاہ کے سفر کے لیے وہ ان سب کو ایک ایک خچر اور گنڈالف کو ایک گھوڑا دینے پر تیار ہو گیا۔ ساتھ ہی کھانے پینے کی اشیا کی پوٹلیاں بھی جو اٹھانے میں ہلکی تھیں اور ان کے سفر میں چند ہفتے کام آ سکتی تھیں۔ بھنے ہوئے دانے، آٹا، خشک میووں اور شہد کے بند مرتبان اور کیک جو انھیں طویل سفر کے دوران بھوک و پیاس سے بچا سکیں۔ یہ سب چیزیں کیسے بنائی گئیں، یہ بیورن کا راز تھا۔ لیکن اس کے گھر میں بننے والی دیگر تمام چیزوں کی طرح ان سب لذیذ چیزوں میں شہد لازم جزو تھا۔ لیکن انھیں کھانے سے پیاس لگتی تھی۔ اس کے بقول جنگل تک پہنچنے تک انھیں پانی اٹھا کر لے جانے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ راستے میں بہت سی ندیاں اور چشمے آتے تھے۔ وہ کہنے لگا، ''لیکن بن سیاہ میں تمھارا سفر دشوار پرخطر ہو گا۔ وہاں خوراک اور پانی ملنا مشکل ہے۔ ابھی جنگلی بوٹیوں اور میووں کا موسم نہیں آیا۔ یوں بھی تمھارے جنگل کو پار کرنے تک موسم آ کر گزر بھی چکا ہو گا۔ ان علاقوں میں جنگلی بوٹیوں کے علاوہ اور کچھ نہیں اگتا جو کھایا جا سکے۔ جنگل میں عجیب اور وحشی مخلوقات پائی جاتی ہیں۔ میں تمھیں پانی کے لیے کچھ مشکیزے دے دوں گا اور کچھ تیر اور کمان بھی۔ لیکن مجھے شک ہے کہ بن سیاہ میں تمھیں کوئی بھی ایسی چیز نہ ملے گی جو کھانے یا پینے کے قابل ہو۔ وہاں صرف ایک ہی ندی ہے جو راستے کو کاٹتے ہوئی گزرتی ہے اور جس کا پانی گدلا اور کڑوا ہے۔ یہ پانی نہ پینے اور نہ نہانے کے لیے مناسب ہے۔ میں نے سن رکھا ہے کہ اسے

پینے والا اپنے حواس کھو بیٹھتا ہے اور اس پر غنودگی طاری ہو جاتی ہے۔ جنگل کی تاریکی میں تمھیں کچھ دکھائی نہیں دے گا جسے تم اپنے راستے سے بھٹکے بغیر تیروں سے شکار کرسکو۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے تمھیں اپنے راستے سے ایک قدم بھی ہٹنا نہ ہوگا۔ بس میں یہی مشورہ ہے جو میں تمھیں دے سکتا ہوں۔ تمھارے جنگل میں داخل ہونے کے بعد میں تمھاری کوئی مدد نہ کر سکوں گا۔ تمھیں اپنی قسمت، اپنی ہمت اور اس کھانے پر انحصار کرنا ہوگا جو میں تمھیں دے رہا ہوں۔ البتہ جنگل میں داخل ہونے سے پہلے تمھیں میرا گھوڑا اور میرے خچر واپس بھیجنے ہوں گے۔ میں امید کرتا ہوں کہ تمھارا سفر خیر و عافیت سے گزرے اور اگر کبھی تمھارا اس طرف دوبارہ گزر ہو تو میرے گھر کے دروازے تمھارے لیے ہمیشہ کھلے ہیں۔"

سب نے گرمجوشی سے اس کا شکریہ ادا کیا، اپنے ہیٹ اتار کر جھکے اور تعظیم بجا لائے اور کہنے لگے، "اے عظیم چوبی ہال کے مالک، ہم تمھاری خدمت میں حاضر ہیں۔" لیکن بیورن کی باتیں سننے کے بعد ان کا دل ڈوبنے لگا تھا اور وہ سوچنے لگے کہ سفر کا خطرناک ترین مرحلہ تو ابھی سامنے آنے کو تھا اور اگر سفر کی ساری مشکلات اور رکاوٹیں عبور کر بھی لیں تو آخر میں اژدھے سے مقابلہ تو باقی تھا۔

ساری صبح وہ سفر کی تیاریوں میں مصروف رہے۔ دوپہر کے وقت انھوں نے بیورن کے ساتھ آخری کھانا کھایا۔ کھانے کے بعد وہ اپنی اپنی سواری پر سوار ہوئے اور ایک مرتبہ پھر الوداع کہتے ہوئے وہ اس کے گھر کے گیٹ سے روانہ ہو گئے۔

بیورن کے گھر سے نکلتے ہی وہ شمال کی جانب چل دیئے اور پھر شمال مغرب کا رخ کر لیا۔ اس کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے وہ جنگل کی طرف جانے والی بڑی سڑک پر نہیں چل رہے تھے۔ اگر وہ اس جنوبی راستے پر چلتے تو وہ پہاڑوں سے نکلنے والی ایک ندی کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے اس مقام پر جا پہنچتے جو کاروک کے جنوب میں دریا سے جا ملتی۔ یہاں دریا گہرا تو تھا لیکن اگر ان کے پاس اپنے خچر ہوتے تو وہ اسے پار کر سکتے تھے۔ اس سے آگے وہ راستہ شروع ہوتا جو سیدھا جنگل کو پہنچتا۔ لیکن بیورن انھیں خبردار کر چکا تھا کہ اس راستے پر بھتنوں کی

موجودگی کا امکان ہے جبکہ دوسرا طویل راستہ دشوار گزار تھا اور اس کی راہ میں دلدلی علاقے بھی تھے جہاں اکثر جگہوں پر راستہ ختم ہو چکا تھا۔ یہ راستہ کوہِ یکتا کے جنوب تک جاتا تھا اور اس کے بعد بھی دشوار اور کٹھن تھا۔ کاروک کے جنوب سے بن سیاہ کی حدیں قریب تھیں اور یہاں سے دریائے عظیم سے گزرتے ہوئے پہاڑ بھی نزدیک تھے۔ بیورن نے انھیں یہی راستہ اختیار کرنے کا مشورہ دیا تھا کیونکہ کاروک سے چند ہی دن کے فاصلے پر ایک غیر معروف سا راستہ تھا جو بن سیاہ سے گزرتے ہوئے سیدھا کوہِ یکتا تک جا پہنچتا تھا۔

بیورن نے کہا تھا، ''بھتنے دریائے عظیم کو کاروک سے ایک سو میل جنوب تک پار کرنے کی ہمت نہیں کریں گے اور نہ ہی وہ میرے گھر کے قریب آئیں گے کیونکہ رات کے وقت میرے گھر کے گرد کڑا پہرہ ہوتا ہے۔ لیکن اگر میں تمھاری جگہ ہوتا تو اپنا یہ سفر جلد از جلد مکمل کرنے کی کوشش کرتا۔ کیونکہ اگر انھوں نے حملہ کیا تو وہ جنوب کی جانب سے دریا کو عبور کریں گے اور جنگل کی حد تک پہنچ کر تمھیں روکنے کی کوشش کریں گے اور یاد رکھنا، وارگ بھیڑیے تمھارے خچروں سے کہیں زیادہ تیز بھاگتے ہیں۔ اس کے باوجود تمھارا جنوب کی جانب سفر ہی زیادہ محفوظ ہوگا اگرچہ یہ راستہ تمھیں بھتنوں کے گڑھ کے قریب تر لے جائے گا۔ کیونکہ وہ اس کی توقع ہی نہیں کریں گے کہ تم ان کے اتنے قریب سے گزرنے کی ہمت کرو گے۔ اس لیے تمھارے تعاقب میں وہ جانا پہچانا اور طویل راستہ اختیار کریں گے۔ چلو اب روانہ ہو جاؤ۔''

یوں وہ اب خاموشی سے اپنے سفر پر روانہ تھے۔ جہاں زمین ہموار اور سرسبز ہوتی وہاں وہ اپنے جانوروں کو تیز بھاگنے پر مجبور کرتے۔ ان کے بائیں جانب پہاڑی سلسلہ تھا اور دائیں جانب دور درختوں کے درمیان دریا دھیرے دھیرے ان کے قریب ہوتا جاتا تھا۔ جب انھوں نے سفر شروع کیا تھا تو سورج مغرب کی جانب مڑا ہی تھا لیکن اب وہ سنہری افق کے قریب پہنچنے کو تھا۔ منظر اتنا حسین تھا کہ بھتنوں کا خیال ان کے دل سے نکل گیا تھا۔ جب انھیں بیورن کے گھر سے نکلے کافی وقت ہو گیا تو وہ ایک دوسرے سے باتیں کرنے اور گیت گانے لگے۔ لیکن جیسے ہی دن ڈھلنے لگا اور چاروں جانب تاریکی چھانے لگی اور پہاڑوں کی برفیلی چوٹیاں

اڈتی شام کے سامنے چمکنے لگیں تو انھوں نے پڑاؤ ڈالا اور پہریدار بٹھا کر سو گئے۔ لیکن کوئی بھی سکون سے نہ سو پایا اور سبھی کو خواب میں بھیڑیوں اور بھتنوں کی غراہٹیں سنائی دیتی رہیں۔

اگلی صبح روشن اور صاف تھی۔ صبح کے وقت ہوا میں قدرے خنکی اور زمین پر ہلکی ہلکی دھند سی پھیلی تھی۔ جیسے ہی سورج ابھرا تو دھند غائب ہوگئی۔ سورج ابھی افق سے بہت اوپر نہ چڑھا تھا کہ وہ پھر روانہ ہوگئے۔ یونہی وہ دو دن مزید چلتے رہے۔ انھیں چاروں جانب صرف گھاس، جنگلی پھول، پرندے اور اکّا دکّا درخت دکھائی دے رہے تھے۔ کبھی کبھار دور چرتے یا درختوں کے چھاؤں میں ستاتے سرخ ہرنوں کے ریوڑ نظر آتے۔ چند مرتبہ تو بلبو کو طویل گھاس میں بارہ سنگے کے سینگ بھی دکھائی دیئے جنھیں وہ کسی درخت کی سوکھی شاخیں سمجھا۔ بیورن نے کہا تھا کہ چوتھے دن کی صبح انھیں ہر حال میں بن سیاہ تک پہنچ جانا ہوگا اس لیے تیسرے دن وہ شام ہونے کے بعد بھی رات کو دیر تک چاندنی میں چلتے رہے۔ دھیمی دھیمی چاندنی میں اپنی بائیں جانب یا شاید اپنی دائیں جانب دور کچھ فاصلے پر بلبو کو ایک ہیولا سا دکھائی دیا جو ان کے ساتھ ساتھ چلا جا رہا تھا جیسے کوئی دیوہیکل ریچھ ہو۔ اس نے گنڈالف سے ذکر کیا تو اس نے ہولے سے جواب دیا، ''شش، اس پر کوئی دھیان نہ دو۔''

اگرچہ ان کا رات کا قیام قدرے مختصر تھا لیکن پھر بھی اگلے دن وہ پو پھوٹنے سے پہلے ہی روانہ ہو چلے۔ جیسے ہی روشنی ہوئی انھیں دور اپنے سامنے درختوں کی ایک تاریک قطار بڑھتی ہوئی دکھائی دی جیسے انھیں خوش آمدید کہنے آ رہی ہو یا جیسے کوئی سیاہ دیوار ان کے انتظار میں کھڑی انھیں گھور رہی ہو۔ زمین اب ہولے ہولے اوپر کی جانب بڑھ رہی تھی اور بلبو کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے چاروں جانب دھیرے دھیرے خاموشی چھانے لگی ہو۔ پرندوں کی چہچہاہٹ کم ہونے لگی تھی۔ اردگرد ہرن بھی دکھائی نہیں دے رہے تھے حتیٰ کہ بہت دیر ہوئی انھیں کوئی خرگوش بھی دکھائی نہ دیا تھا۔ دوپہر تک وہ بن سیاہ کے سامنے پہنچ گئے۔ وہ کچھ دیر سامنے کے درختوں کے سائے میں ستانے بیٹھ گئے۔ درختوں کے تنے موٹے اور پیچ دار تھے، شاخیں خمدار اور پتے سیاہ اور لمبے تھے۔ درختوں پر اگی گھنی بیلیں زمین تک پھیلی تھیں۔

گنڈالف بولا، ''یہ رہا بن سیاہ! جنوبی دنیا کا سب سے بڑا جنگل! امید ہے تمھیں اچھا لگ رہا ہوگا۔ اب تمھیں بیورن کے ان خچروں کو واپس بھیجنا ہوگا۔''

بونے اس تجویز پر بڑبڑانے لگے لیکن گنڈالف نے انھیں بتایا کہ ایسا نہ کرنا حماقت ہو گی۔ ''بیورن یہاں سے اتنا بھی دور نہیں جتنا تم سمجھ بیٹھے ہو۔ تمھیں اپنا عہد نبھانا ہوگا ورنہ تمھیں اس کی دشمنی بہت مہنگی پڑے گی۔ مسٹر بیگنز کی نگاہیں تم سب سے تیز ہیں ورنہ تم بھی اس دیوہیکل ریچھ کو دیکھ لیتے جو ہر رات ہمارے ساتھ ساتھ چلتا رہتا تھا یا چاندنی میں کچھ فاصلے پر بیٹھا ہمیں دیکھتا رہتا تھا۔ وہ نہ صرف ہماری رکھوالی کر رہا تھا بلکہ بیورن کے خچروں پر بھی نظر رکھے تھا۔ بیورن ہمارا دوست بن گیا ہے لیکن وہ اپنے جانوروں کو اپنے بچوں کی مانند چاہتا ہے۔ تمھیں اندازہ ہی نہیں ہے کہ اپنے خچروں پر اتنی دیر اور اتنی دور تک سواری کی اجازت دے کر اس نے تم پر کتنا بڑا احسان کیا ہے اور نہ ہی تمھیں اس بات کا احساس ہے کہ اگر تم اس کے خچروں کو جنگل میں لے گئے تو وہ تمھارے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔''

تھورین بولا، ''اور یہ گھوڑا؟ تم نے گھوڑے کو واپس بھیجنے کے بارے میں کچھ نہیں کہا۔''

''اس کے بارے میں نے اس لیے کچھ نہیں کہا کہ میں اسے واپس نہیں بھیج رہا۔''

''تو پھر تمھارا وعدہ کیا ہوا؟''

''یہ میرا اور بیورن کا معاملہ ہے۔ میں گھوڑا اس لیے واپس نہیں بھیج رہا کہ مجھے ابھی اس کی ضرورت ہے۔''

اب انھیں احساس ہوا کہ گنڈالف انھیں بن سیاہ کے کنارے پر چھوڑ کر جا رہا ہے۔ سب کے چہرے پر مایوسی چھا گئی۔ لیکن وہ کچھ بھی کہیں گنڈالف کا فیصلہ اٹل تھا۔

وہ کہنے لگا، ''دیکھو، جب ہم کاروک پر پہنچے تھے تو ہم اس معاملے پر بات کر چکے تھے۔ اب بحث کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ میں تمھیں بتا چکا ہوں کہ مجھے جنوب میں کچھ اہم امور نمٹانے ہیں اور پہلے ہی تمھاری وجہ سے مجھے بہت تاخیر ہو چکی ہے۔ ہوسکتا ہے اس مہم کے خاتمے پر ہم سب کی ملاقات ہو جائے اور ہوسکتا ہے کہ شاید نہ ہو۔ اس بات کا انحصار صرف تمھاری قسمت،

تمھاری بہادری اور تمھاری عقل پر ہوگا اور پھر تمھارے ساتھ مسٹر بیگنز بھی تو ہے۔ میں تمھیں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ مسٹر بیگنز کی صلاحیتیں تمھارے اندازوں سے کہیں زیادہ ہیں اور اس بات کا اندازہ تمھیں جلد ہی ہو جائے۔ چلو بلبو، اب خوش ہو جاؤ اور منہ بسورنا بند کرو۔ تھورین اور باقی سب لوگ، تم سب بھی خوش ہو جاؤ۔ یوں بھی یہ مہم تو تمھاری ہی ہے۔ اپنی اس مہم کے اختتام پر ملنے والے خزانے کے بارے میں سوچو اور اس اژدھے اور اس جنگل کے بارے میں بھول جاؤ.... کم از کم کل صبح تک۔''

لیکن دوسری صبح بھی اس کا وہی فیصلہ تھا۔ اب اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ قریب ہی بہنے والی ایک ندی سے اپنی چھاگلیں بھر لیں اور خچروں سے اپنا سامان اتار لیں۔ انھوں نے سارا سامان برابر تقسیم کر لیا، اگرچہ بلبو کا خیال تھا کہ اس کے حصے میں کچھ زیادہ ہی سامان آ گیا ہے۔ اسے ابھی سے یہ بھاری پوٹلی کاندھوں پر اٹھائے میلوں طویل جنگلی راستے میں پیدل چلنے کے خیال سے وحشت ہونے لگی تھی۔

تھورین بولا، ''فکر نہ کرو! جلد ہی تمھاری یہ پوٹلی ہلکی ہو جائے گی۔ مجھے یقین ہے کہ کھانے پینے کی اشیا ختم ہونے لگیں گی تو تم سب چاہو گے کہ تمھاری پوٹلیاں دوبارہ سے بھاری ہو جائیں۔''

انھوں نے خچروں کو آزاد کر دیا اور انھیں واپس گھر کی جانب موڑ دیا۔ خچر بھی خوشی خوشی واپس روانہ ہو گئے جیسے وہ بھی بن سیاہ سے دور نکل جانا چاہتے ہوں۔ انھیں جاتے دیکھتے ہوئے بلبو کو یوں لگا جیسے دور سائیوں میں ایک ریچھ نما ہیولا درختوں سے نکل کر ان خچروں کے پیچھے پیچھے چل دیا ہو۔ اب گنڈالف کے الوداع کہنے کی باری تھی۔ بلبو افسردہ ہو کر ایک جانب بیٹھ گیا اس کا جی چاہتا تھا کہ وہ بھی گنڈالف کے ساتھ اس کے گھوڑے پر بیٹھ جائے۔ صبح کے ناشتے کے بعد وہ جنگل میں چند قدم اندر تک گیا تھا۔ صبح کے وقت بھی جنگل میں اتنی تاریکی تھی جیسے رات ہو، چاروں جانب ایک پُراسرار سناٹا چھایا تھا، بلبو نے سوچا، ''جیسے کوئی دیکھ رہا ہو اور انتظار کر رہا ہو۔''

گنڈالف تھورین سے مخاطب ہوا، ''الوداع! تم سب کو الوداع! اب تمھیں جنگل میں سیدھا گزر کر جانا ہے۔ راستے کو کبھی مت چھوڑنا۔ اگر تم راستے سے اتر گئے تو ہزار بار کوشش کے باوجود تم دوبارہ اس راستے کو ڈھونڈ نہ پاؤ گے اور اس جنگل سے کبھی باہر نکل نہ پاؤ گے۔ اس صورت میں، میں تو کیا کوئی بھی تمھاری مدد کو نہ آ پائے گا اور نہ ہی تمھیں تلاش کر پائے گا۔''

بلبو بڑبڑایا، ''تو کیا اس جنگل سے گزرنا لازم ہے کیا؟''

گنڈالف بولا، ''ہاں لازم ہے۔ اگر تم دوسرے جانب پہنچنا چاہتے ہو تو بالکل لازم ہے یا تو تمھیں اس جنگل کو پار کرنا ہوگا یا اس مہم سے دستبردار ہونا ہوگا اور میں اس مرحلے پر تمھیں واپس نہیں جانے دوں گا۔ مسٹر بیگنز مجھے افسوس ہے کہ تمھیں یہ خیال ہی کیوں آیا۔ اب میری جگہ تمھیں ہی تو ان بونوں کا خیال رکھنا ہوگا۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

بلبو گڑبڑا گیا، ''نہیں! نہیں! میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ میرا مطلب تھا کہ کیا کوئی اور راستہ نہیں ہے؟''

''ایک اور راستہ بھی ہے۔ لیکن اس تک پہنچنے کے لیے تمھیں شمال میں دو سو میل جانا ہوگا اور پھر جنگل کے دوسری جانب تین سو میل واپس جنوب میں آنا ہوگا اور وہ راستہ بھی اتنا آسان اور محفوظ نہیں ہے۔ اس علاقے میں کوئی راستہ مکمل طور پر محفوظ نہیں ہے۔ یاد رکھو، اب تم دشتِ وحشت کے کنارے پر ہو اور جہاں بھی جاؤ گے کوئی نہ کوئی ابتلا تمھارے راستے میں ہوگی اور دوسرے راستے میں بن سیاہ کی دوسری جانب پہنچنے سے پہلے تمھیں کوہِ سرمئی کے قریب سے گزرنا ہوگا جو قسم قسم کے بھتنوں اور اورکوں سے بھرا ہوا ہے اور جنوب تک پہنچنے سے پہلے تمھیں روحوں سے باتیں کرنے والے ساحر ساؤرون کے علاقے سے گزرنا ہوگا اور بلبو، مجھے تمھیں اس شیطانی جادوگر کے بارے میں بتانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ تم اس کے محل کے قریب جانے کے بارے میں سوچنا بھی مت۔ بس تم جنگل والے راستے پر ہی رہنا، حوصلہ قائم رکھنا، بہتری کی امید رکھنا اور اگر تمھاری قسمت اچھی ہوئی تو ایک دن تم جنگل کی دوسری جانب دلدلی علاقوں سے گزرتے ہوئے مشرق میں کوہِ یکتا تک جا پہنچو گے جہاں

سماگ رہتا ہے۔ میں تو بس یہی امید کرتا ہوں کہ اسے تمھارے آنے کی خبر نہ ہوگئی ہو۔''

تھورین طنزیہ لہجے میں بولا، ''ہمارے حوصلے بڑھانے کا شکریہ! الوداع! اگر تم ہمارے ساتھ نہیں آسکتے تو ایسی باتیں کرنے کے بجائے بہتر ہے کہ تم اپنے سفر پر روانہ ہو جاؤ۔''

''الوداع اور سفر بخیر۔'' یہ کہتے ہوئے گنڈالف نے اپنے گھوڑا موڑا اور مغرب کی جانب روانہ ہو گیا۔ لیکن ابھی بھی وہ کچھ کہنا چاہتا تھا۔ اس سے پیشتر کہ وہ آواز کی حد سے باہر نکل جاتا وہ مڑا اور اپنے منہ کے گرد دونوں ہاتھ رکھ کر زور سے چلّایا۔ اس فاصلے پر انھیں اس کی آواز بہت دھیمی سنائی دے رہی تھی، ''الوداع! اپنا خیال رکھنا! اور راستے سے مت ہٹنا۔''

یہ کہہ کر وہ گھوڑا دوڑاتے ہوئے چند ہی لمحوں میں ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔

''الوداع، الوداع اور اب جاؤ بھی سہی۔'' بونے بڑبڑائے۔ اس کی غیر موجودگی میں ان کے حوصلے ابھی سے پست ہو چکے تھے۔ اب اس سارے سفر کا کٹھن ترین مرحلہ شروع ہونے کو تھا۔ انھوں نے اپنی اپنی پوٹلیاں اور پانی کی چھاگلیں اپنے کاندھوں پر اٹھائیں اور روشن میدان سے تاریک جنگل میں داخل ہو گئے۔

آٹھواں باب

مکھیاں اور مکڑیاں

وہ ایک قطار میں چلے جا رہے تھے۔ جنگل میں داخلے کا راستہ گھنے درختوں کے درمیان بنی ایک محراب سے شروع ہوتا تھا جو اوپر سے تقریباً جڑے تھے اور جن کے تنے سیاہ کائی سے ڈھکے تھے اور شاخوں پر سیاہی مائل پتے تھے۔ پتلا اور پُر پیچ راستہ درختوں کے تنوں کے درمیان سے گزر رہا تھا۔ جلد ہی اپنے عقب میں انھیں داخلی محراب ایک سرنگ کی مانند دکھائی دینے لگی۔ چاروں جانب اتنا گہرا سناٹا تھا کہ انھیں اپنے پیروں کی چاپ دھمک کی مانند سنائی دینے لگی جسے ان کے سروں پر جھکے درخت ہی سن رہے تھے۔

ہولے ہولے ان کی آنکھیں اندھیرے کی عادی ہوئیں تو انھیں پگڈنڈی کے دونوں جانب گھنی جھاڑیاں اور درخت دکھائی دینے لگے۔ کبھی کبھار سورج کی روشنی کی ایک کرن ٹہنیوں، شاخوں اور پتوں کے درمیان سے راستہ بناتی ہوئی دکھائی دیتی اور ان کے سامنے پگڈنڈی کو چند قدموں کے لیے روشن کر دیتی۔ لیکن ایسا گاہے بگاہے ہی ہوتا اور جلد ہی تاریکی میں کرنوں کا یہ کھیل بھی بند ہو گیا۔

بلبو کی آنکھیں بھی اب تاریکی کی عادی ہو چکی تھیں اور اسے راستے میں سیاہ گلہریاں

دکھائی دینے لگیں جو ان کے قریب آنے پر درختوں کے پیچھے چھپ جاتیں۔اب انھیں چاروں جانب جھاڑیوں، گھاس پھونس اور خشک پتوں کے ڈھیروں میں دھیمی لیکن عجیب وغریب آوازیں سنائی دینے لگیں۔ یہ آوازیں کہاں سے آ رہی تھیں یہ معلوم نہ ہو سکا۔سب سے خوفناک چیز جو انھیں دکھائی دے رہی تھی وہ دائیں بائیں دیواروں کی مانند بڑے بڑے مکڑیوں کے جالے تھے جو درختوں کے درمیان جمے تھے اور جن کی تاریں رسیوں کی مانند موٹی تھیں۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ ایک بھی جالا پگڈنڈی پر نہ تھا سبھی راستے کے دائیں بائیں تھے۔ یہ کوئی جادو تھا یا کوئی اور ماجرا کہ راستہ مکڑیوں کے جالوں سے خالی تھا، یہ معمہ ان کی سمجھ سے بالا تھا۔

اب انھیں بھتنوں کی سرنگوں کی طرح اس جنگل سے بھی خوف آنے لگا تھا اور یہاں بھی انھیں دور دور تک اس راستے کے اختتام کی کوئی امید دکھائی نہ دیتی تھی۔ لیکن ابھی انھیں بہت فاصلہ طے کرنا تھا۔ان کے دلوں میں آسمان یا دھوپ کی ایک کرن دیکھنے یا چہرے پر تازہ ہوا کے ایک جھونکے کی شدید خواہش ابھرنے لگی۔ درختوں کی گھنی چھت کے نیچے ہوا مکمل طور پر ساکت تھی۔ یہ سکوت اور تاریکی ان کا سانس روکے دیتی تھی۔ بونوں پر بھی یہی کیفیت طاری تھی حالانکہ وہ طویل عرصے تک سورج کی روشنی کے بغیر اپنی سرنگوں میں رہنے اور کام کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔سب سے بری حالت بلبو کی تھی جو اگرچہ زیرِ زمین گھر میں رہتا تھا لیکن پھر بھی دھوپ کی روشنی کا شیدائی تھا۔اس وقت اسے یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی اس کا گلا گھونٹ رہا ہو۔

راتیں تو اس سے بھی بدتر تھیں۔گھپ اندھیرا چھا جاتا۔ایسا گھپ اندھیرا نہیں جس کے ہم عام طور پر عادی ہوتے ہیں۔ایسا اندھیرا اور ایسی تاریکی کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا۔ بلبو اپنے چہرے کے سامنے اپنا ہاتھ ہلاتا لیکن اسے کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ خیر یہ کہنا بھی درست نہ ہوگا کہ انھیں قطعاً کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ انھیں اپنے اردگرد آنکھیں دکھائی دیتی تھیں۔ وہ سب اکٹھے سوتے تھے اور باری آنے پر پہرہ دیتے۔ جب بلبو کی باری آتی تو اسے اپنے گرد تاریکی

میں چمکتی نگاہیں دکھائی دیتیں۔ اسے کچھ فاصلے پر پیلی لال یا سبز آنکھیں دکھائی دیتیں جو ایک جگہ نمودار ہوتیں اور پھر آہستہ سے غائب ہو جاتیں اور تھوڑی دیر بعد دوسری جگہ نمودار ہو جاتیں۔ کبھی وہ آنکھیں عین اس کے اوپر درختوں کی شاخوں میں نمودار ہوتیں۔ اسے ڈر تو لگتا لیکن سب سے زیادہ خوفناک آنکھیں وہ تھیں جو گول زرد قسم کی تھیں۔ وہ سوچتا، ''یہ کسی کیڑے کی آنکھیں ہیں؟ کسی جانور کی ایسی آنکھیں تو نہیں ہوتیں۔ ہو نہ ہو کسی کیڑے مکوڑے کی آنکھیں ہیں۔ لیکن اتنی بڑی آنکھیں؟''

گو سردی بہت زیادہ تو نہ تھی لیکن انھوں نے پھر بھی پہرے کے دوران آگ جلانے کی کوشش کی، اور فوراً ہی ارادہ ترک کر دیا۔ وہ جیسے ہی آگ جلاتے، ان کے چاروں جانب سیکڑوں آنکھیں نمودار ہو جاتیں۔ وہ جو مخلوق بھی تھی، صرف اس کی آنکھیں ہی دکھائی دیتیں، باقی جسم ٹمٹماتے شعلوں کی روشنی میں دکھائی نہ دیتا تھا۔ آگ کی روشنی سے ہزاروں کی تعداد میں اور حجم میں ان کے ہاتھ کی مٹھی کے برابر سرمئی اور سیاہ پتنگے بھی برآمد ہوئے اور ان کے کانوں کے گرد بھنبھنانے اور منڈلانے لگے۔ ساتھ ہی پھڑ پھڑاتے پَروں والی چمگادڑیں بھی آن پہنچیں۔ وہ یہ سب برداشت نہ کر سکے اور آگ بجھانے میں ہی عافیت جانی۔ یوں وہ رات کی بھاری پرفسوں تاریکی میں بیٹھے اونگھنے لگے۔

بلبو کو لگتا کہ اس حالت میں سالوں سال گزر گئے۔ اب اسے بھوک بھی لگنے لگی تھی کیونکہ اب کھانے پینے کے معاملے میں وہ بہت محتاط ہو گئے تھے۔ لیکن جیسے جیسے ایک کے بعد دوسرا دن گزرنے لگا اور جنگل میں کوئی تبدیلی دکھائی نہ دی تو انھیں پریشانی لاحق ہونے لگی۔ کھانے پینے کی اشیا بھی کم ہو رہی تھیں۔ انھوں نے گلہریوں کا شکار کرنے کی کوشش کی، بہت سے تیر ضائع کرنے کے بعد انھوں نے ایک گلہری مار گرائی لیکن وہ کھانے میں اتنی بدذائقہ تھی کہ انھوں نے گلہریوں کے شکار سے توبہ کی۔

پیاس کا بھی ایسا ہی حال تھا کہ پانی بھی ختم ہونے کو تھا۔ جنگل میں سفر کے دوران انھیں کوئی ندی نالہ دکھائی نہ دیا تھا۔ ایسی ہی حالت میں انھیں اپنے سامنے ایک ندی دکھائی دی۔

اگرچہ ندی کا پاٹ بہت چوڑا نہ تھا لیکن پانی کا بہاؤ تیز اور زوردار تھا۔ پانی سیاہ رنگ کا تھا یا شاید تاریکی میں سیاہ دکھائی دے رہا تھا۔ اگر بیورن نے انھیں جنگل کے ندی نالوں کے پانی پینے سے منع نہ کیا ہوتا تو پانی کا رنگ جیسا بھی ہوتا وہ اس ندی سے پانی پی بیٹھتے اور اپنی چھاگلیں بھی بھر لیتے۔ بہرحال اب ان کا مقصد صرف اس ندی کو پار کرنا تھا۔ کسی زمانے میں ندی کے آر پار ایک لکڑی کا پل ہوتا ہوگا لیکن اب وہ گل سڑ کر گر چکا تھا اور دونوں کناروں پر صرف بوسیدہ شہتیر ہی بچ رہے تھے۔

بلبو نے کنارے پر بیٹھتے ہوئے اندھیرے میں گھور کر دیکھا اور چیخ اٹھا، ''دوسرے کنارے پر ایک کشتی ہے، کاش وہ اسی کنارے پر ہوتی۔''

''تمھارا کیا خیال ہے کشتی کتنی دور ہوگی؟'' تھورین نے پوچھا۔ اب وہ سب مان گئے تھے کہ ان سب میں بلبو ہی کی نگاہیں سب سے تیز تھیں۔

''بہت دور نہیں۔ میرے اندازے کے مطابق دس بارہ گز سے زیادہ نہ ہوگا۔''

''بارہ گز؟ میں سمجھا تھا کہ کم از کم تیس گز فاصلہ تو ہوگا۔ لیکن میری نظریں اب ویسی نہیں رہیں جیسی سو سال پہلے ہوا کرتی تھیں۔ پھر بھی ہمارے لیے تو بارہ گز بھی ایک میل کے برابر ہے۔ ہم چھلانگ بھی نہیں لگا سکتے اور اتنے تیز پانی میں چل کر بھی نہیں جا سکتے۔''

''کیا تم میں سے کوئی رسّی پھینک سکتا ہے؟''

''اس کا کیا فائدہ؟ اگر ہم رسّی کے ذریعے کنڈی پھینک بھی دیں پھر بھی کشتی یقیناً بندھی ہوگی۔''

بلبو بولا، ''میرا خیال ہے کہ کشتی بندھی نہیں ہے اگرچہ میں اس اندھیرے میں یقین سے نہیں کہہ سکتا۔ لیکن مجھے لگتا ہے کہ جیسے کسی نے یونہی کنارے پر کھینچ رکھی ہے۔ دوسری جانب کنارہ پانی کی سطح کے بالکل برابر ہی ہے۔''

تھورین بولا، ''ڈوری سب سے تگڑا ہے لیکن فیلی جوان ہے اور اس کی نظر سب سے تیز ہے۔ فیلی، یہاں آؤ! کیا تمھیں وہ کشتی دکھائی دے رہی ہے جس کا ذکر مسٹر بیگنز کر رہے ہیں؟''

فیلی کا کہنا تھا کہ اسے وہ کشتی دکھائی دے رہی ہے۔ جب چند لمحے وہ ٹکٹکی باندھے دوسرے کنارے کی جانب دیکھتا رہا اور اسے سمت اور فاصلے کا اندازہ ہو گیا تو اسے رسّی لا دی گئی۔ ان کے پاس بہت سی رسیاں تھیں جن میں سب سے طویل رسّی کے ایک سرے پر ایک آہنی کنڈا باندھ دیا گیا۔ فیلی نے سرا اپنے ہاتھ میں تھاما، چند لمحے اس کے وزن کا اندازہ لگاتا رہا اور پھر زور سے گھما کر اسے دوسری جانب اچھال دیا۔

شڑاپ کی آواز آئی اور کنڈا پانی میں جا گرا۔ ''نہیں پہنچا۔'' بلبو بولا جو آنکھیں سکیڑے اندھیرے میں گھور رہا تھا۔ ''چند گز اور آگے پھینکو تو عین کشتی میں جا گرے گا۔ پھر پھینکو! اور پانی کے جادو کی فکر نہ کرو۔ گیلی رسّی کو پکڑنے سے تمھیں کچھ نہیں ہوگا۔''

فیلی نے رسّی واپس کھینچی اور قدرے ڈرتے ڈرتے کنڈا اٹھایا اور اپنی پوری طاقت سے اسے دوبارہ ندی کے پار اچھال دیا۔

بلبو بول اٹھا، ''دھیان سے! تم نے کنڈا کشتی سے بھی آگے کنارے پر پھینک دیا ہے۔ اب اسے ہولے ہولے واپس کھینچو۔'' فیلی آہستہ آہستہ رسّی واپس کھینچنے لگا۔ چند لمحوں بعد بلبو پھر بول اٹھا، ''احتیاط سے! کنڈا کشتی میں ہے! شاید کنڈا کشتی میں پھنس جائے۔''

کنڈا پھنس گیا تھا۔ فیلی نے کھینچنا شروع کیا اور رسّی تن گئی۔ فیلی نے زور لگایا لیکن بے سود۔ پھر کیلی اور پھر اوئین اور گلوئین اس کی مدد کو آئے۔ چاروں نے پورا زور لگایا اور پھر یکا یک چاروں پیچھے جا گرے۔ بلبو ہوشیار کھڑا تھا اس لیے اس نے فوراً رسّی سنبھالی۔ کشتی ندی کے دوسرے کنارے سے تیزی سے ان کی جانب بڑھتی چلی آئی۔ وہ چلّایا، ''میری مدد کرو۔'' بالین فوراً آگے بڑھا اور اس سے پیشتر کہ کشتی پانی کی رو میں بہہ جاتی، اس نے کشتی کو پکڑ لیا۔

بالین نے اپنے ہاتھ میں پکڑی رسّی کو دیکھا اور بولا، ''یہ تو واقعی بندھی ہوئی تھی۔ اچھا ہوا کہ ہماری رسّی مضبوط تھی۔ تم لوگوں نے بھی خوب زور لگایا۔''

بلبو نے پوچھا، ''کون پہلے پار جائے گا؟''

تھورین نے جواب دیا، ''پہلے میں جاؤں گا اور میرے ساتھ تم! اور فیلی اور بالین۔ کشتی

میں ایک وقت میں چار افراد ہی سما سکتے ہیں۔ اس کے بعد کیلی اور اوئین، گلوئین اور ڈوری اور پھر اوری، نوری، بیفور اور بوفور اور آخر میں ڈوالین اور بومبور۔''

بومبور بولا، ''میں ہمیشہ آخر میں ہوتا ہوں۔ مجھے یہ بات بالکل پسند نہیں ہے۔ آج کوئی اور آخر میں جائے گا۔''

''اس میں قصور صرف تمھارے موٹاپے کا ہے اور اسی وجہ سے تمھیں آخر میں سب سے ہلکے مسافر کے ساتھ آنا ہوگا اور میرے حکم کے خلاف بڑبڑانے کی ضرورت نہیں ہے ورنہ تمھارے لیے اچھا نہ ہوگا۔''

بلبو بولا، ''کشتی میں چپو نہیں ہیں۔ کشتی دوسرے کنارے تک کیسے پہنچائیں گے؟''

فیلی بولا، ''مجھے ایک رسّی اور ایک دوسرا کنڈا دو۔'' دوسرے کنڈے کو رسّی سے باندھ کر اس نے ایک مرتبہ پھر کنڈا دوسری جانب اچھال دیا۔ اس مرتبہ کنڈے کی پانی میں گرنے کی آواز نہ آئی تو انھوں نے جان لیا کہ کنڈا دوسری جانب کسی درخت کی شاخوں میں پھنس گیا ہو گا۔ وہ بولا، ''چلو اب کشتی میں سوار ہو جاؤ۔ تم میں سے ایک کو درخت میں پھنسے کنڈے والی رسّی کو کھینچنا ہوگا اور دوسروں کو پہلی رسّی کو سنبھالنا ہوگا تاکہ دوسری جانب پہنچنے پر اس سے کشتی کو واپس اس کنارے پر کھینچا جا سکے۔''

یوں جلد ہی یکے بعد دیگرے وہ سب سیاہ پانی والی اس ندی کے دوسرے کنارے پر جا اترے۔ ڈوالین کاندھے پر رسّی لپیٹے کشتی سے اترا اور بومبور ابھی بڑبڑاتا ہوا کشتی میں ہی کھڑا تھا کہ یکایک وہ ہوا جو اس کے لیے اچھا نہ تھا۔ ندی سے جنگل میں داخل ہونے والے راستے پر یکایک دوڑتے ہوئے کسی چوپائے کے کھروں کی آواز سنائی دی اور پھر درختوں کے جھنڈ سے ایک ہرن سرپٹ دوڑتا ہوا برآمد ہوا۔ وہ پوری رفتار سے بونوں سے آٹکرایا۔ سارے بونے زمین پر جا گرے۔ ہرن ایک لمحے کو لڑکھڑایا اور پھر ندی پار کرنے کے لیے چھلانگ لگاتے ہوئے وہ فضا میں بلند ہوا۔ بونوں میں تھورین ہی تھا جو گرنے سے بچ گیا تھا اور اپنے ہوش و حواس قائم رکھے تھا۔ کشتی سے اترتے ہی اس نے حفظِ ماتقدم کے طور پر اپنی کمان میں ایک تیر

جوڑ دیا تھا، جیسے ہی ہرن نے چھلانگ لگائی تھورین نے نشانہ باندھ کر تیر چھوڑ دیا۔ تیر لگنے کے باوجود ہرن دوسرے کنارے پر جھاڑیوں میں غائب ہوگیا۔ اس کے سموں کی ٹاپ جلد ہی خاموشی میں بدل گئی۔

اس سے پیشتر کہ باقی تمام لوگ تھورین کے نشانے کی تعریف کرتے، بلبو کے چلّانے کی آواز بلند ہوئی، ''بومبور!.....بومبور پانی میں گر گیا!.....وہ ڈوب رہا ہے۔'' بومبور کا ایک پاؤں کشتی میں اور ایک زمین پر تھا جب ہرن ان سے آٹکرایا۔ وہ پیچھے کو پانی میں جا گرا اور کشتی دھکّے سے پانی میں چلی گئی۔ اس نے کنارے پر لگی گھاس اور جھاڑیوں کو پکڑنے کی کوشش کی لیکن بے سود۔ پانی کی تیز رو کشتی کو بہا کر لے گئی۔

بومبور کا ہیٹ پانی کی سطح پر دکھائی دے رہا تھا۔ وہ سب کنارے کی جانب لپکے اور کسی نے فوراً ایک رسّی اس کی جانب اچھال دی۔ چند ہی لمحوں میں اسے کھینچ کر باہر کنارے پر لا ڈالا گیا۔ وہ پانی سے شرابور تھا لیکن معاملہ اس سے کہیں زیادہ سنگین تھا۔ ندی کے سیاہ طلسمی پانی کی وجہ سے بومبور بے ہوش ہو چکا تھا۔ بے ہوشی کے عالم میں بھی رسّی اس کی گرفت میں تھی۔ تمام تر کوشش کے باوجود وہ اس کی اکڑی انگلیوں سے رسّی چھڑوانے میں ناکام رہے۔ اس دوران بومبور پُرسکون انداز میں بے ہوش پڑا رہا۔

وہ سب بے سدھ بومبور کے گرد حلقہ بنائے کھڑے اپنی قسمت کو کوس رہے تھے۔ بومبور کے بھونڈے پن کی وجہ سے اب کشتی بھی ان کے ہاتھوں سے جاتی رہی تھی اور ندی کے دوسری جانب ہرن بھی ان کی پہنچ سے باہر ہو چکا تھا۔ یکا یک انھیں دور کہیں شکاریوں کے نقارے اور شکاری کتوں کے بھونکنے کی آواز سنائی دینے لگی لیکن جلد ہی یہ آوازیں مدھم ہوتے ہوئے ختم ہوگئیں۔

وہ سب کافی دیر خاموشی میں بیٹھے رہے۔ ان کے سامنے بومبور گہری نیند میں پڑا سوتا رہا جیسے اسے ان کی پریشانیوں کی قطعاً کوئی پروا نہ تھی۔ اچانک جنگل میں ان کے راستے پر سفید ہرنوں کا ایک غول دکھائی دیا جو ایک مادہ اور چند بچوں پر مشتمل تھا۔ جنگل کی تاریکی میں سفید

رنگ کے ہرن چمک رہے تھے۔ اس سے پیشتر کہ تھورین کچھ کہہ پاتا تین بونوں نے پھرتی سے اپنی کمانوں میں تیر جڑے اور ہرنوں کے غول کی جانب چھوڑ دیئے۔ ایک بھی تیر اپنے نشانے پر نہ پہنچ سکا۔ ہرن جس خاموشی سے نمودار ہوئے اسی خاموشی سے درختوں کی تاریکی میں اوجھل ہو گئے۔

تھورین چیخا، ''رکو!.....رکو!.....'' لیکن بہت دیر ہو چکی تھی۔ اپنی جلد بازی میں بونے اپنے تمام تیر استعمال کر چکے تھے اور اب بیورن کی دی ہوئی کمانیں ان کے کسی کام کی نہ رہیں۔

بونوں کی ٹولی نے وہ ساری رات مایوسی کے عالم میں گزاری۔ آنے والے چند دن بھی ایسے ہی گزرے۔ وہ ندی تو پار کر چکے تھے لیکن دوسری جانب بھی راستہ ویسا ہی دشوار گزار تھا اور جنگل ویسا ہی تاریک۔ اگر وہ سفید ہرنوں اور شکاریوں کے نقاروں کی موجودگی کو سمجھ پاتے تو انھیں اندازہ ہو جاتا کہ اب وہ جنگل کے مشرقی کنارے کے قریب پہنچ چکے ہیں اور قدرے کم گھنے درختوں اور قدرے روشن راستوں کے امید میں اتنے مایوس نہ ہوتے۔

لیکن انھیں اس بات کا کوئی اندازہ نہ تھا اور وہ تھکے ہارے بومبور کو اٹھائے چلتے رہے۔ چار بونے بے سدھ بومبور کو کاندھوں پر اٹھاتے اور باقی ان چاروں کی پوٹلیاں سنبھالتے۔ وہ تو اچھا ہی ہوا کہ آخری دنوں میں یہ پوٹلیاں تقریباً خالی اور نسبتاً ہلکی ہو چکی تھیں ورنہ وہ ایک قدم بھی نہ چل پاتے۔ بہرحال بے سدھ لیکن غنودگی میں مسکراتا ہوا بومبور ہو یا سامان کی فالتو پوٹلیاں اٹھانا تو کاندھوں پر ہی تھا۔ جلد ہی وہ وقت آ گیا جب کھانے پینے کی تمام اشیا ختم ہونے لگیں۔ جنگل میں کوئی ایسی جڑی بوٹی نہ تھی جسے زہر مار کیا جا سکے، جو تھیں وہ کائی زدہ اور بدبودار تھیں۔

طلسماتی ندی پار کرنے کے تین چار دن بعد وہ جنگل کے ایسے حصے میں آن پہنچے جہاں زیادہ تر سفیدے کے درخت تھے۔ ابتدا میں تو وہ سب اس تبدیلی پر خوش ہوئے کیونکہ یہاں گھاس پھونس قدرے کم اور سائیوں کی تاریکی نسبتاً ہلکی تھی۔ یہاں انھیں اپنے اردگرد سبزی

مائل دھیمی دھیمی روشنی محسوس ہوئی اور اب انھیں راستے کے دونوں جانب کچھ فاصلے تک دکھائی دینے لگا۔ تاہم اس دھندلکے میں راستے کے دونوں جانب تا حدِّ نگاہ انھیں قطار اندر قطار صرف سفیدے کے درختوں کے ستواں تنے ہی دکھائی دے رہے تھے جیسے کسی قدیم ہال کے ستون ہوں۔ کبھی کبھار انھیں ہوا کی ہلکی ہلکی سرسراہٹ سنائی دیتی لیکن اس سرسراہٹ میں بھی ایک افسردگی تھی۔ کبھی چند خشک پتے ان کے قدموں میں آن گرتے جو اس بات کا عندیہ دیتے کہ دور کہیں خزاں کی آمد آمد تھی۔ وہ بھاری قدموں کے ساتھ اس راستے پر چلتے گئے جہاں نجانے کتنی خزاؤں کے پتے جنگل کے سرخی مائل غالیچے سے اڑتے ہوئے آن پڑے تھے۔

بومبور سکون سے سوتا رہا اور وہ تکان سے چور ہوتے گئے۔ کبھی کبھار انھیں دور کہیں ہنسنے کی آواز سنائی دیتی اور کبھی گیتوں کی آواز بلند ہوتی۔ ہنسنے کی یہ آوازیں بھتنوں اور دیوؤں کی آوازوں کے برعکس بہت خوشگوار تھیں۔ گیتوں کی آوازیں بھی خوش الحان تھیں لیکن نجانے کیوں انھیں ان آوازوں سے کوئی تسلی یا حوصلہ افزائی نہ ہوئی اور وہ اپنی رہی سہی طاقت سے ان آوازوں سے دور ہونے کی کوشش کرتے رہے۔

دوسرے روز راستہ ڈھلوان اختیار کرنے لگا اور جلد ہی وہ ایک وادی میں پہنچ گئے جہاں ہر جانب شاہ بلوط کے درخت تھے۔

تھورین بھنا کر بولا، ''کیا یہ منحوس جنگل کبھی ختم بھی ہوگا یا نہیں؟ ہم میں کسی ایک کو درخت پر چڑھنا ہوگا اور سب سے اونچی شاخ سے چاروں جانب جائزہ لینا ہوگا۔ سب سے آسان طریقہ یہ ہوگا کہ راستے کے ساتھ سب سے اونچے درخت پر چڑھا جائے۔''

ظاہر تھا کہ ''کسی ایک'' سے اس کی مراد بلبو ہی تھا۔ اس کا انتخاب اس لیے کیا گیا کہ اردگرد کے علاقے کا جائزہ لینے کے لیے ضروری تھا کہ درخت کی سب سے اونچی اور دبلی شاخ تک پہنچا جائے اور ایسا قافلے میں وہی شخص کر سکتا تھا جو سب سے دبلا پتلا اور وزن میں سب سے ہلکا ہو۔ بلبو بیگنز کو درختوں پر چڑھنے کا نہ تو کوئی خاص شوق تھا اور نہ ہی کوئی خاص مہارت۔ بہرحال انھوں نے کھینچ تان دھکیل کر اسے ایک بلند و بالا شاہ بلوط کی نچلی شاخوں

تک پہنچا ہی دیا جو راستے کے عین بیچ میں ایستادہ تھا اور بلبو جیسے تیسے درخت کی گھنی شاخوں سے گزرتا ہوا اوپر ہی اوپر چڑھتا ہی گیا۔ درخت کے بوسیدہ تنے پر جمی کائی سے اس کے ہاتھ اور چہرہ سبز ہو گیا۔ کئی مرتبہ وہ پھسلا اور گرتے گرتے بچا۔ بہرحال نجانے کتنی دیر اس مشکل میں گرفتار رہنے کے بعد بالآخر وہ درخت کی اونچی شاخوں تک پہنچ ہی گیا جہاں مزید کوئی ایسی شاخ نہ تھی جو اس کا وزن سنبھال سکتی۔ اس وقت اس کے ذہن میں صرف دو ہی باتیں تھیں، کیا ان درختوں میں کوئی مکڑیاں تو نہیں تھیں؟ اور کیا وہ (سر کے بل گرے بغیر) واپس نیچے اتر پائے گا؟

بہرحال آخرکار وہ درخت کی آخری شاخوں تک پہنچ گیا اور جلد ہی اس نے اپنا سر پتوں کی چھت سے اوپر نکالا اور تو کچھ نہیں البتہ مکڑیاں اسے مل گئیں۔ لیکن یہ چھوٹی چھوٹی معمولی مکڑیاں تھیں جو تتلیوں کے شکار میں مصروف تھیں۔ سورج کی تیز روشنی میں بلبو کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ اسے نیچے بونوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں لیکن وہ انھیں جواب نہ دے پا رہا تھا۔ وہ درخت کی شاخ کو مضبوطی سے تھامے آنکھیں جھپکتا بیٹھا رہا۔ دھوپ اس کی آنکھوں کو خیرہ کیے دیتی تھی اور بہت دیر بعد وہ اپنی آنکھیں کھول پایا۔ جب اس کی آنکھیں کھلیں تو اس نے دیکھا کہ اس کے چاروں جانب گہرے سبز رنگ کے درختوں کا ایک سمندر پھیلا ہوا تھا جہاں کہیں کہیں ہوا کے جھونکے تلاطم پیدا کیے دے رہے تھے اور تاحدِ نگاہ چہار سو ہزاروں کی تعداد میں تتلیاں منڈلاتی پھر رہی تھیں۔ دیکھنے میں وہ شاہِ سیاہ نسل کی تتلیاں لگتی تھیں جو شاہ بلوط کے درختوں میں پائی جاتی ہیں۔ لیکن ان کا رنگ بنفشی نہ تھا ان کے پروں کا رنگ انتہائی چمکدار مخملیں سیاہ تھا جس پر کسی قسم کا کوئی نشان نہ تھا۔

وہ دیر تک شاہِ سیاہ تتلیوں کو دیکھتا رہا اور اپنے چہرے اور بالوں میں ٹھنڈی ہوا کے احساس سے لطف اندوز ہوتا رہا، لیکن پھر نیچے بونوں کے چیخنے چلّانے نے اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کر لی جو پیر پٹخ کر اسے درخت پر چڑھنے کا مقصد یاد دلا رہے تھے۔ اس نے اپنے چاروں جانب نگاہ دوڑائی لیکن بے سود۔ ہر طرف جہاں تک نگاہ جاتی درخت ہی درخت

تھے۔ سورج کی روشنی اور تازہ ہوا نے چند لمحوں کے لیے اس کا حوصلہ بلند کیا تھا لیکن جنگل کے لامتناہی پھیلاؤ کو دیکھ کر وہ پھر مایوسی کا شکار ہو گیا۔ اب وہ بونوں کو کیا بتائے گا جن کے پاس اب کھانے کو بھی کچھ نہ تھا۔

درحقیقت وہ جنگل کے کنارے سے بہت دور نہیں تھے۔ اگر بلبو غور سے دیکھتا تو اسے اندازہ ہوتا کہ جس درخت پر وہ چڑھا بیٹھا تھا وہ ایک وسیع وعریض وادی کے درمیان میں واقع تھا اور اس کے اردگرد کا جنگل ایک پیالے کی شکل میں تھا اور اسے جنگل کا اختتام دکھائی نہ دیتا۔ چنانچہ وہ انتہائی مایوسی کے عالم میں درخت سے نیچے اترا۔ چھلے ہوئے ہاتھوں پیروں کے ساتھ پریشان حال وہ نیچے پہنچا تو اسے جنگل کے اندھیرے میں کچھ دکھائی نہ دیا۔ اس نے موجودہ صورتِ حال بیان کی تو اس کے ساتھیوں کے چہروں پر بھی مایوسی کے سائے لہرانے لگے۔

وہ کہہ اٹھے، ''چاروں جانب جنگل ہی جنگل ہے۔ اب ہم کیا کریں؟ اور اس کام پر اس ہابٹ کو بھیجنے کا کیا فائدہ ہوا؟''

اس رات انھوں نے اپنے آخری بچے کھچے کھانے کے ٹکڑوں پر اکتفا کیا۔ دوسرے دن جب وہ اٹھے تو انھیں پہلا احساس اسی بات کا ہوا کہ بھوک سے ان کے پیٹ میں چوہے دوڑ رہے ہیں۔ دوسری بات یہ تھی کہ بارش ہو رہی تھی اور جنگل کیچڑ سے لت پت ہو رہا تھا۔ بارش سے انھیں مزید احساس ہوا کہ انھیں پیاس لگی ہے۔ ان تینوں مشکلات کا ان کے پاس کوئی حل نہ تھا۔ اب وہ بارش سے بھیگتے ہوئے دیوہیکل شاہ بلوط درختوں کے نیچے پانی کے قطرے کے انتظار میں آسمان کی جانب منہ کھول کر کھڑے تو نہیں ہو سکتے تھے۔ ہاں ایک اچھی بات یہ ہوئی کہ بومبور جاگ اٹھا۔

بومبور یکا یک سر کھجاتا ہوا اٹھ بیٹھا۔ اسے کچھ اندازہ نہ تھا کہ وہ کہاں ہے اور اسے اتنی بھوک کیوں لگی ہے۔ اسے مئی کی ایک صبح کو شروع کیے جانے والے اپنے سفر کے بارے میں کچھ بھی یاد نہ رہا تھا۔ اسے کچھ یاد تھا تو بلبو کے گھر ہونے والی دعوت یاد تھی۔ اس کے ساتھیوں نے بمشکلِ تمام اسے اپنی مہم اور اس کے دوران پیش آنے والے واقعات کی داستان بیان کی۔

جب اسے بتایا گیا کہ ان کے پاس کھانے کو کچھ نہیں ہے تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا کیونکہ بھوک کے مارے وہ کمزوری محسوس کر رہا تھا اور اس کی ٹانگیں لڑکھڑا رہی تھیں۔ وہ روتے ہوئے چلّا اٹھا، ''اوہ میں سویا ہی کیوں نہ رہا؟ میں اتنے حسین خواب دیکھ رہا تھا۔ مجھے خواب میں دکھائی دیا کہ میں ایسے ہی کسی جنگل میں پھر رہا تھا لیکن اس جنگل میں درختوں پر مشعلیں آویزاں تھیں اور شاخوں پر لیمپ لٹک رہے تھے اور زمین پر الاؤ روشن تھے اور درمیان میں ایک شاندار دعوت جاری تھی۔ ایک جانب جنگل نگری کا بادشاہ بیٹھا تھا جس کے سر پر پھول پتوں کا تاج تھا۔ ہر طرف گیتوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ میز پر انواع واقسام کی ایسی ایسی اشیائے خورونوش تھیں کہ میں نہ گن سکتا ہوں اور نہ بیان کر سکتا ہوں۔''

تھورین بولا، ''کوشش بھی نہ کرنا! تمھارے ذہن میں اس وقت کھانے پینے کے علاوہ اور کوئی خیال نہیں آ رہا۔ اس لیے بہتر ہوگا کہ تم چپکے بیٹھے رہو۔ یوں بھی سب تم سے ناراض ہیں۔ اگر تم مزید کچھ دیر سوئے رہتے تو ہم تمھیں اسی جنگل میں تمھارے احمقانہ خوابوں سے لطف اندوز ہوتے چھوڑ جاتے۔ اس بھوک پیاس کے باوجود تمھیں کندھوں پر اٹھائے اٹھائے پھرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔''

مرتے کیا نہ کرتے، سب نے اپنے بھائیں بھائیں کرتے خالی پیٹوں پر پٹیاں باندھیں، خالی تھیلیاں اور بوریاں کاندھوں پر ڈالیں اور بھوک اور ناامیدی کے عالم میں چل دیئے۔ انھیں یقین تھا کہ جنگل کا خاتمہ ہونے سے پہلے ہی بھوک اور پیاس کے مارے اسی راستے پر گر کر وہ دم توڑ دیں گے۔ اسی مایوسی کے عالم میں وہ سارا دن بھاری قدموں کے ساتھ چلتے رہے۔ بومبور سارا راستہ کراہتا بڑبڑاتا رہا کہ اس کی ٹانگیں اب مزید اس کا وزن برداشت نہیں کر سکتیں اور کہ وہ یہیں کہیں لیٹ جانا چاہتا ہے اور سونا چاہتا ہے۔

باقی سب بھنا کر بولے، ''یہ ناممکن ہے! بہت دیر ہم سب نے تمھیں اٹھائے رکھا، اب تمھاری ٹانگوں کو بھی تمھارا وزن اٹھانا چاہیے۔''

لیکن بومبور کی ہمت جواب دے چکی تھی۔ وہ یکایک رکا اور دھڑام سے زمین پر دراز ہو

گیا اور بولا، ''تم سب جانا چاہتے ہو تو جاؤ! میں یہاں سے ایک قدم بھی آگے نہیں جا پاؤں گا۔ میں یہیں سونے لگا ہوں۔ اگر حقیقت میں کھانے کو کچھ نہ ملا تو کم از کم خواب میں تو دعوت اڑاؤں گا۔ کاش میں ہمیشہ کے لیے یونہی سوتا رہ جاؤں۔''

عین اسی لمحے بالین جو سب سے آگے چل رہا تھا، ٹھٹک کر رک گیا اور بول اٹھا، ''ارے، وہ کیا؟ لگتا ہے آگے کہیں روشنی دکھائی دے رہی ہے۔'' وہ سب آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اندھیرے میں دیکھنے لگے۔ واقعی دور کہیں ایک سرخ روشنی ٹمٹماتی دکھائی دے رہی تھی۔ پھر ایک اور.... اور ایک اور.... وہ سب دیوانہ وار ان روشنیوں کی جانب لپکے۔ بالین بھی فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور ان کے ساتھ بھاگ اٹھا۔ انھیں یہ پروا بھی نہ تھی کہ یہ روشنیاں بھتنوں کی تھیں یا دیوؤں کی۔ اب انھیں روشنی کی سرخی اپنے سامنے راستے کے دائیں جانب دکھائی دے رہی تھی۔ یقیناً کہیں کسی نے مشعلیں اور الاؤ روشن کر رکھے تھے۔

بومبور ہانپتے ہوئے بولا، ''لگتا ہے میرا خواب پورا ہونے لگا۔'' وہ سب سے آگے نکل کر سب سے پہلے روشنیوں کی جانب پہنچنا چاہتا لیکن باقی ساتھیوں کو راستے سے ہٹنے سے متعلق گنڈالف اور بیورن کی تنبیہ یاد تھی۔ تھورین بولا، ''ایسے کھانے کا کوئی فائدہ نہیں جس تک پہنچنے میں جان کو خطرہ لاحق ہو۔''

بومبور بولا، ''لیکن کھانے کے بغیر بھی تو جان کو خطرہ لاحق ہے۔'' اس کی اس بات سے بلبو مکمل طور پر متفق تھا۔

بہت دیر تک وہ اسی بات پر بحث کرتے رہے اور پھر اس بات پر اتفاق ہوا کہ چند افراد کو روشنی کی جانب جائزہ لینے بھیجا جائے۔ پھر اس بات پر بحث ہوئی کہ کس کو بھیجا جائے۔ کوئی بھی جنگل میں اکیلا جانے اور اپنے ساتھیوں سے جدا ہونے کا خطرہ مول لینے پر تیار نہ تھا۔ لیکن پھر بھوک نے فیصلہ کرا ہی دیا کیونکہ بومبور لگاتار انھیں اپنے خوابوں میں دکھائی دینے والی دعوت اور اس میں پیش کیے جانے والے انواع واقسام کے کھانوں اور مشروبات کے بارے میں بتاتا چلا رہا تھا۔ یوں وہ سارے اکٹھے راستے سے ہٹے اور جنگل میں روشنیوں کی جانب

بڑھنے لگے۔ دیر تک درختوں کے تنوں کے عقب میں چھپتے چھپاتے جھاڑیوں میں رینگتے وہ بالآخر ایک ایسی جگہ پر جا پہنچے جہاں کچھ درخت گرا کر ایک کھلی جگہ بنائی گئی تھی۔ وہاں سبز اور زرد لباس میں ملبوس بہت سے لوگ ایک الاؤ کے گرد دائرے میں بیٹھے تھے۔ یہ شکل وصورت سے پری زاد دکھائی دیتے تھے۔ درمیان میں ایک الاؤ دہک رہا تھا اور اردگرد درختوں سے مشعلیں لٹک رہی تھیں۔ لیکن سب سے حسین منظر یہ تھا کہ وہ کھا پی رہے تھے اور قہقہے لگا کر رہے تھے۔

بھنے ہوئے گوشت کی خوشبو اتنی اشتہا انگیز تھی کہ وہ مزید کوئی مشورہ مشاورت کیے بغیر سب لپک کر ان کی جانب بڑھے تاکہ کھانے پینے کو کچھ مانگ سکیں۔ جیسے ہی پہلے بونے نے جھاڑیوں سے باہر کھلی جگہ پر قدم رکھا کہ یکلخت ساری روشنیاں گل ہو گئیں اور ہر جانب اندھیرا چھا گیا۔ دہکتا ہوا الاؤ بھی یکایک چنگاریوں میں بدلا اور پھر تاریکی میں غائب ہو گیا۔ ایک مرتبہ پھر وہ سب گھٹا ٹوپ اندھیرے میں موجود تھے۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا اور وہ کافی دیر تک ایک دوسرے کو ڈھونڈتے رہے۔ بہر حال بہت دیر ادھر ادھر ٹھوکریں کھاتے، جھاڑیوں میں گرتے پڑتے، درختوں سے ٹکراتے، چیخ چیخ کر ایک دوسرے کو پکارتے وہ بالآخر ایک جگہ جمع ہونے میں کامیاب ہو ہی گئے۔ ٹٹول ٹٹول کر گنتی پوری کی گئی۔ اب تک انھیں قطعاً اندازہ نہ تھا کہ راستہ کہاں اور کس سمت میں تھا اور یوں کم از کم صبح ہونے تک وہ اس جنگل میں مکمل طور پر اپنا راستہ کھو چکے تھے۔ اب ان کے پاس یہیں اسی جگہ پر رات گزارنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ تھا۔ انھیں ایک مرتبہ پھر ایک دوسرے سے جدا ہونے کا اتنا خطرہ لاحق تھا کہ ان میں دعوت والی جگہ پر بچا کھچا کھانا تلاش کرنے کی ہمت بھی نہ ہوئی۔

ابھی وہ سب لیٹے ہی تھے اور بلبو کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں کہ پہرہ دینے پر معمور ڈوری بول اٹھا، ''وہ روشنیاں پھر سے دکھائی دے رہی ہیں اور پہلے سے کہیں زیادہ دکھائی رہی ہیں۔''

سب چھلانگ مار کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ واقعی تھوڑی ہی دور وہی روشنیاں ایک مرتبہ پھر جھلملا رہی تھیں اور انھیں یہاں تک ہنسنے اور گانے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ اس مرتبہ

وہ ایک قطار بنا کر اور ایک دوسرے کی پشت پر ہاتھ رکھے ہوئے ہولے ہولے روشنیوں کی جانب بڑھے۔ جب وہ قریب پہنچے تو تھورین بولا، ''اب آگے کوئی نہیں جائے گا۔ جب تک میں نہ کہوں کوئی اپنی جگہ سے نہیں ہلے گا۔ میں بلبو بیگنز کو بھیجنے لگا ہوں کہ وہ جا کر ان سے بات چیت کرے۔ بلبو کو دیکھ کر وہ خوفزدہ نہیں ہوں گے۔ (بلبو نے سوچا، ''اور ان کو دیکھ کر میرا کیا حال ہو گا؟'') یوں بھی مجھے امید ہے کہ وہ بلبو کو کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔''

جیسے ہی وہ روشنیوں کے دائرے کے کنارے پر پہنچے تو انھوں نے بلبو کو اچانک آگے دھکیل دیا۔ بلبو کو اپنی طلسماتی انگوٹھی پہننے کا موقع ہی نہ ملا اور وہ یونہی ایک دم الاؤ اور مشعلوں کی روشنی کے دائرے میں جا کھڑا ہوا لیکن بے سود۔ ایک مرتبہ پھر تمام روشنیاں یکلخت گل ہو گئیں اور چاروں جانب اندھیرا چھا گیا۔

اگر پہلی مرتبہ ایک دوسرے کو ڈھونڈنے میں انھیں دقّت پیش آئی تو دوسری مرتبہ معاملہ کہیں زیادہ مشکل ثابت ہوا۔ اب تمام تر کوشش کے باوجود وہ بلبو کو تلاش نہ کر پائے۔ جتنی مرتبہ وہ اکٹھے ہوئے اور گنتی کی، ہر مرتبہ وہ تیرہ ہی تھے۔ وہ چاروں جانب چیختے اور چلّاتے رہے، ''بلبو بیگنز! ہابٹ، ارے او احمق ہابٹ! ہابٹ، تمھارا بیڑہ غرق ہو، کہاں ہو تم؟'' لیکن ہابٹ کی جانب سے کوئی جواب نہ آنا تھا نہ آیا۔

وہ سب امید کا دامن ہاتھ سے چھوڑے بیٹھے تھے کہ اچانک ڈوری کو کسی چیز سے ٹھوکر لگی۔ اسے یوں لگا جیسے تاریکی میں اس کا پاؤں لکڑی کے کسی تنے سے ٹکرایا لیکن ٹٹولنے پر معلوم ہوا کہ یہ تو بلبو تھا جو زمین پر گہری نیند سو یا تھا۔ بڑی مشکل سے اسے جھنجوڑ جھنجوڑ کر جگایا گیا، لیکن جب وہ جاگا تو بڑبڑانے لگا، ''میں ایسا خوبصورت خواب دیکھ رہا تھا، دنیا کا بہترین کھانا کھا رہا تھا۔''

وہ سب کہنے لگے، ''اوہ میرے خدا، اس کا حشر بھی بومبور جیسا ہو گیا ہے۔ بس کرو اب یہ خوابوں کی باتیں، کیا فائدہ ان خوابوں کی دعوتوں کا؟ جن سے ہم مل بیٹھ کر لطف اندوز بھی نہیں ہو سکتے۔''

بلبو بڑبڑایا، ''اس منحوس جنگل میں یہی خوابوں کی دعوتیں ہی تو ہیں جن سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔'' یہ کہتے ہی وہ ایک مرتبہ پھر لیٹ گیا اور آنکھیں موند کر دوبارہ اپنے خواب کی تلاش میں نکل گیا۔ لیکن روشنیوں کا معاملہ ابھی اپنے خاتمے سے کہیں دور تھا۔ ابھی رات ڈھلی نہ تھی کہ کیلی نے ان سب کو جگایا اور بولا، ''وہ دیکھو، وہاں ان روشنیوں کا میلہ لگا ہے، لگتا ہے یکا یک کسی نے جادو سے سیکڑوں مشعلیں اور درجنوں الاؤ دہکا ڈالے ہوں اور سنو تو گیتوں اور بربطوں کی آوازیں بھی سنائی دے رہی ہیں۔''

وہ سب کچھ دیر وہیں لیٹے کان لگا کر سنتے رہے لیکن پھر ان سے رہا نہ گیا اور ایک مرتبہ پھر ان روشنیوں کے قریب جانے اور وہاں سے کسی قسم کی مدد حاصل کرنے کی امید پر قابو نہ پا سکے۔ وہ پھر اٹھے اور چل دیئے لیکن اس مرتبہ نتیجہ پہلے سے بھی بدتر رہا۔ اس مرتبہ دعوت پہلے سے کہیں زیادہ شاندار تھی اور دعوت سے لطف اندوز ہونے والے پری زادوں کی طویل قطار کے آخر میں میز کے کونے پر جنگل نگری کا بادشاہ بیٹھا تھا جس کے سنہری بالوں پر پھول پتیوں کا تاج رکھا تھا، عین ویسے ہی جیسے بومبور نے اپنے خواب میں بیان کیا تھا۔ پری زاد ایک دوسرے کو پیالے اور رکابیں پیش کر رہے تھے اور کچھ بربط بجا رہے تھے اور کچھ گیت گا رہے تھے۔ ان کے سنہری بالوں میں جنگلی پھول اڑسے تھے۔ ان کے لباس پر گلے اور پیٹیوں میں سبز اور سفید جواہرات جگمگا رہے تھے اور چہروں پر اور ان کے گیتوں میں مسرت اور شادمانی عیاں تھی۔ ان کی آوازیں بلند و شفاف اور گیت نغمگی سے بھرپور تھے کہ یکا یک تھورین اندھیروں سے نکلا اور ان کے درمیان جا پہنچا۔

ایک ہی لمحے میں تمام روشنیاں بجھ گئیں اور تمام آوازیں ساکت ہو گئیں۔ ہر جانب تاریکی اور سکوت چھا گیا۔ الاؤ کے شعلے سیاہ دھوئیں میں بدل گئے اور چنگاریاں اور راکھ بونوں کی آنکھوں میں چبھنے لگی اور جنگل میں ایک مرتبہ پھر بونوں کی چیخ و پکار سے گونج اٹھا۔

بلبو ایک مرتبہ پھر ادھر ادھر بھاگنے لگا اور اپنے ساتھیوں کو پکارنے لگا، ''ڈوری، نوری، اوری، اوئین، گلوئین، فیلی، کیلی، بومبور، بیفور، بوفور، ڈوالین، بالین، تھورین اوکن شیلڈ...''

اسے اپنے اردگرد سے یہی آوازیں بلند ہوتی سنائی دے رہی تھیں، تاہم کبھی کبھار کوئی ''بلبو'' کی آواز بھی لگا دیتا۔ لیکن بلبو کو جلد ہی محسوس ہوا کہ دوسروں کی آوازیں دھیرے دھیرے دور ہوتی جا رہی ہیں۔ کچھ دیر بعد اسے یوں لگا کہ وہ ایک دوسرے کو پکار نہیں رہے بلکہ وہ ایک دوسرے کو مدد کے لیے بلا رہے ہیں۔ پھر سب آوازیں بند ہو گئیں اور بلبو مکمل تاریکی اور سناٹے میں اکیلا رہ گیا۔

یہ بلبو کی زندگی کے بدترین لمحات تھے۔ لیکن اس نے جلد ہی فیصلہ کر لیا کہ صبح کی روشنی پھوٹنے سے پہلے کچھ کرنا بے سود ہے اور کھانے پینے کی کسی بھی چیز کی تلاش میں ادھر ادھر ٹھوکریں کھاتے پھرنا بھی لاحاصل ہے۔ اس لیے وہ ایک درخت کے ساتھ پشت ٹکا کر بیٹھ گیا اور ایک مرتبہ پھر اپنے گھر اور اس کے توشہ خانے کے بارے میں سوچنے لگا۔ وہ بھنے ہوئے گوشت کے پارچوں، ابلے ہوئے اور تلے ہوئے انڈوں اور ٹوسٹ اور مکھن کے تصورات میں گم تھا کہ اچانک اسے یوں لگا کہ جیسے کسی نے اس کے ہاتھ کو چھوا ہو۔ اس کے ہاتھ کے ساتھ مضبوط لیس دار رسی نما چیز لگ رہی تھی۔ اس نے ہلنے کی کوشش کی تو اسے اندازہ ہوا کہ اس کی ٹانگیں بھی اسی لیس دار رسی سے جکڑی ہوئی تھیں۔ اس نے ہڑبڑا کر اٹھنے کی کوشش کی تو وہ اوندھے منہ جا گرا۔

پھر وہ دیوہیکل مکڑی جو بلبو کی غنودگی کے عالم میں درخت کے عقب سے اسے اپنے جال میں لپیٹنے میں مصروف تھی اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔ اندھیرے میں بلبو کو صرف اس کی آنکھیں دکھائی دے رہی تھیں لیکن اسے مکڑی کی بالوں بھری ٹانگیں بھی محسوس ہو رہی تھیں جن کی مدد سے وہ چاروں جانب سے اسے اپنے جال میں باندھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ تو خیر رہی کہ وقت پر اس کی آنکھ کھل گئی۔ اگر وہ چند لمحے مزید سوتا رہتا تو اس کا بچ نکلنا ناممکن ہوتا۔ اب بھی مکڑی سے بچ نکلنے کے لیے اسے سرتوڑ کوشش کرنا پڑی۔ اس نے اپنے ہاتھوں سے مکڑی پر تابڑتوڑ مکوں کی بارش کر دی۔ مکڑی اسے ڈنک مارنے کی کوشش کرتی رہی تاکہ وہ زہر کے اثر سے بے سدھ ہو جائے۔ پھر یکا یک بلبو کو اپنی تلوار یاد آئی۔ تلوار کے پہلے ہی وار سے مکڑی

پیچھے اچھلی اور بلبو کو اپنی ٹانگیں آزاد کرنے کا موقع مل گیا۔ پھر بلبو اچھل کر کھڑا ہوا اور اس پر حملہ آور ہو گیا۔ شاید مکڑی کا جنگل میں کسی ایسی مخلوق سے واسطہ نہ پڑا تھا جس کے پاس ایسی نوکدار چبھنے والی چیزیں ہوں، اسی لیے وہ میدان چھوڑ کر نہ بھاگی۔ چشم زدن میں بلبو نے اس کی آنکھوں پر ایک وار کیا۔ وہ تکلیف کے عالم میں پاگلوں کی طرح ادھر ادھر اچھلنے کودنے ناچنے لگی، موقع ملتے ہی بلبو نے ایک اور وار کیا اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ وہ تھوڑی دیر مکڑی کی لاش کے سامنے کھڑا رہا اور پھر وہ اپنے ہوش وحواس بھی کھو بیٹھا اور زمین پر گر گیا۔

جب اس کی آنکھ کھلی تو اس کے چاروں جانب جنگل میں دن کی سرمئی مائل روشنی چھائی تھی۔ مکڑی کی لاش اس کے قدموں میں پڑی تھی اور اس کی تلوار کی دھار سیاہ مادے سے لتھڑی تھی۔ نجانے کیوں لیکن گنڈالف یا بونوں کی مدد کے بغیر اس تاریک جنگل میں اکیلے اس دیوہیکل مکڑی کو مار کر بلبو میں ایک عجیب قسم کا اعتماد عود کر آیا تھا۔ وہ خود کو ایک بدلا ہوا شخص سمجھنے لگا، خالی پیٹ کے باوجود خونخوار اور جنگجو شخص! اس نے اپنی تلوار گھاس پر صاف کی اور اسے واپس نیام میں ڈال دیا۔

تلوار کے دستے پر ہاتھ رکھ کر وہ اپنی تلوار سے مخاطب ہوا، ''میں تمھیں ایک نام دینا چاہتا ہوں۔ آج سے تمھارا نام ہوگا، 'ڈنک'۔''

اس کے بعد وہ ایک جانب چل دیا۔ اگرچہ جنگل حسبِ معمول تاریک اور ساکت تھا لیکن اسے سب سے پہلے اپنے ساتھیوں کو تلاش کرنا تھا جن کا بہت دور ہونا بعید از قیاس تھا۔ ہاں اگر وہ پری زادوں یا ان سے بھی کسی بدتر مخلوق کے قبضے میں تھے تو معاملہ مختلف تھا۔ بلبو کو احساس تھا کہ جنگل میں چیخنا چلّانا دانشمندی نہ ہوگی اور وہ دیر تک کھڑا سوچتا رہا تھا کہ ان کا راستہ کس جانب ہو سکتا ہے اور اپنے ساتھیوں کی تلاش میں اسے کس جانب جانا ہوگا۔

وہ خود کو کوسنے لگا، ''اوہ کاش ہم گنڈالف اور بیورن کے مشوروں پر چلتے۔ اب ہم نجانے کس مصیبت میں گرفتار ہو چکے ہیں۔ اوہ، کاش ہم سب اکٹھے ہوتے۔ اکیلا ہونا بھی کیسا عذاب ہے۔''

آخر میں وہ انگل پچو اندازے پر ہی اس جانب چل دیا جس جانب سے اس کے مطابق رات کو پکارنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ خوش قسمتی سے، وہ پیدائشی طور پر ہی خوش قسمت واقع ہوا تھا، اس کا اندازہ قدرے درست ہی ثابت ہوا، جیسا کہ ہم جلد ہی دیکھیں گے۔ ایک سمت کی جانب چلنے کا فیصلہ کرنے کے بعد وہ انتہائی احتیاط سے پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہوئے چل دیا۔ میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ ہابٹ خاموشی اور احتیاط سے خصوصاً جنگلوں میں چلنے کے ماہر ہوتے ہیں۔ مزید برآں چلنے سے پہلے بلبو نے اپنی طلسمی انگوٹھی بھی پہن لی تھی۔ یوں مکڑیوں کو اس کے آنے کی خبر تک نہ ہوئی۔

چپکے چپکے چلتے ہوئے اسے بہت دیر نہ گزری تھی کہ وہ ایک ایسی جگہ پر آن پہنچا جہاں اس کے سامنے گھٹا ٹوپ اندھیرا تھا۔ اس جنگل میں بھی وہ جگہ اس قدر تاریک تھی جیسے کسی نے دن کی روشنی میں آدھی رات کا ایک پہر لا رکھا ہو۔ جب وہ قریب پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ آگے پیچھے اوپر نیچے ایک دوسرے سے جڑے مکڑیوں کے لاتعداد جالے موجود تھے اور پھر اس کی نگاہ عین اپنے سر کے اوپر درختوں میں بیٹھی سیکڑوں دیوہیکل خوفناک مکڑیوں پر پڑی۔ انگوٹھی پہننے کے باوجود خوف سے اس کی ٹانگیں لرزنے لگیں کہ کہیں وہ اسے دیکھ نہ لیں۔ ایک درخت کے پیچھے کھڑا وہ بہت دیر تک مکڑیوں کے جھنڈ کو دیکھتا رہا اور سناٹے اور تاریکی میں یکا یک اسے احساس ہوا کہ یہ کریہہ الشکل مکڑیاں درحقیقت ایک دوسرے سے باتیں کر رہی تھیں۔ ان کی آوازیں پتلی کرخت اور سرسراتی ہوئی تھیں اور تھوڑی ہی دیر بعد بلبو کو ان کی باتوں میں بہت سے الفاظ سمجھ آنے لگے۔ اوہ، وہ بونوں کے بارے میں ہی باتیں کر رہی تھیں۔

ایک بولی، ''انھوں نے مدافعت تو خوب کی لیکن بہرحال مزہ آ گیا۔ ان کی کھالیں تو سخت اور موٹی ہیں لیکن مجھے یقین ہے کہ اندر سے یہ سب خوب رس بھرے ہوں گے۔''

دوسری بولی، ''ہاں اور انھیں کھاتے ہوئے خوب لطف آئے گا۔ بس ذرا تھوڑی دیر مزید لٹکے رہیں۔''

تیسری بول اٹھی، ''انھیں بہت دیر تک لٹکتے نہیں رہنا چاہیے۔ وہ پہلے ہی کچھ زیادہ

موٹے نہیں ہے۔ لگتا ہے بہت عرصے سے انھیں کچھ کھانے کو نہیں ملا ہے۔"

چوتھی پھنکاری، "میں تو کہتی ہوں ان سب کو مار ڈالو ابھی.... ابھی انھیں مار ڈالیں اور پھر جتنی دیر جی چاہے لٹکتے رہیں۔"

پہلی بولی، "مجھے تو لگتا ہے وہ پہلے ہی مر چکے ہیں۔"

"نہیں، ابھی وہ زندہ ہیں۔ میں نے ابھی ایک کو ہلتے دیکھا ہے۔ میرا خیال ہے اپنی نیند سے بیدار ہو رہے ہوں گے۔ ٹھہرو میں تمھیں دکھاتی ہوں۔"

یہ کہتے ہی ایک موٹی مکڑی ایک رسی پر چڑھتی گئی اور ایک اونچی شاخ سے لٹکتی ہوئی درجن بھر بوری نما چیزوں کے قریب جا پہنچی۔ بلبو نے اندھیرے میں غور سے ان چیزوں کو دیکھا تو وہ بھونچکا رہ گیا۔ اسے ان بوریوں میں کچھ کے نیچے سے بونوں کے پاؤں، کسی سے ناک، کسی سے داڑھی نکلی دکھائی دی۔ مکڑی ایک گول مٹول بوری کے قریب جا پہنچی۔ بلبو نے سوچا، "ہو نہ ہو یہ بومبور ہوگا۔" مکڑی نے بوری کے ایک کونے سے باہر نکلی ہوئی ناک پر زور سے کاٹا تو اندر سے دبی دبی سی چیخ سنائی دی۔ بوری نے نیچے سے ایک ٹانگ اٹھی اور سیدھی مکڑی کے منہ پر جا لگی، بومبور میں ابھی تک مدافعت باقی تھی۔ اس ضرب کی ایسے آواز آئی جیسے پھٹے ہوئے فٹ بال کو ٹھوکر لگائی جائے۔ چوٹ کھائی ہوئی مکڑی نیچے گری اور پیشتر اس کے کہ زمین پر آن گرتی اس نے اپنی ہی ایک رسی سے خود کو سنبھالا۔

دوسری مکڑیاں قہقہے لگا کر ہنسنے لگیں، "تم ٹھیک کہہ رہی تھی۔ ابھی ان کے گوشت میں جان باقی ہے۔"

نیچے گرنے والی مکڑی قہر آلود لہجے میں بولی، "میں ابھی اس کا بندوبست کرتی ہوں۔" یہ کہتے ہوئے وہ دوبارہ درخت کی شاخ کی جانب لپکی۔

بلبو کو احساس ہوا کہ یہی وقت ہے کہ اسے کچھ کرنا چاہیے۔ وہ درخت پر چڑھ نہیں سکتا تھا اور اس کے پاس پھینکنے کے لیے بھی کچھ نہ تھا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا تو اس کے چاروں جانب لاتعداد چھوٹے بڑے پتھر پڑے تھے۔ ہابٹ پتھروں سے نشانہ لگانے میں بہت ماہر ہوتے

ہیں۔فوراً اس نے ایک انڈے کی شکل والا گول پتھر اٹھایا۔ بچپن میں وہ پتھروں اور کنکریوں سے چیزوں کے نشانے لگایا کرتا تھا۔ کوئی خرگوش، گلہری یا پرندہ اس کے نشانے سے بچ نہ پاتا تھا۔ جیسے ہی وہ زمین کی جانب جھکتا یا ہاتھ بڑھاتا تو سب جانور جان بچانے فرار ہو جاتے۔ جوانی میں بھی وہ برچھیوں، آہنی گیندوں، نوکھونٹوں جیسی ایسی تمام کھیلوں میں پیش پیش رہتا جن میں نشانہ بازی یا پھینکنے کا عمل شامل ہوتا۔ ویسے بھی وہ بہت سی کھیلوں میں طاق تھا جیسے پائپ کے دھوئیں سے مرغولے بنانا، پہیلیاں اور بجھارتیں بوجھنا یا کھانا پکانا جن کے ذکر کے لیے میرے پاس وقت نہیں تھا۔ وقت تو اب بھی نہیں ہے۔ جب بلبو پتھر جمع کر رہا تھا مکڑی بومبور کے قریب پہنچ چکی تھی اور وہ مکڑی کے زہریلے ڈنک کا نشانہ بننے سے چند لمحے ہی دور تھا۔ عین اسی وقت بلبو نے تاک کر نشانہ لگایا اور پوری طاقت سے پتھر پھینکا۔ پتھر سیدھا مکڑی کے سر پر لگا، اس کا بھیجا کھل گیا اور وہ زمین پر آ رہی۔ اس کی ٹانگیں چند لمحے کپکپائیں اور پھر آسمان کی جانب ساکت ہو گئیں۔

دوسرا پتھر ایک گھنے جال کے پر بیٹھی ایک اور مکڑی کو لگا جو بیٹھے بیٹھے مر گئی۔ اس پر مکڑیوں میں ہلچل مچ گئی اور چند لمحوں کے لیے وہ بونوں کو بھول گئیں۔ اگرچہ بلبو ان کی نگاہوں سے اوجھل تھا لیکن پھر بھی انھیں تھوڑا بہت اندازہ ہو رہا تھا کہ پتھر کس سمت سے آ رہے ہیں۔ وہ سب بجلی کی سی تیزی سے اس جانب لپکیں جہاں بلبو موجود تھا اور ہر طرف اپنی لیس دار ڈوریاں پھینکنے لگیں۔ جلد ہی چاروں جانب ڈوریوں کا ایک جال سا بچھ گیا۔ تاہم اس دوران بلبو اپنی جگہ بدل چکا تھا۔ اس کے ذہن میں مکڑیوں کو چکمہ دیتے ہوئے انھیں جہاں تک ہو سکے بتدریج بونوں سے دور لے جانے کا منصوبہ بن چکا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ مکڑیوں کو پریشان اور مشتعل بھی کرنا تھا۔ جب پچاس کے قریب مکڑیاں اس جگہ پر جا پہنچیں جہاں وہ پہلے موجود تھا تو اس نے ان پر پتھروں کی بوچھاڑ کر دی اور چند پتھر ان مکڑیوں پر بھی پھینک مارے جو پیچھے بچ رہی تھیں۔ پھر درختوں کے پیچھے چھپتے ہوئے اس نے مکڑیوں کو مزید طیش دلانے کی خاطر ایک گیت گانا شروع کر دیا تا کہ مکڑیاں غیظ و غضب میں اس کے تعاقب میں بھاگیں اور ساتھ ہی

ساتھ بونوں کو بلبو کی موجودگی کا احساس ہو جائے۔ اس نے یہ گیت گانا شروع کر دیا...

کاہل بوڑھی مکڑی درخت پر جال بنتی ہے
کاہل بوڑھی مکڑی مجھ کو دیکھ نہ سکتی ہے
کیٹر کرِچ کیٹر کرِچ.... اب تو رک جاؤ
جال بنانا بس کرو اور مجھ کو ڈھونڈ دکھاؤ
موٹی بوڑھی مکڑی کی توند تھل تھل کرتی ہے
موٹی بوڑھی مکڑی مجھ کو ڈھونڈ نہ سکتی ہے
کیٹر کرِچ کیٹر کرِچ.... اب تو نیچے اتر آؤ
درخت سے نیچے اترو اور مجھ کو پکڑ دکھاؤ

مانا کہ یہ کوئی بہت اعلیٰ معیار کا گیت نہیں ہے لیکن یاد رہے کہ یہ گیت اسے عین اسی مشکل وقت میں فی البدیہہ ترتیب دینا پڑا تھا۔ بہر حال گیت جیسا بھی ہو بلبو کا مقصد پورا ہو چکا تھا۔ گاتے گاتے اس نے چند اور پتھر پھینکے اور اپنے پیر زمین پر پٹخے۔ تقریباً ساری ہی مکڑیاں اس کی جانب لپکیں، کچھ زمین پر اتر کر بھاگیں، کچھ درختوں کی شاخوں پر لپکیں، کچھ اپنی ڈوریوں کی مدد سے ایک درخت سے دوسرے درخت پر اچھلیں، اور باقی چاروں جانب اپنی ڈوریاں پھینکنے لگیں۔ اب مکڑیاں غصّے کے عالم میں تیزی سے اس کی آواز کی جانب بڑھ رہی تھیں۔ پتھروں سے اپنی ساتھیوں کو مرتے اور زخمی ہوتے دیکھ تو یوں بھی مکڑیاں برآنگیختہ ہو چکی تھیں اس پر مستزاد یہ کہ کیٹر کرِچ کسی بھی مکڑی کے لیے ناقابلِ برداشت ہوتا ہے اور موٹی بوڑھی مکڑی کہہ کر پکارنا تو کسی بھی مخلوق کے لیے ناقابلِ قبول ہوگا۔

بلبو پھرتی سے ایک نئی جگہ کی جانب لپکا لیکن اب مکڑیوں کو بھی کچھ نہ کچھ اندازہ ہو چلا تھا اور وہ اپنے علاقے میں چاروں جانب پھیل چکی تھیں اور درختوں کے درمیان ہر راستے پر اپنے جال بننے میں مصروف تھیں۔ اگر مکڑیوں کا منصوبہ اپنی تکمیل کو پہنچ جاتا تو جلد ہی بلبو ایک حصار

میں مقید ہو جاتا۔ اپنے جالوں کا دائرہ بناتی ہوئی مکڑیوں کے درمیان کھڑے بلبو نے ہمت کی اور ایک نیا گیت گانے لگا...

کاہل لاب اور پاگل کاب میرے لیے جال بنانے بیٹھی ہیں
گوشت تو میرا میٹھا ہے پر پہلے مجھے ڈھونڈ تو لو
میں مکھی ہوں دبلی پتلی سی، تم مکڑی ہو کاہل موٹی سی
جال بناؤ تم جیسے بھی، مجھ کو پکڑ نہ پاؤ گی

یہ کہتے ہی وہ مڑا تو کیا دیکھتا ہے کہ دو بلند و بالا درختوں کے درمیان آخری خلا بھی مکڑیوں کے جال سے بند ہو چکا تھا لیکن خوش قسمتی سے جال بہت گھنا نہ تھا محض چند ڈوریاں ایک درخت سے دوسرے درخت تک تنی تھیں۔ بلبو نے اپنی تلوار نیام سے نکالی اور چند ہی واروں میں ڈوریاں کاٹ ڈالیں اور دوبارہ اپنا گیت گاتا دوسری جانب نکل بھاگا۔

مکڑیوں کو تلوار تو نظر آ گئی لیکن میرا خیال ہے انھیں اندازہ نہ تھا کہ تلوار کیا ہوتی ہے۔ پھر بھی مکڑیوں کا ایک گروہ درختوں کی شاخوں پر اور زمین پر بالوں سے بھری ٹانگیں لہراتا، دانت کچکچاتا اور اپنے ڈنک ہلاتا غیظ و غضب میں منہ سے جھاگ اڑاتا بلبو کے تعاقب میں دوڑا۔ وہ جنگل میں بلبو کی آواز کے پیچھے دور تک بھاگتی رہیں اور پھر انتہائی خاموشی سے بلبو واپس بونوں کی جانب لوٹ آیا۔

وہ جانتا تھا کہ اس کے پاس زیادہ وقت نہیں ہے اور مکڑیاں اس کی تلاش سے مایوس ہو کر جلد ہی واپس اپنی کمین گاہ تک لوٹ آئیں گی جہاں انھوں نے بونوں کو لٹکایا تھا۔ سب سے مشکل کام اس اونچی شاخ تک پہنچنا تھا جہاں بونے بوریوں کی صورت میں لٹکے تھے۔ وہ اس شاخ تک کبھی نہ پہنچ پاتا اگر مکڑیاں وہاں ایک ڈوری چھوڑ نہ جاتیں۔ اگرچہ لیس دار ڈوری اس کی ہتھیلیوں سے چپک رہی تھی پھر بھی وہ جیسے تیسے اوپر جا پہنچا۔ وہاں ایک بوڑھی خرانٹ موٹی مکڑی موجود تھی جو دوسروں کی غیر موجودگی میں بونوں کی رکھوالی کے لیے بیٹھی تھی۔ گاہے بگاہے

وہ بونوں کو اپنے ڈنک چبھو کر دیکھتی تھی کہ ان میں کون سا شکار سب سے زیادہ رسیلا ہے۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ دوسروں کی واپسی سے پہلے ہی ایک دو بونوں پر ہاتھ صاف کر ڈالے لیکن بلبو نے اسے موقع نہ دیا۔ اس سے پیشتر کہ مکڑی کو اندازہ ہوتا کہ کیا ہو رہا ہے بلبو کے ''ڈنک'' نے اس کا قصہ تمام کر دیا اور وہ دھپ سے زمین پر آن گری۔

اب بلبو کا کام بونوں کو آزاد کرانا تھا۔ لیکن یہ کیسے کیا جائے؟ اگر وہ اس ڈوری کو کاٹتا جس سے بوریاں بندھی تھیں تو بونے اتنی بلندی سے نیچے زمین پر آن گرتے۔ درخت کی گھنی شاخوں سے گزرتا ہوا وہ پہلے بونے تک پہنچا تو اس کی حرکات سے شاخ سے لٹکتے ہوئی بوریاں کسی پکے ہوئے پھل کی مانند اچھلنے کودنے لگے۔

پہلی بوری کی اوپر سے اسے ایک نیلا کنٹوپ باہر نکلا دکھائی دیا، اس نے سوچا، ''کیا یہ فیلی ہوگا یا کیلی؟'' پھر جیسے اس کی نظر ایک لمبوتری ناک پر پڑی جو ڈوریوں کے درمیان سے باہر دکھائی دے رہی تھی تو اس نے سوچا، ''یہ فیلی ہی ہوگا۔'' اس نے آگے بڑھتے ہوئے بوری کی ڈوریاں کاٹنا شروع کیا اور پھر ایک جھٹکے سے فیلی باہر نمودار ہوا۔ آخر میں صرف اس کی بغلوں کے نیچے چند ڈوریاں باقی رہیں تھیں اور جب اس کی ٹانگیں اور بازو آزاد ہوئے تو وہ انھیں ہلانے لگا۔ بلبو کی ہنسی چھوٹ گئی کیونکہ اس وقت فیلی ایک کٹھ پتلی نما چوبی کھلونے کی مانند دکھائی دے رہا تھا۔

بمشکلِ تمام بلبو کھینچ تان کر فیلی کو شاخ تک لے آیا۔ اگرچہ اس کی طبیعت مکڑیوں کے ڈنک کے زہر اور ایک دن اور ایک رات مکڑیوں کے جال میں لپٹے لٹکتے رہنے کی بنا پر بہت خراب تھی لیکن پھر بھی اس نے بلبو کی مدد کرنے کی کوشش کی۔ بڑی مشکل سے اس نے اپنی آنکھوں اور ابروؤں سے جالے کی لیس ہٹائی۔ اس کام میں اسے اپنی آدھی داڑھی بھی کاٹنا پڑی۔ بہرصورت دونوں نے مل کر باقی بونوں کو کھینچ گھسیٹ کر شاخوں پر لا رکھا اور انھیں آزاد کرنے لگے۔ سب کی حالت فیلی جیسی ہی تھی، چند کی حالت تو فیلی سے بھی بدتر تھی۔ کچھ تو سانس بھی نہ لے سکتے تھے (لمبی ناکوں کا بھی انھیں کوئی فائدہ نہ ہوا) اور کچھ پر مکڑیوں کے زہر

کا کچھ زیادہ ہی اثر ہوا تھا۔

یوں انھوں نے کیلی، بیفور، بوفر، ڈوری اور نوری کو آزاد کرالیا۔ بومبور جو سب سے زیادہ موٹا تھا مکڑیوں کی نوازشوں کا کچھ زیادہ ہی شکار رہا تھا اور اسے سب سے زیادہ ڈسا گیا تھا۔ اس کی تو حالت اتنی خراب تھی کہ جال سے چھوٹتے ہی وہ درخت سے پھسل کر دھڑام سے نیچے زمین پر آن گرا۔ خوش قسمتی سے جہاں وہ گرا وہاں خشک پتوں کا ایک بڑا ڈھیر تھا۔ درخت پر ابھی پانچ بونے لٹکے تھے کہ مکڑیوں کی واپسی شروع ہوگئی جو پہلے سے بھی زیادہ مشتعل ہو چکی تھیں۔

بلبو فوراً شاخ کے اس حصے پر جا پہنچا جہاں وہ درخت کے تنے سے جڑی تھی اور درخت پر چڑھنے والی مکڑیوں سے نبرد آزما ہو گیا۔ فیلی کو آزاد کراتے ہوئے اس نے اپنی طلسماتی انگوٹھی اتار دی تھی اور اب اسے دوبارہ پہننے کا موقع نہ تھا۔ اب تمام مکڑیاں اپنی سرسراتی پھنکارتی آواز میں بولنے لگیں، ''اب تم ہمیں دکھائی دے رہے ہو۔ اب تمھیں ہمارا شکار ہونے سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ جلد ہی تمھاری ہڈیاں اور کھال اسی درخت پر لٹکی ہوگی۔ ارے، اس کے پاس ڈنک بھی ہے! کوئی بات نہیں۔ یہ پھر بھی ہمارے ہاتھوں بچ نہیں سکے گا۔ پھر یہ بھی ایک دو دنوں کے لیے یہیں سر کے بل الٹا لٹکا ہوگا۔''

جب یہ سب ہو رہا تھا تو دوسری جانب بونے باقی بونوں کو اپنی تلواروں اور چاقوؤں کی مدد سے آزاد کرانے میں مصروف تھے۔ اگرچہ ایک بات ظاہر تھی کہ جلد ہی وہ سب آزاد ہو جائیں گے لیکن کوئی نہیں جانتا تھا کہ اس کے بعد کیا ہوگا۔ گزشتہ رات مکڑیوں نے انھیں آسانی سے پکڑ لیا تھا لیکن اس وقت تاریکی تھی اور مکڑیوں نے انھیں انجانے میں آ لیا تھا۔ اس وقت مکڑیوں اور بونوں کے درمیان جنگ ناگزیر تھی۔

یکا یک بلبو کی نظر نیچے پڑی تو اس نے دیکھا کہ زمین پر بے سدھ پڑے بومبور کے گرد متعدد مکڑیاں اکٹھی ہو چکی تھیں اور وہ ایک مرتبہ پھر اس کے گرد اپنا جال بن کر اسے اٹھا لے جانے کی کوشش کر رہی تھیں۔ بلبو چیخا اور اپنے سامنے موجود مکڑیوں پر تابڑ توڑ حملہ کر دیا۔ مکڑیاں

خوفزدہ ہو کر پسپا ہوئیں اور بلبو پھرتی سے درخت سے نیچے اترا اور ایک چھلانگ میں زمین پر موجود مکڑیوں کے عین درمیان میں آ کودا۔ مکڑیوں کے لیے بلبو کی تلوار ایک نیا ہتھیار تھا۔ اب یہ تلوار چاروں جانب لپک رہی تھی۔ جیسے جیسے مکڑیاں تلوار کا شکار ہوتیں یوں لگتا کہ تلوار خوشی کے مارے چمک رہی ہو۔ درجن بھر مکڑیاں جہنم واصل ہوئیں تو باقی بومبور کو چھوڑ کر پیچھے ہٹ گئیں۔

بلبو درخت کی شاخ پر بیٹھے بونوں سے چلّا کر مخاطب ہوا، ''نیچے آؤ، نیچے آؤ! وہاں مت بیٹھے رہو ورنہ دوبارہ پکڑے جاؤ گے۔'' وہ دیکھ چکا تھا کہ مکڑیوں کی ایک بڑی تعداد ایک مرتبہ پھر سے اردگرد کے درختوں پر چڑھنے لگیں تھیں اور بونوں کے دائیں بائیں شاخوں میں جمع ہو رہی تھیں۔ گیارہ کے گیارہ بونے لٹکتے گھسٹتے پھسلتے گرتے پڑتے نیچے آن پہنچے۔ زیادہ تر کے سر چکرا رہے تھے اور ٹانگیں کپکپا رہی تھیں۔ اب وہ سب زمین پر پہنچ گئے تھے۔ درمیان میں بومبور بیٹھا تھا جسے بومبور کا عم زاد بیفور اور اس کا بھائی بوفر سنبھالے بیٹھے تھے۔ ان سب کے گرد بلبو تلوار چلاتا گھوم رہا تھا۔ ان کے چاروں جانب سیکڑوں کی تعداد میں غضبناک مکڑیاں دائیں بائیں آگے پیچھے اور اوپر گھیرا تنگ کیے جا رہی تھیں۔ صورتِ حال سنگین دکھائی دے رہی تھی۔

اور پھر جنگ چھڑ گئی۔ کچھ بونوں کے پاس اپنے خنجر تھے، کچھ کے پاس لاٹھیاں اور سب کے اردگرد پتھر موجود تھے۔ بلبو کے ہاتھ میں پری زادوں کی تخلیق کردہ تلوار تھی۔ یکے بعد دیگرے مکڑیوں کے حملے پسپائی کا شکا ہوئے اور بہت سی مکڑیاں موت کے گھاٹ اتریں۔ لیکن ایسا بہت دیر تک جاری نہ رہ سکتا تھا۔ بلبو تھکان سے چور ہو رہا تھا۔ بونوں میں سے صرف چار ہی شد و مد سے جنگ میں مصروف تھے۔ عین ممکن تھا کہ جلد ہی وہ مکھیوں کی مانند دوبارہ ان مکڑیوں کے جال میں ہوتے۔ مکڑیاں ابھی سے ان کے اردگرد واقع درختوں کے درمیان جالوں کی ایک اور دیوار بننے میں مصروف ہو گئیں۔

ایسے میں بلبو کو بونوں پر اپنی طلسمانی انگوٹھی کا راز افشا کرنے کے علاوہ اور کوئی ترکیب نہ سوجھی۔ اس کا جی تو نہیں چاہ رہا تھا لیکن اب اور کوئی چارہ بھی نہ تھا۔

وہ بولا، ''میں غائب ہونے لگا ہوں۔ میں مکڑیوں کو دوسری جانب لے جاؤں گا۔ تم سب اکٹھے رہنا اور ہو سکے تو مخالف سمت میں فرار ہو جانا۔ وہاں بائیں جانب سے اسی سمت راستہ جاتا ہے جہاں ہمیں آخری مرتبہ پری زادوں کی روشنیاں دکھائی دی تھیں۔'' بونے ابھی تک اپنے خطا اوسان، چیخنے چلّانے، لاٹھیوں کے وار اور پتھروں کی بوچھاڑ کے درمیان بلبو کی بات کچھ سمجھے کچھ نہ سمجھے۔ لیکن بلبو جانتا تھا کہ اب مزید انتظار نہیں کیا جا سکتا۔ مکڑیوں کا گھیرا مزید تنگ ہو رہا تھا۔ اس نے یکا یک اپنی انگوٹھی پہن لی اور بونے اسے اپنی نگاہوں سے یکلخت اوجھل ہوتا دیکھ کر بھونچکا رہ گئے۔

پھر دائیں جانب کے درختوں کے عقب سے ''کیٹر کرِچ'' اور ''کاہل لاب'' کی آواز ابھری۔ مکڑیوں میں تو جیسے کھلبلی مچ گئی۔ وہ فوراً رک گئیں اور ان میں سے چند آواز کی جانب لپکیں۔ ''کیٹر کرِچ'' اور ''کاہل لاب'' کے طعنے سن کر وہ غصّے سے پاگل ہو گئیں۔ اس دوران بالین جو بلبو کا منصوبہ بھانپ گیا تھا ایک جانب سے حملہ آور ہوا۔ بونے ایک جتھے کی صورت میں اکٹھے ہوئے اور انھوں نے بہ یک وقت مکڑیوں پر پتھروں کی بوچھاڑ کر دی۔ مکڑیاں ادھر ادھر منتشر ہوئیں اور بونے ان کا حصار توڑتے ہوئے بائیں جانب بھاگ اٹھے۔ ان کے عقب میں بلبو کے گیتوں کی آواز بند ہو گئی۔

اس امید پر کہ بلبو مکڑیوں سے بچ نکلا ہوگا، بونے بھاگتے چلے گئے۔ لیکن ان کی رفتار قابلِ رشک نہ تھی۔ ان کی طبیعت بھی خراب تھی اور وہ تھکاوٹ سے چور تھے اس لیے وہ بھاری قدموں سے بھاگنے کی کوشش کرتے رہے کیونکہ چند مکڑیاں ابھی بھی ان کے تعاقب میں تھیں۔ ہر چند لمحوں کے بعد انھیں رکنا پڑتا اور مڑ کر اپنے تعاقب میں آنے والی مکڑیوں سے دو دو ہاتھ کرنا پڑتے۔ کچھ مکڑیاں ان کے سروں کے اوپر درختوں میں پہنچ چکی تھیں اور وہ وہاں سے اپنے لیس دار جالے نیچے ان پر پھینک رہی تھیں۔ معاملہ ایک مرتبہ پھر مخدوش دکھائی دے رہا تھا کہ یکا یک بلبو نمودار ہوا اور اچانک مکڑیوں پر حملہ آور ہو گیا۔ وہ چیخا، ''بھاگو! بھاگو! میں ذرا انھیں اپنے ڈنک کا مزہ چکھاؤں۔'' اور اس نے یہی کیا۔ وہ دیوانہ وار ادھر ادھر اچھلتا کودتا ہوا

مکڑیوں پر پے در پے وار کرنے لگا۔ ان کی ٹانگوں پر اور جو مکڑی قریب آتی تو اس کے جسم پر.... مکڑیاں پھنکارتی اپنے منہ سے جھاگ نکالتی غصّے سے دیوانی ہو رہی تھیں لیکن حقیقت یہ تھی کہ وہ بلبو کی تلوار سے بری طرح خائف ہو چکی تھیں اور اب بلبو کے قریب آنے سے کتراتی تھیں۔ یوں ان کے تمام تر غصّے کے باوجود ان کا شکار ان سے دور نکلتا جا رہا تھا۔ لڑائی خوفناک تھی اور گھنٹوں سے جاری تھی۔ تاہم عین اس وقت جب بلبو کو محسوس ہوا کہ اس کے بازو شل ہو چلے تھے اور وہ مزید ایک وار بھی نہ کر سکتا تھا کہ یکا یک مکڑیوں کو نجانے کیا ہوا کہ وہ حوصلہ ہار بیٹھیں اور بونوں کے تعاقب کا ارادہ ترک کر کے واپس اپنی تاریک کمین گاہ کی جانب لوٹ گئیں۔

اس دوران بونوں کو احساس ہوا کہ وہ اسی کھلی جگہ پر آن پہنچے جہاں ایک رات پہلے پری زادوں کی روشنیاں اور الاؤ روشن تھے۔ کیا یہ وہی جگہ تھی جہاں وہ پہلے آئے تھے یا نہیں، یہ بات وہ یقین سے نہ کہہ سکتے تھے۔ لیکن یہ عیاں تھا کہ ایسی جگہ پر کوئی خیر کا طلسم ضرور موجود تھا کہ مکڑیاں یہاں سے دور ہی رہتی تھیں۔ بہرحال یہاں روشنی قدرے سبزی مائل تھی، جھاڑیاں قدرے کم گھنی اور مخدوش تھیں اور یوں انھیں یہاں سکون سے رک کر ستانے کا موقع مل گیا۔

یہاں وہ زمین پر ہانپتے کانپتے لیٹے رہے۔ لیکن جیسے ہی ان کے حواس بحال ہوئے ان کے سوال شروع ہو گئے۔ انھیں طلسماتی انگوٹھی پہن کر غائب ہونے کا معاملہ اطمینان سے سنانا پڑا اور انگوٹھی کے ملنے کے واقعے کے بیان میں تو ان کی دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ وہ چند لمحوں کے لیے اپنی مشکلات بھی بھول گئے۔ بالین نے تو گولم کی کہانی اور خصوصاً پہیلیوں کے کھیل کے بارے میں بار بار سنا۔ تھوڑی دیر میں روشنی ماند پڑنے لگی اور ان کے سامنے دوسرے سوالات ابھر آئے۔ وہ کہاں تھے؟ ان کا راستہ کہاں تھا؟ کھانے کو کیا تھا اور کہاں تھا؟ اب انھیں کیا کرنا ہوگا؟ یہی وہ سوالات تھے جو متواتر پوچھے جا رہے تھے اور یہی سوالات گھوم پھر کر بلبو ہی سے پوچھے جاتے رہے اور ان سوالات کے جوابات کی توقع بھی بلبو ہی سے کی جاتی رہی۔ اس سے ایک بات ظاہر ہوئی کہ بلبو کے بارے میں ان کی رائے بہت بدل چکی تھی اور وہ بلبو کو تعظیم

کی نگاہ سے دیکھنے لگے تھے (جیسا کہ گنڈالف نے کہا تھا)۔ انھوں نے بڑبڑانا بند کر دیا تھا اور انھیں یقین ہو چلا تھا کہ بلبو ان کے بچاؤ کا کوئی نہ کوئی زبردست منصوبہ ڈھونڈ نکالے گا۔ وہ سب جان چکے تھے کہ اگر ہابٹ نہ ہوتا تو وہ سب اب تک مکڑیوں کی خوراک بن چکے ہوتے۔ اسی بات پر وہ اپنا اظہارِ تشکر بھی کر چکے تھے۔ کچھ نے تو اٹھ کر بلبو کے سامنے جھک کر سلام بھی پیش کیا اور اسی کوشش میں گرتے گرتے بچے۔ بلبو کے غائب ہونے کی صلاحیت میں طلسمی انگوٹھی کے کردار کے بارے میں جاننے کے باوجود بھی وہ بلبو سے مرعوب ہو چکے تھے۔ وہ جان گئے تھے کہ بلبو عقل مند تھا، قسمت کا دھنی تھا اور طلسماتی انگوٹھی کا مالک بھی۔ یہ تینوں خصوصیات بڑے کام کی تھیں۔ حقیقت میں انھوں نے بلبو کی تعریف کے ایسے قلابے ملائے کہ خود بلبو کو بھی احساس ہونے لگا کہیں نہ کہیں اس کے اندر کوئی بہادر مہم جو چھپا بیٹھا تھا۔ یہ بات علیحدہ تھی اگر اسے کھانے کو کچھ مل جاتا تو اس کی بہادری کو چار چاند لگ جاتے۔

لیکن یہاں کھانے پینے کو کچھ نہ تھا۔ کچھ بھی نہیں اور ان میں کسی میں بھی ہمت نہ تھی کہ کچھ ڈھونڈنے نکلتا۔ کھانے پینے کو یا ان کا گمشدہ راستہ؟ آہ، گمشدہ راستہ.... بلبو کے تکان سے چُور ذہن میں بس یہی خیال گھوم رہا تھا۔ وہ خاموش بیٹھا اپنے سامنے درختوں کی ایک قطار کو تکے جا رہا تھا۔ باقی سب بھی خاموش ہوئے بیٹھے تھے سوائے بالین کے۔ جب باقی سب خاموش ہو گئے اور سونے کی تیاریاں کرنے لگے تو یہ بالین ہی تھا جو خود کلامی کے انداز میں بلبو کی کہانی زیرِلب دہراتا رہا، ”گولم!.... بھلا ہو تمھارا.... اچھا تو تم یوں میرے قریب سے نکل گئے؟ اب میں جان گیا ہوں۔ مسٹر بیگنز، تو تم ایسے ہی چپکے چپکے چلتے گئے؟ دروازے میں تمھاری واسکٹ کے بٹن؟ بہت خوب بلبو!.... بلبو.... بلبو.... وو وو۔“ اور پھر اس نے بھی آنکھیں موند لیں اور دیر تک چاروں جانب خاموشی چھا گئی۔

یکا یک ڈوالین نے ایک آنکھ کھولی، ادھر ادھر نظر گھمائی اور بولا اٹھا، ”تھورین کہاں ہے؟“

سب لوگ چونک اٹھے۔ یہاں تو صرف تیرہ افراد تھے، بارہ بونے اور ایک ہابٹ۔ تو

پھر تھورین کہاں تھا؟ اس پر کیا ابتلا ٹوٹ پڑی تھی، کوئی جادو یا کوئی خوفناک مخلوق؟ وہ یہی سوچتے رہے اور جنگل میں لیٹے کانپتے رہے۔ پھر ایک ایک کر کے وہ یکے بعد دیگرے نیند کی آغوش میں اترتے چلے گئے جہاں انھیں ڈراؤنے خواب دکھائی دیتے رہے اور شام کا دھندلکا رات کی تاریکی میں بدل گیا۔ ہم انھیں یہاں چھوڑتے ہیں جب کمزوری اور تکان نے انھیں اس قابل بھی نہ چھوڑا کہ وہ رات کے لیے پہریداری کی باریاں ہی لگا دیتے۔

تھورین ان سب سے پہلے ہی پکڑا گیا تھا۔ یاد ہے جب بلبو مشعلوں اور الاؤوں کے دائرے میں قدم رکھتے ہی بیہوش ہو کر گر پڑا تھا؟ اس سے اگلی مرتبہ یہ تھورین ہی تھا جس نے سب سے پہلے روشنی کے دائرے میں قدم بڑھایا تھا اور جیسے ہی روشنیاں گل ہوئیں وہ بھی کٹے ہوئے شہتیر کی مانند اپنے ہوش و حواس کھو کر زمین پر آن پڑا۔ جنگل میں ایک دوسرے کو ڈھونڈتے بونوں کا شور وشرابا، مکڑیوں کے ہاتھوں ان کے پکڑے جانے کی چیخم دھاڑ اور دوسرے دن مکڑیوں کے ساتھ لڑائی کا غل غپاڑا ان سب کا تھورین کو کوئی احساس نہ ہوا۔ پھر بن باسی پری زاد اس تک پہنچے اور اسے باندھ کر اپنے ساتھ لے گئے۔

جنگل میں روشنیوں اور الاؤں کے سامنے ناچتے گاتے دعوت اڑاتے بن باسی پری زاد ہی تھے۔ یہ کچھ خاص برے لوگ نہیں ہوتے۔ ان میں ایک ہی برائی ہے کہ وہ اجنبیوں پر اعتبار نہیں کرتے۔ اگرچہ ان دنوں بھی یہ جادو پر دسترس رکھتے تھے پھر بھی ہر ایک کو شک کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ یہ مغرب کے باسی اعلیٰ نسب پری زادوں سے قدرے مختلف ہوتے تھے۔ یہ ان سے کہیں زیادہ خطرناک اور قدرے کم دانش مند ہوتے تھے۔ ان میں اکثر بشمول ان کے پہاڑی رشتہ داروں کے ان پری زادوں کی نسل سے تعلق رکھتے تھے جو مغرب میں فیری تک کبھی نہ گئے تھے۔ یہ وہ مقام تھا جہاں مہین پری زاد، گہرے پری زاد اور سمندری پری زاد صدیوں تک مکین رہے اور جہاں وہ پہلے سے کہیں زیادہ حسین اور عقل مند ہو گئے۔ وہاں انھوں نے جادو میں مہارت حاصل کی اور دنیا بھر کی خوبصورت اور شاندار چیزیں تخلیق کرنے کا فن سیکھا جس کے بعد وہ واپس وسیع دنیا میں آن بسے۔ وسیع دنیا میں پہنچ کر بن باسی پری زادوں

نے سورج اور چاند کی روشنی کے درمیان پائے جانے والے جنگل میں بسیرا کر لیا۔ انھیں ستاروں سے پیار تھا اور یوں وہ اس جنگل میں گھومتے پھرتے رہے جو اب سب کی نگاہوں سے اوجھل ہو چکے ہیں۔ وہ اکثر جنگل کے حدود کے قریب ہی رہتے تھے جہاں سے انھیں شکار کرنے میں آسانی ہوتی اور جہاں وہ چاند اور ستاروں کی روشنی میں کھیلتے ناچتے یا گھوڑے دوڑاتے۔ جب سے انسانوں کی آمد و رفت بڑھنے لگی تھی بن باسی پری زادوں نے اپنے ٹھکانے جنگل کے اندر مزید تاریک حصوں میں منتقل کر دیئے۔ تاہم وہ بن باسی پری زاد تھے اور اب بھی ایسے ہی تھے جس کا مطلب ہے کہ وہ کچھ خاص برے لوگ نہیں تھے۔

ان دنوں مرک ووڈ یعنی بن سیاہ کے مشرقی کنارے سے چند میل دور غاروں کے ایک وسیع و عریض سلسلے میں ان کا عظیم ترین بادشاہ رہتا تھا۔ غار کے صدر دروازے پر پتھریلے دروازے کے سامنے جنگل کے پہاڑی حصے سے نکلنے والا ایک دریا بہتا تھا جو دور کہیں میدانی علاقوں میں جا پہنچتا۔ یہ وسیع و عریض غار جس میں ہزاروں چھوٹے چھوٹے غار چاروں جانب پائے جاتے تھے، زیرِ زمین دور تک سیکڑوں راستوں اور بڑے بڑے ہالوں پر مشتمل تھا۔ لیکن بھتنوں کے غاروں کے برعکس یہ غار کہیں زیادہ روشن اور ہوادار تھے اور کہیں کم گہرے اور خطرناک بھی۔ حقیقت یہ تھی کہ بن باسی پری زاد زیادہ تر کھلی فضا میں رہتے اور شکار کرتے تھے اور بہت سوں نے اپنی جھونپڑیاں یا گھر زمین پر یا درختوں کی شاخوں میں بنا رکھے تھے۔ اس کام کے لیے برگد کے گھنے درخت انھیں پسند تھے۔ بادشاہ کا غار اصل میں اس کا محل تھا، جہاں اس نے اپنا خزانہ سنبھال رکھا تھا اور جو دشمن کے حملے کے وقت بن باسی پری زادوں کے لیے محفوظ پناہ گاہ کا کردار ادا کرتا۔

یہیں اسی غار میں اس کا قید خانہ بھی واقع تھا۔ اس لیے تھورین کو بھی اسی غار میں گھسیٹ لایا گیا۔ تھورین کے ساتھ یہ سلوک کچھ زیادہ خوش گوار نہ تھا کیونکہ پری زادوں کو بونوں سے کچھ انس نہ تھا اور بونوں کو عمومی طور پر دشمنوں میں شمار کیا جاتا تھا۔ صدیوں پہلے بن باسی پری زادوں کی بونوں کے کچھ قبیلوں سے جنگیں بھی ہو چکی تھیں۔ ان بونوں پر پری زادوں کے

خزانے لوٹ لے جانے کا الزام لگایا گیا تھا۔ دوسری جانب بونے اس معاملے میں مختلف داستان سناتے تھے۔ ان کے بقول انھوں نے جو کچھ لیا وہ ان کا حق تھا۔ وہ کہتے تھے کہ پری زادوں کے بادشاہ نے ان سے خام سونے اور چاندی کی ڈھلائی کے لیے ان سے معاہدہ کیا تھا اور معاہدے کی تکمیل کے بعد انھیں معاوضہ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ پری زاد بادشاہ کی بس ایک کمزوری تھی اور وہ خزانے خصوصاً چاندی اور سفید جواہرات جمع کرنا تھا۔ اگرچہ اس کا خزانہ کسی بھی طور پر کم نہ تھا لیکن وہ ہر وقت اس میں مزید اضافے کا خواہاں رہتا کیونکہ اس کا خزانہ پرانے زمانے کے پری زاد بادشاہوں کے خزانوں کی طرح نہ تھا۔ اس کے علاقے کے باسی پری زادوں کو بھی سونے چاندی یا دیگر دھاتوں کی ڈھلائی یا جواہرات کی تراش وخراش میں کچھ دلچسپی نہ تھی اور نہ ہی وہ تجارت یا زراعت کے شائق تھے۔ اگرچہ تھورین کے خاندان کا ان پرانے جھگڑوں اور تنازعات سے کوئی سروکار نہ رہا تھا لیکن پھر بھی ہر بونا ان داستانوں سے واقف تھا۔ اسی لیے جب پری زادوں نے اس سے اپنا غنودگی کا سحر اتارا اور وہ ہوش میں آیا تو پری زادوں کی بدسلوکی سے کچھ زیادہ خوش نہ تھا۔ ساتھ ہی اس نے فیصلہ کر لیا کہ کچھ بھی ہو جائے اس کی زبان سے سونے اور جواہرات کا ایک لفظ بھی نہ نکلنے پائے گا۔

جب اسے بن باسی پری زادوں کے بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو بادشاہ نے اسے گھورتے ہوئے بہت سے سوالات کیے۔ لیکن تھورین نے ہر سوال کے جواب میں ایک ہی بات کی کہ وہ بھوکا ہے۔

بادشاہ نے پوچھا، ''جب میرے لوگ جنگل میں دعوت منا رہے تھے تو تم نے اور تمھارے لوگوں نے کیوں تین مرتبہ ان پر حملہ کرنے کی کوشش کی؟''

تھورین نے جواب دیا، ''ہم نے ان پر حملہ نہیں کیا۔ ہم ان سے مدد طلب کرنے کے لیے آئے تھے کیونکہ ہم بھوکے پیاسے تھے۔''

''تمھارے دوست کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں؟''

''مجھے معلوم نہیں لیکن میرا خیال ہے کہ وہ جنگل میں کہیں بھوک اور پیاس سے تڑپ

رہے ہوں گے۔''

''تم لوگ جنگل میں کیا کر رہے تھے؟''

''کھانے پینے کی اشیا تلاش کر رہے تھے.... کیونکہ ہم بھوکے اور پیاسے تھے۔''

بادشاہ نے طیش میں آ کر پوچھا، ''لیکن تم جنگل میں پہنچے کیوں؟''

اس پر تھورین خاموش رہا اور ایک لفظ نہ بولا۔

بادشاہ نے حکم دیا، ''تو ٹھیک ہے! لے جاؤ اسے اور احتیاط سے کہیں رکھ چھوڑو جب تک یہ سچ بولنے پر تیار نہیں ہو جاتا، چاہے اس میں سو سال ہی کیوں نہ لگ جائیں۔''

پری زادوں نے اس کے ہاتھوں پیروں میں رسیاں باندھیں اور اسے لکڑی کے مضبوط دروازے والے ایک قید خانے میں ڈال دیا۔ وہاں اسے کھانے پینے کو دیا گیا جو مقدار میں تو مناسب تھا لیکن معیار میں بہت عمدہ نہ تھا۔ بن باسی پری زاد بھتنوں کی مانند نہ تھے اور اپنی قید میں آنے والے اپنے بدترین دشمنوں سے بھی قدرے بہتر سلوک ہی کیا کرتے تھے۔ بس دیوہیکل مکڑیاں ہی تھیں جن کے لیے پری زادوں کے دل میں کوئی رحم نہ پایا جاتا تھا۔

تو یوں تھورین پری زاد بادشاہ کے قید خانے میں پڑا تھا۔ روٹی گوشت اور پانی سے پیٹ بھرنے کے بعد جب اس کی طبیعت بحال ہوئی تو وہ اپنے بیچارے ساتھیوں کے بارے میں سوچنے لگا کہ نجانے ان کے ساتھ کیا بیتی ہو گی۔ جلد ہی اسے اس بات کا جواب مل جائے گا۔ لیکن اس کے لیے ہمیں اگلے باب کا انتظار کرنا ہو گا جب ایک اور حیرت انگیز واقعے میں ہابٹ ایک مرتبہ پھر اپنی مہارت کا مظاہرہ کرتا ہے۔

نواں باب

کنستروں میں فرار

مکڑیوں سے جنگ اور پھر ان سے فرار کے دوسرے دن بلبو اور بونوں نے فیصلہ کیا کہ جنگل میں بھوک اور پیاس سے جان دینے سے پہلے راستہ تلاش کرنے کی ایک آخری کوشش کی جائے۔ تیرہ میں سے آٹھ ساتھیوں کے اندازے کے مطابق راستہ جس سمت میں تھا وہ سب لڑکھڑاتے اس جانب چل دیئے۔ لیکن انھیں کبھی معلوم نہ ہو سکا کہ ان کا اندازہ درست تھا یا نہیں۔ جنگل میں گزارے ہوئے نجانے کتنے دنوں کی مانند اس روز بھی دن کا دھندلکا رات میں تبدیل ہو رہا تھا کہ اچانک ان کے چاروں جانب سرخ روشنی والی درجنوں مشعلیں پھیل گئیں۔ نجانے کہاں سے اس روشنی میں بن باسی پری زاد نیزے اور تیر کمانیں تانے نمودار ہوئے اور انھیں رکنے کا حکم دیا۔

کسی کو مزاحمت کا خیال تک نہ آیا۔ بونے اب ایسی حالت میں تھے وہ دل ہی دل میں پکڑے جانے پر بھی خوش ہوئے۔ یوں بھی ان کے چاقو اور خنجر ان پری زادوں کے نیزوں اور تیروں کے مقابلے میں بے سود تھے کیونکہ پری زادوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اندھیرے میں بھی کسی پرندے کی آنکھ کا نشانہ لگانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یوں وہ سب

چلتے چلتے تھم گئے اور جہاں تھے وہیں زمین پر بیٹھ گئے اور انتظار کرنے لگے۔ سوائے سب سے آخر میں چلتے بلبو کے جس نے فوراً اپنی انگلی میں انگوٹھی پہنی اور خاموشی سے ایک جانب ہولیا۔ اسی لیے جب پری زادوں نے سب بونوں کو ایک قطار میں رسیوں سے باندھ ڈالا اور گنتی کی تو باندھے جانے والوں اور گنے جانے والوں میں بلبو شامل نہ تھا۔

پری زادوں کو احساس بھی نہ ہوا کہ جب وہ اپنے قیدیوں کو جنگل میں لے چلے تو ان سے چند قدم پیچھے مشعلوں کی روشنی کے ساتھ ساتھ بلبو بھی چلتا رہا۔ تمام بونوں کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی تھی۔ لیکن اس سے کوئی فرق نہ پڑا کیونکہ بلبو، جس کی آنکھیں کھلی تھیں، اسے بھی اندازہ نہ ہوا کہ انھوں نے اپنا سفر کہاں سے شروع کیا اور وہ کہاں جا رہے ہیں۔ بلبو کی بس یہی کوشش رہی کہ وہ پری زادوں کے پیچھے پیچھے چلتا رہے جو تھکے ہارے بونوں کو تیز اور مزید تیز چلنے پر مجبور کر رہے تھے۔ انھیں بادشاہ کی جانب سے باقی بونوں کو جلد از جلد پکڑ لانے کا حکم مل چکا تھا۔ یکا یک مشعلیں رک گئیں اور بلبو جب چپکے چپکے ان کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ وہ ایک پل پار کر رہے ہیں۔ یہ وہی پل تھا جو دریا کے پار بادشاہ کے محل کو جاتا تھا۔ پل کے نیچے بپھرا ہوا سیاہ پانی تیزی سے بہہ رہا تھا۔ دوسرے کنارے پر دور ایک اونچی ڈھلوان کے پہلو میں گھنے درختوں کے بیچوں بیچ غار کا دہانہ دکھائی دے رہا تھا جس کے سامنے بھاری بھرکم چوبی دروازے نصب تھے۔ گھنے درختوں کا یہ جنگل ایک کشادہ راستے کے دونوں جانب دریا کے کنارے تک آن پہنچا تھا۔ کچھ درختوں کے تنے تو پانی میں جمے تھے۔

پری زادوں نے اپنے قیدیوں کو اس پل پر دھکیلا لیکن بلبو عقب میں رکا رہا۔ اسے غار کے دہانے سے خوف آ رہا تھا لیکن پھر عین موقع پر اس نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ رہنے کا فیصلہ کیا اور یوں وہ آخری پری زاد کے پیچھے دبے پاؤں پل کے دوسری جانب جا اترا۔ چند ہی لمحوں بعد ان کے گزرتے ہی غار کے بلند و بالا چوبی دروازے ایک زوردار گڑگڑاہٹ کے ساتھ بند ہو گئے۔

غار کے اندر راستے سرخ مشعلوں سے روشن تھے اور اب پری زادوں نے پیچیدہ

زیرِزمین راستوں پر چلتے ہوئے گیت گانا شروع کر دیئے۔ یہ زیرِ زمین آبادیاں بھتنوں کے غاروں جیسی نہ تھیں۔ یہ قدرے چھوٹی، کم گہری اور زیادہ ہوادار تھیں۔ چٹانوں سے بنے ستونوں سے مزین ایک وسیع عریض ہال میں تراشیدہ چوبی تخت پر بن باسی پری زادوں کا بادشاہ بیٹھا تھا۔ اس کے سر پر سرخ اور بھوری پتیوں کا تاج رکھا تھا کیونکہ خزاں کا موسم آن پہنچا تھا۔ بہار میں وہ جنگلی پھولوں کا تاج پہنا کرتا۔ ایک ہاتھ میں اس نے بلوطی لکڑی کی لاٹھی تھام رکھی تھی جس پر خوش نما نقش ونگار کندہ تھے۔

قیدیوں کو اس کے سامنے پیش کیا گیا۔ اگرچہ اس نے گھورتے ہوئے ان کا جائزہ لیا تاہم ان کی لاچارگی اور کس مپرسی دیکھ کر اس نے اپنے سپاہیوں کو بونوں کے ہاتھ پیر کھولنے کا حکم دیا۔ وہ بولا، ''یوں بھی یہاں انھیں کسی ہتھکڑی یا بیڑی کی ضرورت نہیں ہے۔ جنھیں یہاں لایا جاتا ہے ان کے لیے میرے جادوئی دروازوں سے باہر نکل بھاگنا ناممکن ہے۔''

اس کے بعد وہ دیر تک ان کے سفر کے متعلق پوچھ گچھ کرتا رہا کہ وہ کہاں سے آرہے ہیں اور کہاں جا رہے ہیں۔ لیکن باقی بونوں سے سوال جواب کے بعد اسے تھورین کی نسبت کچھ زیادہ معلومات مل چکی تھیں۔ وہ سب بھوک اور تکان سے اتنے تنگ آچکے تھے کہ انھوں نے بادشاہ کے سامنے آداب وتسلیمات بجالانے کا تکلّف بھی گوارا نہیں کیا۔

بالین، جوان میں سب سے عمر رسیدہ تھا، بولا، ''اے عظیم بادشاہ، ہمارا قصور کیا ہے؟ کیا جنگل میں راستہ کھو بیٹھنا، بھوک پیاس لگنا، یا مکڑیوں کے نرغے میں پھنس جانا جرم ہے؟ کیا مکڑیاں تمھاری پالتو مکڑیاں ہیں کہ انھیں مارنے پر تم ناخوش ہو؟''

ایسا اندازِ تکلم اور سوال سن کر بادشاہ کے غصّے کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا اور وہ گرج کر بولا، ''میری اجازت کے بغیر میری سلطنت میں گھومنا جرم ہے! کیا تم بھول گئے کہ تم میری سلطنت میں ہو اور وہ راستہ استعمال کر رہے تھے جو میرے لوگوں نے بنایا ہے؟ کیا تم نے متواتر تین مرتبہ میرے لوگوں کا پیچھا نہیں کیا اور انھیں تنگ نہیں کیا؟ کیا تم نے اپنے شور شرابے سے مکڑیوں کو اپنی جانب نہیں متوجہ کیا؟ تمھاری ان سب حرکتوں کے بعد میرا یہ حق ہے کہ تم سے

پوچھوں کہ تم یہاں کیا کرنے آئے ہو اور اگر تم اس وقت جواب نہیں دو گے تو میں تمھیں قید خانے میں پھینکوا دوں گا جب تک تم ایک پری زاد بادشاہ سے بات کرنے کی تمیز وتہذیب نہیں سیکھ لیتے۔''

پھر اس نے حکم دیا کہ ان سب کو علیحدہ کوٹھریوں میں ڈال دیا جائے، انھیں کھانے پینے کو دیا جائے لیکن اس وقت تک باہر نہ نکالا جائے جب تک ان میں کوئی ایک اس کے سوالات کے درست جوابات دینے پر تیار نہیں ہوتا۔ لیکن اس نے اس بات کا ذکر نہیں کیا کہ تھورین بھی اس کی قید میں ہے۔ اس امر کا انکشاف بھی بلبو پر ہی ہوا۔

اس دوران بلبو بیچارے پر تو جیسے خواہ مخواہ ایک عذاب ہی نازل ہو گیا۔ نجانے کتنے دنوں اسے بھی انھیں غاروں میں چھپنا پڑا، وہ ہر وقت تاریک سے تاریک سنسان سے سنسان کونوں کھدروں میں چھپتا رہا۔ نہ اسے اپنی انگوٹھی اتارنے کی ہمت ہوئی اور نہ ہی سونے کا موقع ملا۔ کبھی محض وقت گزارنے کے لیے وہ بادشاہ کے محل میں گھومتا رہتا۔ اگرچہ دروازے جادو سے بند ہو جاتے لیکن پھر بھی وہ وقتاً فوقتاً پھرتی سے باہر نکل جاتا۔ بن باسی پری زادوں کی ٹولیاں کبھی کبھار بادشاہ کے ہمراہ شکار یا دیگر امور کے لیے باہر جنگل میں نکلتیں اور گاہے بگاہے مشرقی علاقوں کی جانب جاتیں۔ ایسے میں بلبو پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کے عین عقب میں باہر نکل جاتا گو یہ انتہائی مشکل اور خطرناک کام تھا۔ چند مرتبہ تو وہ بند ہوتے دروازوں میں پھنستے پھنستے بچا کیونکہ جیسے ہی آخری پری زاد گزرتا دروازے ایک دم تڑاخ سے بند ہو جاتے۔ وہ پری زادوں کے ساتھ چلنے سے بھی ڈرتا تھا کہیں اس کا سایہ دکھائی نہ دے جائے حالانکہ سرخ مشعلوں کی روشنی میں اس کا سایہ کم ہی دکھائی دیتا تھا۔ اسے اس بات کا اندیشہ بھی رہتا کہ ان کے ساتھ چلتے ہوئے وہ کسی پری زاد سے ٹکرا نہ جائے اور یوں اس کی موجودگی کا بھانڈا نہ پھوٹ جائے۔ یوں بھی چند مرتبہ جب وہ باہر نکلا تو اسے اس کا کوئی فائدہ نہ ہوا۔ ایک تو وہ اپنے دوستوں کو چھوڑنا نہیں چاہتا تھا دوسرے یہ کہ اسے کچھ اندازہ نہ تھا کہ اگر وہ چلا بھی جائے تو کہاں جائے گا۔ وہ شکار کے لیے نکلنے والے پری زادوں کے ساتھ سارا سارا دن گھوم نہیں سکتا

تھا اس لیے وہ جان نہ پایا کہ جنگل سے باہر جانے والے راستے کہاں واقع ہیں۔ یوں وہ اکیلا ہی جنگل میں گھومتا رہتا اور اسے ہر وقت یہی فکر لاحق رہتی کہ کہیں وہ پھر سے بھٹک نہ جائے۔ جب وہ باہر نکلتا تو اسے بھوکا بھی رہنا پڑتا کیونکہ وہ شکاری تو نہ تھا۔ غار کے اندر تو پھر بھی اسے کچھ نہ کچھ بچا کھچا مل ہی جاتا جب وہ کسی توشہ خانے یا کسی کھانے کے کمرے میں جا گھستا۔

وہ سوچنے لگا، ''میرا حال اس چور کی مانند ہے جو ایک ہی گھر میں مقید ہے اور ہر روز اسی گھر میں چوری کرنے پر مجبور ہے۔ یہ اس منحوس، تکلیف دہ اور تھکا دینے والی مہم کا سب سے بے کیف اور بدترین حصّہ ہے۔ آہ، کاش میں اپنے گھر میں آتشدان کے سامنے دیوار پر لگے لیمپ کی روشنی میں بیٹھا ہوتا۔'' وہ اکثر سوچتا کہ کاش وہ گنڈالف کو ہی مدد کا پیغام بھیج پاتا لیکن ظاہر ہے یہ ناممکن تھا۔ جلد ہی اسے احساس ہونے لگا کہ اگر کچھ بھی کرنا ہے تو وہ مسٹر بیگنز کو ہی کرنا ہوگا.... اکیلے اور بغیر کسی کی مدد کے!

ایسے ہی ہفتہ دس دن گزر گئے اور یونہی چھپتے چھپاتے پری زادوں کے معمولات سمجھتے، غاروں کا جائزہ لیتے اور کھوج لگاتے بالآخر اسے علم ہو ہی گیا کہ بونوں کو کہاں قید کیا گیا ہے۔ ان سب کو محل کے علیحدہ علیحدہ حصّوں میں واقع قید خانوں میں رکھا گیا تھا اور رفتہ رفتہ بلبو کو ان کے راستوں کا بھی بخوبی اندازہ ہو گیا تھا۔ اسے سب سے زیادہ حیرت اس وقت ہوئی جب اس نے چند محافظوں کو آپس میں ایک اور بونے قیدی کے بارے میں گفتگو کرتے سنا جسے سب سے دور اور تاریک ترین قید خانے میں رکھا گیا تھا۔ وہ فوراً سمجھ گیا کہ ہو نہ ہو یہ تھورین ہی ہو گا۔ کچھ دیر بعد اسے معلوم ہوا کہ اس کا اندازہ درست تھا۔ بہت سی ناکام کوششوں کے بعد ایک دن جب اردگرد کوئی نہ تھا بلبو کو موقع مل ہی گیا کہ وہ بونوں کے سردار سے جا ملے اور اس سے بات چیت کر سکے۔

اب تک تھورین اتنا مایوس ہو چکا تھا کہ اسے اپنی حالت پر غصّہ بھی نہ آتا تھا۔ وہ اپنی صورتِ حال سے اتنا تنگ آ چکا تھا کہ وہ بادشاہ کو خزانے اور اپنی مہم کے بارے میں سب کچھ بتا دینے کے بارے میں سوچنے لگا تھا۔ ناامیدی کے ایسے ہی ایک لمحے میں اسے دروازے میں

نصب تالے کے سوراخ سے بلبو کی آواز سنائی دی۔ پہلے تو اسے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا کہ یہ بلبو ہی ہے لیکن وہ لپک کر دروازے کے قریب آن بیٹھا اور وہاں وہ دونوں دیر تک سرگوشیوں میں بات چیت کرتے رہے۔

یوں بلبو تھورین کے پیغامات باقی سب قیدی بونوں تک پہنچانے کے قابل ہوا اور انھیں بتایا کہ ان کا سردار بھی یہیں قریب ہی قید میں ہے اور یہ کہ کسی بھی صورت میں پری زاد بادشاہ کو ان کی مہم کے اصل مقصد کے بارے میں علم نہیں ہونا چاہیے، کم از کم اس وقت تک نہیں جب تک تھورین کی اجازت نہ ہو۔ بلبو سے ملاقات اور یہ سننے کے بعد کہ کیسے بلبو نے اس کے ساتھیوں کو مکڑیوں سے بچایا، تھورین کا حوصلہ ایک مرتبہ پھر بحال ہوا۔ اب اس نے ایک مرتبہ پھر یہ فیصلہ کرلیا کہ جب تک فرار یا آزادی کا آخری امکان بھی موجود تھا وہ اپنی اور اپنے ساتھیوں کے رہائی کے عوض بادشاہ سے خزانے کے کسی حصے کا سودا نہیں کرے گا یا کم از کم جب تک مسٹر غیبی (اس کی نظروں میں اب مسٹر بلبو بیگنز کی قدر و منزلت کہیں زیادہ بڑھ چکی تھی) کوئی منصوبہ بنانے میں مکمل طور پر ناکام ہوجاتا۔

دوسرے تمام بونوں نے بھی اس منصوبے سے اتفاق کیا۔ انھیں اندازہ تھا کہ اگر بن باسی پری زادوں کو بھی اپنے خزانے میں حصہ دینا پڑا تو ان کے اپنے حصوں میں خاصی کمی ہوجائے گی۔ اپنی موجودہ صورتحال اور خزانے پر کنڈلی مارے اژدھے کی موجودگی کے باوجود وہ اس خزانے کو اپنی ملکیت جانتے تھے۔ بلبو اب ان سب کا مکمل اعتماد حاصل کر چکا تھا بالکل ایسے ہی جیسے گنڈالف نے کہا تھا۔ شاید یہ بھی ایک وجہ تھی کہ وہ ان سب کو چھوڑ کر بلبو کے حوالے کر گیا تھا۔

دوسری جانب بونوں کے برعکس خود بلبو اتنا پُرامید نہ تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ سب لوگ یوں اندھا دھند اس پر مکمل اعتبار اور انحصار کرنے لگیں۔ اس کی خواہش تھی کہ گنڈالف جادوگر بھی اس کے ساتھ ہوتا۔ لیکن اس کا کیا فائدہ؟ ان دونوں کے درمیان بن سیاہ کے تمام تاریک فاصلے حائل تھے۔ ایسے ہی وہ بیٹھا بیٹھا سوچتا رہا حتیٰ کہ اس کا سر پھٹنے لگا لیکن اسے کوئی

ترکیب نہ سوجھی۔ ایک جادوئی انگوٹھی خود بلبو کے لیے تو ٹھیک تھی لیکن ایک انگوٹھی چودہ افراد کے لیے تو کافی نہ تھی۔ لیکن اب تک آپ کو اندازہ ہو چکا ہوگا کہ بالآخر اس نے اپنے دوستوں کو آزاد کرا ہی لیا۔ یہ سب کچھ ایسے ہوا۔

ایک روز یونہی بلا مقصد ادھر ادھر گھومتے گھامتے اس پر ایک زبردست انکشاف ہوا۔ غاروں کے اس سلسلے میں آنے جانے کے لیے بیرونی چوبی دروازے کے علاوہ بھی ایک راستہ تھا۔ محل کے زیریں ترین حصے کے نیچے ایک زیرِزمین پہاڑی ندی گزرتی تھی جو مشرق میں کچھ دور غار کے بیرونی دروازے کی ڈھلوان کے آگے جنگل میں بہتے دریا سے جا ملتی تھی۔ پہاڑ کے پہلو سے جہاں یہ زیرِزمین ندی محل میں داخل ہوتی تھی وہاں ایک جنگلے والا دروازہ لگایا گیا تھا۔ ندی کی پتھریلی چھت اس مقام پر پانی کی سطح کے عین اوپر جھک جاتی تھی اور اسی مقام پر کسی کو اندر داخل ہونے سے روکنے کے لیے چھت سے ایک آہنی سلاخوں والی بھاری جالی نیچے پھینکی جاتی جو ندی کی تہ تک پہنچ جاتی۔ لیکن یہ آہنی جالی اکثر اوقات کھلی پائی جاتی کیونکہ اس راستے سے سامان اور رسد کی کافی آمد ورفت ہوتی۔ اگر اس راستے سے کوئی اندر داخل ہوتا تو وہ خود کو ایک ایسی تاریک پتھریلی سرنگ میں پاتا جو پہاڑی کے نیچے نجانے کہاں پاتال میں اتر جاتی۔ لیکن غار محل میں ایک مقام پر اس سرنگ کی چھت میں سوراخ کیے گئے تھے جنھیں بھاری چوبی کواڑوں سے بند کیا گیا تھا۔ یہ بھاری کواڑوں والے فرشی دروازے بادشاہ کے شراب ذخیرہ کرنے والے تہ خانوں میں کھلتے تھے جہاں قطار در قطار شراب کے کنستر ہی کنستر پڑے ہوتے۔ اگرچہ اس علاقے میں شراب نہیں بنتی تھی لیکن پھر بھی بن باسی پری زاد اور ان کا بادشاہ شراب کے رسیا تھے۔ یہ شراب اور دیگر اشیا یہاں سے بہت دور جنوب میں پری زادوں کے ایک اور قبیلے سے منگوائی جاتیں یا دور دراز کے علاقوں سے جہاں آدمی شراب کشید کیا کرتے۔ ایک روز ایک بڑے کنستر کے پیچھے چھپ کر بیٹھے بلبو نے بادشاہ کے دو غلاموں کی گفتگو سن کر یہ جان لیا کہ ان چوبی دروازوں کا نظام کیسے چلایا جاتا ہے۔ اسے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ شراب اور دیگر اشیا کیسے دریائی یا زمینی راستے سے لمبی جھیل تک پہنچائی جاتی ہیں۔ اسے معلوم ہوا کہ وہاں

آدمیوں کا ایک شہر جھیل نگر آباد تھا جو ایک جھیل پر لکڑی کے پلوں پر بسایا گیا تھا تاکہ دشمنوں اور خصوصاً پہاڑی اژدھے کے حملے کی صورت میں دفاع کیا جا سکے۔ جھیل نگر سے جنگل کے دریا کے راستے یہ سامان لایا جاتا تھا۔ اکثر انھیں رسیوں سے ایک دوسرے کے ساتھ باندھ دیا جاتا تھا اور دریا میں پھینک دیا جاتا تھا۔ بصورتِ دیگر انھیں چپٹے بجروں پر لاد دیا جاتا۔

جب یہ کنستر خالی ہو جاتے تو پری زاد انھیں ان چوبی دروازں سے نیچے پانی میں پھینک دیتے اور بیرونی جنگلے والا دروازہ کھول دیتے۔ یوں یہ کنستر پانی کی سطح پر تیرتے بہاؤ کے ساتھ ساتھ دور بن سیاہ کے کنارے کے قریب ایک ایسی جگہ پر جا پہنچتے جہاں زمین کا ایک ٹکڑا پانی میں دور تک نکلا تھا۔ یہاں انھیں پکڑا جاتا، اکٹھا کر کے باندھ دیا جاتا اور جھیل نگر تک واپس لے جایا جاتا جو اس مقام سے دور نہ تھا جہاں جنگل کا دریا لمبی جھیل میں آن گرتا۔

بہت دنوں تک بلبوز یرزمین ندی اور اس پر بنے دروازوں کے بارے میں سوچتا رہا کہ کیسے انھیں اپنے دوستوں کی آزادی کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ بالآخر ہولے ہولے اس کے ذہن میں ایک منصوبے کے خدوخال ابھرنے لگے۔

قیدیوں کو شام کا کھانا دیا جا چکا تھا۔ محافظ ہاتھ میں سرخ مشعل تھامے واپس چل دیئے اور یوں ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔ بلبو نے بادشاہ کے شاہی خانسامے کو محافظوں کے کماندار کو الوداع کہتے سنا۔ پھر اسے خانسامے کی آواز سنائی دی۔

''اگر چاہو تو تم میرے ساتھ آ سکتے ہو اور وہ شراب چکھ سکتے ہو جو ابھی ابھی پہنچی ہے۔ آج میں تو ساری رات شراب کی کوٹھریوں سے خالی کنستر اٹھانے میں مصروف رہوں گا۔ کیا کہتے ہو، اس محنت مشقت سے پہلے ایک ایک جام ہی ہو جائے؟''

محافظوں کے کماندار نے قہقہہ لگایا اور بولا، ''ہاں کیوں نہیں! میں چلتا ہوں تمھارے ساتھ.... دیکھتے ہیں کہ نئی شراب بادشاہ کو پیش کرنے کے قابل بھی ہے یا نہیں؟ آج رات دعوت ہے اور وہاں صرف عمدہ شراب ہی پیش کرنا ہوگی۔''

جونہی بلبو نے یہ گفتگو سنی اس کا دل دھڑکنے لگا۔ وہ جان گیا کہ قسمت کی دیوی اس پر

مہربان ہے اور اسے اپنے منصوبے پر عمل درآمد کرنے کا موقع مل گیا۔ وہ دونوں پری زادوں کے پیچھے چل دیا حتیٰ کہ وہ دونوں ایک تنگ تہ خانے میں جا پہنچے جہاں ایک میز پر دو بڑے جگ پڑے تھے۔ جلد ہی وہ دونوں پینے میں مصروف ہو گئے اور ایک دوسرے سے ہنسی مذاق کرنے لگے۔ قسمت کی دیوی آج بلبو پر کچھ زیادہ ہی مہربان تھی۔ بن باسی پری زادے عموماً بہت تیز شراب سے ہی مدہوش ہوتے ہیں۔ لیکن یہ شراب ڈارویناں کے باغات سے کشید کی گئی تھی جو سپاہیوں اور معمولی نوکروں کے لیے نہیں تھی۔ یہ صرف بادشاہ کی دعوتوں کے لیے مخصوص تھی اور وہاں بھی شاہی خانسامے کے بڑے جگوں کی بجائے صرف چھوٹے جاموں میں پیش کی جاتی تھی۔

کماندار محافظ کا سر جلد ہی ڈولنے لگا اور چند لمحوں بعد اس نے اپنا سر میز پر رکھ دیا اور گہری نیند میں کھو گیا۔ شاہی خانسامے کو اپنے ساتھی کی نیند کا احساس تک نہ ہوا اور وہ کافی دیر تک یونہی خود سے باتیں کرتا اور ہنستا رہا۔ پھر اس کا سر بھی گھومنے لگا اور چند ہی لمحوں بعد وہ بھی اپنے ہم پیالہ کے ساتھ میز پر سر دھرے خراٹے مارنے لگا۔ بلبو چپکے سے آگے بڑھا۔ جلد ہی محافظ کماندار کی چابیاں اس کے قبضے میں تھیں اور وہ برق رفتاری سے بونوں کے قید خانوں کی جانب بھاگ اٹھا۔ چابیوں کا گچھا اسے بہت وزنی لگ رہا تھا اور اپنی طلسمی انگوٹھی پہننے کے باوجود اس کا کلیجہ اچھل اچھل کر اس کے حلق میں آ رہا تھا۔ اس کی پوری کوشش کے باوجود بھی چابیوں کا گچھا کھنکھنا اٹھتا تو اس کا دل کانپ اٹھتا۔

اس نے سب سے پہلے بالین کا دروازہ کھولا اور جیسے ہی بالین کوٹھری سے باہر نکلا اس نے دروازہ دوبارہ مقفل کر دیا۔ آپ بالین کی حیرت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ لیکن اپنی سنگلاخ کوٹھری سے باہر نکلنے پر انتہائی خوش بھی تھا۔ وہ بلبو سے باتیں کرنا چاہتا تھا اور جاننا چاہتا تھا کہ بلبو کا منصوبہ کیا ہے۔

بلبو نے جواب دیا، ''ابھی ہمارے پاس باتوں کا وقت نہیں ہے۔ تم بس میرے ساتھ چلے آؤ۔ ہمیں اکٹھا رہنا ہوگا اور ایک دوسرے سے جدا نہیں ہونا چاہیے۔ ہمیں اکٹھا یہاں سے

فرار ہونا ہے اور یہ ہمارا آخری موقع ہے۔ اگر اس وقت ہم پکڑے گئے تو اب نجانے بادشاہ تمھیں کہاں پھینکوا دے اور کیسی زنجیریں اور بیڑیاں تمھارے ہاتھوں پیروں میں ڈلوا دے۔ اب میری بات مانو اور خاموش رہو۔"

یوں وہ یکے بعد دیگرے سب کی کوٹھریوں میں جا پہنچا اور جلد ہی اس کے قافلے میں بارہ افراد شامل ہو گئے۔ سب کے سب اندھیرے اور اپنی قید کے باعث تھکے ہارے اور بھاری قدموں سے چل رہے تھے۔ جب بھی ان میں کوئی ایک دوسرے سے ٹکراتا، بڑبڑاتا یا سرگوشی میں باتیں کرتا تو بلبو کا کلیجہ منہ کو آنے لگتا۔ وہ خود سے کہنے لگا، "میرے خدا، یہ بونے بھی کتنا شور مچاتے ہیں۔" لیکن خیریت رہی اور ان کی کسی محافظ سے مڈبھیڑ نہ ہوئی۔ درحقیقت عین اسی وقت پری زاد باہر جنگل میں اور اوپر غاروں میں موسم خزاں کا جشن منانے میں مصروف تھے۔ بادشاہ کے تمام ملازمین اور درباری جشن سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ بالآخر ادھر ادھر ٹھوکریں کھانے کے بعد وہ تھورین کی کوٹھری تک آن پہنچے جو سب سے زیریں غاروں میں تہ خانوں سے بہت دور واقع نہ تھی۔

جب بلبو نے سرگوشی میں اسے باہر آنے اور اپنے ساتھیوں سے ملنے کا کہا تو وہ بھی حیرت سے دنگ رہ گیا، "اوہ میرے خدایا! حسبِ معمول گنڈالف نے سچ ہی کہا تھا۔ وقت آنے پر تم واقعی ایک بہترین چور ثابت ہوئے ہو۔ اب جو بھی ہو ہم سب تہ دل سے تمھارے شکرگزار ہیں۔ لیکن اب کیا ہوگا؟"

بلبو نے جانا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ انھیں اپنے منصوبے سے آگاہ کر دیا جائے لیکن اسے معلوم نہ تھا کہ اس منصوبے کے بارے میں بونوں کا کیا خیال ہوگا۔ اس کا شک درست ثابت ہوا۔ بونوں کو اس کا منصوبہ ایک آنکھ نہ بھایا اور خطرے کے باوجود بلند آواز میں بحث کرنے لگے۔

وہ اعتراض کرنے لگے، "ہماری ہڈیوں کا کچومر نکال جائے گا اور ایک بات تو یقینی ہے کہ ہم سب ڈوب مریں گے۔ ہم تو سمجھے تھے کہ قید خانوں کی چابیاں حاصل کرنے کے بعد

تمھارے پاس کوئی عقل مندانہ منصوبہ ہوگا۔ یہ تو پاگل پن ہے۔''

بلبوان کے ردعمل سے مایوس ہوا اور اس کا خون کھول اٹھا، ''اچھا تو ٹھیک ہے! چلو واپس تمھاری کوٹھریوں میں چلتے ہیں جہاں میں تمھیں دوبارہ بند کر دیتا ہوں۔ وہاں تم آرام وسکون سے بیٹھ کر کسی بہتر منصوبے کے بارے میں سوچنا۔ لیکن ایک بات یاد رہے اگر میں چاہوں بھی تو دوبارہ چابیاں میرے ہاتھ لگنے کا امکان نہ ہونے کے برابر ہے۔''

یہ سنتے ہی سب خاموش ہو گئے۔ یوں بھی انھیں بلبو کے منصوبے پر ہی عمل کرنا پڑتا کیونکہ ان کے لیے زیریں تہ خانوں سے اوپری غاروں تک پہنچنا، جادو کے زور سے بند ہونے والے چوبی دروازوں تک پہنچنا یا پری زادوں سے لڑائی کرتے ہوئے باہر جا نکلنا یقیناً ناممکن تھا۔ یہاں کھڑے بحث کرنے کا بھی کوئی فائدہ نہ تھا کیونکہ جلد یا بدیر انھیں دوبارہ گرفتار کر لیا جاتا۔ بالآخر بلبو کے پیچھے دبے پاؤں چلتے ہوئے وہ سب سے زیریں تہ خانوں کی جانب روانہ ہوئے۔ وہ ایک مرتبہ پھر اس کوٹھری کے سامنے سے گزرے جہاں شاہی خانسامہ اور کماندار محافظ ابھی تک سکون سے میز پر سر رکھے مسکراتے ہوئے خراٹے مار رہے تھے۔ ڈارووینیاں کی شراب کی گہری مدہوشی میں دلفریب اور دلکش خواب آتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ کماندار محافظ کے چہرے پر دوسرے دن قطعی مختلف تاثرات پائے گئے تھے کیونکہ بلبو دبے پاؤں دوبارہ کمرے میں داخل ہوا اور آہستہ سے چابیوں کا گچھا اس کی پیٹی میں اڑس آیا۔

مسٹر بیگنز خود سے بولا، ''اس سے شاید اس پر پڑنے والی مشکلات میں کوئی کمی آجائے۔ بھلا شخص تھا بیچارہ اور قیدیوں سے اچھا سلوک کرتا تھا۔ بہرحال یہ سب حیران تو ضرور ہوں گے۔ یہ سمجھیں گے کہ ہم سب بہت ماہر جادوگر ہیں کہ مقفل دروازوں سے باہر نکل آئے اور یوں غائب ہو گئے.... غائب؟ اگر ہمیں یہاں سے غائب ہونا ہے تو ہمیں پھرتی کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔''

بالین کو کماندار محافظ اور شاہی خانسامے کی نگرانی پر مامور کیا گیا کہ اگر وہ جاگیں تو انھیں اطلاع کر سکے۔ باقی تہ خانے میں پہنچ گئے جہاں سے ندی کو راستہ جاتا تھا۔ ان کے پاس زیادہ

وقت نہ تھا۔ بلبو جانتا تھا کہ چند اور پری زادوں کو بھی حکم تھا کہ وہ نیچے آ کر شاہی خانسامے کو خالی کنستر فرشی دروازوں سے نیچے ندی میں پھینکنے میں مدد کریں۔ یہ کنستر ابھی سے ایک قطار میں دروازے کے قریب ہی دھرے تھے۔ ان میں کچھ شراب کے کنستر تھے جو ان کے کسی کام کے نہ تھے کیونکہ انھیں شور شرابے کے بغیر ایک جانب سے کھولنا اور بعد میں دوبارہ اندر سے بند کرنا ممکن نہ تھا۔ لیکن ان میں کچھ ایسے بھی تھے جو دیگر اشیا محل میں لانے کے لیے استعمال ہوئے تھے مثلاً مکھن، پنیر، پھل وغیرہ....

انھیں جلد ہی تیرہ ایسے کنستر مل گئے جن میں ایک بونے کے گھس بیٹھنے کی جگہ موجود تھی۔ کچھ تو اتنے کشادہ تھے کہ بونوں کو یہ فکر لاحق ہوگئی کہ کنستروں میں ان کا کیا حال ہوگا حالانکہ بلبو نے ارد گرد سے ڈھونڈ ڈھانڈ کر کچھ گھاس پھونس بھی ان کے اوپر نیچے ٹھونس دی تاکہ وہ کنستروں میں ادھر ادھر لڑھکتے نہ رہیں۔ جلد ہی بارہ کے بارہ بونے اپنے اپنے کنستر میں بند ہو گئے۔ تھورین کو کنستر میں بٹھانا سب سے مشکل ثابت ہوا جو ادھر ادھر کسمساتا رہا اور بڑبڑاتا رہا جیسے کسی بڑے کتے کو ایک چھوٹے سے کتا گھر میں بند کر دیا جائے۔ سب سے آخر میں پہنچنے والے بالین کو بھی کنستر کے اندر بیٹھنے میں کافی دقت ہوئی اور وہ کنستر کا ڈھکن بند ہونے سے پہلے ہی سانس بند ہونے کی شکایت کرنے لگا۔ بلبو نے اپنی سی پوری کوشش کی کہ کنستروں کے پہلوؤں کے سوراخ بند کیے جاسکیں اور ان کے ڈھکن بھی مضبوطی سے بند ہو جائیں۔ اب وہ کمرے میں اکیلا ادھر ادھر بھاگ رہا تھا کہ کہیں کوئی کنستر مناسب طریقے سے بند ہونے سے رہ نہ گیا ہو۔ وہ دل ہی دل میں اپنے منصوبے کی کامیابی کی دعا کر رہا تھا۔

اس کا کام عین آخری لمحے پر ہی مکمل ہوا۔ بالین کے کنستر کا ڈھکن بند ہونے کے اگلے ہی لمحے اسے باہر سے آوازیں سنائی دیں اور مشعلوں کی روشنی دکھائی دی۔ پری زادوں کا ایک گروہ ہنستا باتیں کرتا اور گیتوں کی ٹکڑیاں گنگناتا ہوا تہ خانوں میں داخل ہوا۔ وہ شاہی دعوت سے آ رہے تھے اور اپنا کام ختم کر کے واپس اسی دعوت میں لوٹ جانے کی باتیں کر رہے تھے۔

ایک بولا، ''وہ گیلیان خانسامہ کہاں ہے؟ وہ دعوت میں بھی موجود نہ تھا۔ اسے یہاں موجود ہونا چاہیے تا کہ ہمیں بتا سکے کہ کیا کرنا ہے۔''

دوسرے نے جواب دیا، ''اگر وہ یہاں نہ ہوا تو اچھا نہ ہوگا۔ مجھے یہاں وقت برباد کرنے کا کوئی شوق نہیں ہے جبکہ اوپر سب لوگ گانے بجانے اور کھانے پینے میں مصروف ہیں۔''

کوئی زور سے قہقہہ لگا کر بولا، ''ہاہاہا، یہ رہا وہ بدمعاش! شراب کے جگ میں سر گھسائے پڑا ہے۔ لگتا ہے یہ اپنے دوست محافظ کماندار کے ساتھ اپنی ہی دعوت اڑا رہا تھا۔''

دوسروں نے بے صبری سے کہا، ''اٹھاؤ انھیں.... جگاؤ انھیں۔''

گیلیان جھنجھوڑے جانے اور اٹھائے جانے پر قطعاً خوش نہ ہوا تھا۔ اس بھی زیادہ وہ دوسرے پری زادوں کے ہنسنے پر زِچ ہوا۔ وہ غصّے میں چیخ اٹھا، ''تم سب دیر سے پہنچے ہو۔ میں نجانے کتنی دیر سے یہاں بیٹھا تم سب کا انتظار کر رہا ہوں اور تم سب ہو کہ اوپر کھانے پینے گانے بجانے میں اتنے مصروف تھے کہ اپنا کام بھی بھول گئے۔ یہی وجہ ہے کہ میں تھکاوٹ سے سو گیا۔''

وہ سب بولے، ''ہاں خاص طور پر جب تمھاری تھکاوٹ کی وجہ ہمارے سامنے اس جگ میں پڑی ہے۔ اچھا چلو کام شروع کرنے سے پہلے ہمیں بھی تو چکھاؤ۔ اس کماندار محافظ کو جگانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ لگتا ہے اس نے اپنے حصے کی پی لی ہے۔''

پھر ان سب نے مل کر ایک دور لگایا اور وہ سب بھی جلد ہی مخمور ہو گئے۔ لیکن ابھی انھیں اپنے ہوش وحواس پر قابو تھا۔ وہ بولے، ''کیا ہو گیا ہے تمھیں گیلیان؟ لگتا ہے تم نے اکیلے اکیلے خوب دعوت اڑائی اور اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھے ہو۔ یہاں پڑے کنستروں کے وزن سے تو لگتا ہے کہ تم نے خالی کنستروں کے بجائے بھرے ہوئے کنستر پھینکنے کے لیے لا رکھے ہیں۔''

خانساماں جھلا کر بولا، ''چلو اپنا کام شروع کرو! تم جیسے کاہلوں کو کنستروں کے وزن کا کیا اندازہ؟ یہی کنستر ہیں جنھیں پھینکنا ہے۔ چلو، ویسا کرو جیسا میں کہہ رہا ہوں۔''

وہ بولے، ''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔'' اور کنستروں کو لڑھکاتے ہوئے فرش میں بنے دروازے کی جانب لے جانے لگے۔ ''اگر بادشاہ کے لیے لائے گئے گھی، مکھن اور شراب سے بھرے کنستر دریا میں پھینک دیئے گئے تاکہ جھیل نگر کے باسی ان پر عیاشی کرتے رہے تو تمھاری خیر نہیں۔ تم ہی موردِ الزام ٹھہرائے جاؤ گے۔'' وہ ساتھ ہی ساتھ گیت بھی گانے لگے...

لڑھکے لڑھکے کنستر لڑھکے.... لڑھکے لڑھکے ندی میں لڑھکے
چھپک چھپاک دھڑم دھڑام.... گرتے گرتے ندی میں گرتے

یوں گیت گاتے ایک ایک کر کے انھوں نے سارے کنستر فرش میں بنے دروازے سے چند گز نیچے بہتے پانی میں پھینک دیئے۔ کچھ خالی تھے اور کچھ میں ایک ایک بونا بیٹھا تھا۔ لیکن یکے بعد دیگرے تمام کنستر سوراخ سے نیچے چھپاک چھپاک ٹھنڈے پانی میں جا گرے۔ ایک دوسرے سے ٹکراتے، گھومتے ڈولتے، ڈوبتے تیرتے، زیرِ زمین سرنگ کی دیواروں سے ٹکراتے ندی کے بہاؤ کے ساتھ اندھیرے میں غائب ہوتے گئے۔

عین اسی لمحے بلبو کو اپنے منصوبے کے بنیادی نقص کا احساس ہوا۔ آپ سب تو یہ نقص سمجھ گئے ہوں گے اور ہو سکتا ہے آپ اس وقت بلبو کی حماقت پر ہنس بھی رہے ہوں۔ لیکن اگر آپ بھی بلبو کی جگہ اس صورتِ حال میں ہوتے تو شاید آپ بھی ایسا ہی کرتے۔ بلبو خود کسی کنستر میں نہ تھا اور اگر اسے کنستر میں گھس بیٹھنے کا موقع مل بھی جاتا تو اسے بند کرنے کے لیے کوئی موجود نہ تھا۔ یوں لگتا تھا کہ ایک مرتبہ پھر وہ اپنے دوستوں کو کھو بیٹھا تھا (جو اب تک سب زیرِ زمین دریا میں غائب ہو چکے تھے) اور اب وہ ہمیشہ کے لیے پری زادوں کے ان غاروں میں ادھر ادھر پھرنے کے لیے اکیلا رہ گیا تھا۔ اگر وہ جیسے تیسے اوپر والے دروازے سے باہر نکل بھی جاتا تو اس کے اپنے دوستوں کو تیز و تند دریا میں ڈھونڈ نکالنے کے امکانات نہ ہونے کے برابر تھے۔ اسے اس جگہ کے بارے میں بھی کچھ معلوم نہ تھا جہاں دریا باہر نکلتا تھا یا جہاں ان کنستروں کو اکٹھا کیا جاتا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس کے بغیر ان سب بونوں کا کیا ہوگا کیونکہ اسے موقع ہی نہ

ملا تھا کہ وہ وہ سب باتیں ان کو بتا سکتا جو وہ جان چکا تھا۔ وہ تو انھیں یہ بھی نہیں بتا سکا کہ اس کا پورا منصوبہ کیا تھا اور بخیر و عافیت جنگل سے نکلنے کے بعد انھیں کیا کرنا ہوگا۔

جب یہ سب باتیں بلبو کے ذہن میں گھوم رہی تھیں تو دوسری جانب پری زادوں کا ایک گروہ گیت گاتے ہوئے اس جگہ پر جا پہنچا جہاں سے زیرِ زمین دریا محل کی حدود سے باہر نکلتا تھا۔ کچھ اس آہنی جنگلے والے دروازے پر جا پہنچے تا کہ کنستروں کے وہاں پہنچتے ہی رسیوں سے دروازہ اٹھایا جائے اور کنستروں کو باہر نکلنے کا راستہ دیا جائے...

کالے پانی کے تیز بہاؤ میں بہتے جاؤ.... جہاں سے آئے ہو وہیں کو جاؤ
ہمارے محل اور غاروں کو چھوڑے جاؤ.... پہاڑی راہوں کو چھوڑے جاؤ
جہاں جنگل پھیلا تاریک اور گھنا.... سائے میں چھپا ہر ایک تنا
بہتے جاؤ درختوں سے آگے.... سرد معطر ہوا سے آگے
جھاڑیوں کے پاس، درختوں کے پاس.... ہوا میں جھومتے پتوں کے پاس
فضا میں اٹھتی دھند کے ساتھ.... ندی کے ساتھ تالاب کے ساتھ
چم چم کرتے تاروں کے نیچے.... ٹھنڈے نیلے آسمان کے نیچے
جب صبح سپیدہ زمین پر ابھرے.... دریا پر ابھرے کنارے پر ابھرے
جنوب کی جانب چلتے جاؤ.... چمکتی دھوپ اور روشنی پاؤ
جہاں سبزہ ہو جہاں جانور ہوں.... جہاں پہاڑ کے پہلو میں باغیچے ہوں
جہاں بیر اُگیں اور پھل پھولیں.... روشنی تلے آسمان تلے
جنوب کی جانب چلتے جاؤ
کالے پانی کے تیز بہاؤ میں بہتے جاؤ.... جہاں سے آئے ہو وہیں کو جاؤ

اب آخری کنستر دروازے کی جانب لڑھکایا جا رہا تھا۔ بلبو کو اور کچھ نہ سوجھا تو وہ لپک کر اسی کنستر کے ساتھ لپٹ گیا۔ اگلے ہی لمحے اس کنستر کو دروازے سے نیچے بہتے پانی میں پھینک

دیا گیا۔ وہ ایک چھپاکے کے ساتھ یخ ٹھنڈے پانی میں جا گرا۔ وہ نیچے تھا اور کنستر اس کے اوپر....

چوہے کی طرح کنستر سے چپکا ہوا وہ کھانستے ہوئے اوپر ابھرا لیکن پوری کوشش کے باوجود وہ کنستر کے اوپر نہ چڑھ سکا۔ جب بھی وہ اوپر چڑھنے کی کوشش کرتا تو کنستر گھوم جاتا اور وہ پھر پانی میں ڈوب جاتا۔ یہ کنستر بالکل خالی تھا اور پانی کی سطح پر ہی تیر رہا تھا۔ اگرچہ اس کے کانوں میں پانی بھر چکا تھا لیکن پھر بھی اسے اوپر تہ خانے میں پری زادوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ پھر یکا یک فرشی دروازہ دھڑام سے گرا اور ان کی آوازیں مدھم ہو گئیں۔ اب وہ اس زیرِ زمین دریا میں یخ بستہ پانی میں بہتا جا رہا تھا.... اکیلا.... اکیلا ہی تو تھا کیونکہ ان ساتھیوں کا کیا فائدہ جو علیحدہ علیحدہ کنستروں میں بند ہوں!

جلد ہی اسے دور آگے روشنی دکھائی دی اور جنگلے والے دروازے کو رسوں سے اوپر اٹھانے کی چڑچڑاہٹ بلند ہوئی۔ اس نے اپنے دائیں بائیں نگاہ دوڑائی تو دیکھا کہ اس کے چاروں جانب متعدد کنستر اور ڈرم پانی کی سطح پر ایک دوسرے سے ٹکراتے، ڈولتے دروازے کی نیچی محراب سے گزرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس کی پوری کوشش تھی کہ وہ ان کنستروں کے درمیان کچلا نہ جائے۔ لیکن پھر ایک ایک کر کے سارے کنستر محراب کے نیچے سے گزرتے چلے گئے۔ اس نے مڑ کر دیکھا تو اسے اندازہ ہوا کہ اگر وہ کنستر کے اوپر چڑھ کر بیٹھ بھی جاتا تو ہابٹ ہوتے بھی اسے کوئی فائدہ نہ ہوتا کہ دروازے کی محراب پانی کی سطح سے محض چند بالشت ہی اوپر تھی۔

دونوں کناروں سے دریا کے پانی پر جھکے ہوئے درختوں کی شاخوں کے نیچے اب کنستر بہتے جا رہے تھے۔ بلبو کو فکر لاحق تھی کہ بونوں کا کیا حال تھا اور کہیں ان کے کنستروں میں پانی تو داخل نہیں ہو گیا؟ اس کے قریب تیرتے ہوئے چند کنستر پانی میں آدھے ڈوبے تھے اور اسے اندازہ ہوا کہ یہ وہ کنستر تھے جن میں بونے چھپے بیٹھے تھے۔ وہ سوچنے لگا، ''معلوم نہیں میں نے کنستروں کے ڈھکن مضبوطی سے بند بھی کیے تھے یا نہیں؟'' لیکن جلد ہی اپنی فکر میں بونوں کو

بھی بھول گیا۔ جیسے تیسے وہ اپنا سر پانی کی سطح سے اوپر رکھنے میں کامیاب ہو گیا لیکن اب وہ سردی سے کپکپا رہا تھا۔ اس کے ذہن میں ایک ہی خیال گھوم رہا تھا کہ کیا وہ اس نئی مصیبت سے زندہ سلامت بچ بھی پائے گا یا نہیں، یا مزید کتنی دیر وہ اس کنستر سے چپکا رہے گا یا اسے کنستر کو چھوڑ کر کنارے تک تیرنے کی کوشش کرنا چاہیے؟

لیکن قسمت اس کے ساتھ تھی۔ ایک مقام پر دریا کی لہروں نے چند کنستروں کو کنارے کے قریب لا پہنچایا جہاں وہ پانی میں ڈوبی درخت کی ایک بھاری جڑ سے اٹک گئے۔ بلبو نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور اٹکے ہوئے کنستر کے اوپر چڑھ بیٹھا۔ اوپر چڑھنے کے بعد وہ اپنے ہاتھ پاؤں پھیلا کر کنستر پر لیٹ گیا تاکہ اس کا توازن برقرار رہے۔ ہوا میں خنکی تھی لیکن پھر بھی یخ بستہ پانی سے بہتر ہی تھی۔ وہ دعا مانگنے لگا کہ کہیں وہ دوبارہ کنستر سے نیچے پانی میں نہ جا پڑے۔ لیکن تھوڑی ہی دیر بعد دریا کی لہروں سے کنستر ایک مرتبہ پھر ڈولتے ڈگمگاتے اپنے سفر پر روانہ ہو گئے اور دریا کے بیچ میں پہنچ گئے۔ ایک مرتبہ پھر بلبو کو کنستر کے اوپر چڑھے رہنے میں دقّت کا سامنا ہوا۔ لیکن اس کا اپنا وزن زیادہ نہ تھا اور کنستر بھی اچھا خاصا بڑا تھا۔ اس وقت تک کنستر میں بھی کچھ پانی داخل ہو چکا تھا اور اس کا توازن پہلے سے قدرے بہتر رہا۔ لیکن بہرحال اس پر سواری کرنا ایسے ہی تھا جیسے کاٹھی، رکاب اور لگام کے بغیر اس خچر پر سواری کرنا جسے گھاس میں لوٹنے کا شوق چرایا ہو۔

ایسی ہی حالت میں بلبو ایک ایسے مقام پر آن پہنچا جہاں دریا کے دونوں کناروں پر درخت کم ہونے لگے۔ اب اسے درختوں کے درمیان کبھی کبھار آسمان دکھائی دینے لگا۔ پھر یکا یک دریا کا پاٹ چوڑا ہو گیا اور وہ جنگل کے دریا میں جا ملا جو بن باسی پری زادوں کے بادشاہ کے محل کے صدر دروازے سے بہہ کر آ رہا تھا۔ یہاں درخت پانی کی سپاٹ سطح سے دور تھے جس پر بادلوں اور ستاروں کے ٹوٹے پھوٹے عکس ناچ رہے تھے۔ جنگل کے دریا کے تیز بہاؤ نے کنستروں کو شمالی کنارے کی جانب دھکیل دیا جہاں کم گہرے اور قدرے ساکت پانی کا ایک تالاب بنا تھا۔ گول کنکریوں والے کنارے سے چند گز دور ایک دیوار نما چٹان پانی کے

بہاؤ کو مزید کم کر رہی تھی۔ اس کنارے پر زیادہ تر کنستر رک گئے اور باقی ماندہ چٹانی دیوار کے ساتھ ٹک گئے۔

کنارے پر کچھ لوگ منتظر کھڑے تھے جنھوں نے لمبے بانسوں کی مدد سے کنستروں کو کنارے کے قریب اکٹھا کیا اور گنتی کے بعد ان سب کو رسیوں کے ساتھ باندھا اور صبح تک چھوڑ گئے۔ آہ، بیچارے بونے! دوسری جانب بلبو کی حالت اب بہتر تھی۔ وہ اپنے کنستر سے اترا اور چپکے چپکے کنارے پر چلتے ہوئے قریب دکھائی دینے والی چند جھونپڑیوں کی جانب چل دیا۔ اس وقت اسے کھانے پینے کی کوئی چیز چوری کرنے میں کوئی عار نہ تھا۔ اب تو نجانے کتنے دن ہو گئے کہ وہ چوری کر کے ہی کھا رہا تھا اور اب اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ حقیقی بھوک اور محض ذائقے کے لیے چیزوں کو چکھنے میں کیا فرق ہوتا ہے۔ اسے درختوں کے درمیان جلتی آگ کی روشنی کی جھلک دکھائی دی اور اپنے جسم سے چپکتے ہوئے بھیگے کپڑوں اور سرد ہوا کی وجہ سے اسے آگ کی حدّت اپنی جانب کھینچنے لگی۔

اس رات بلبو کے ساتھ پیش آنے والے تمام واقعات کا تفصیلی بیان ضروری نہیں ہے کیونکہ اب ہم مشرق کی جانب اس کے سفر کے اختتام کی طرف بڑھ رہے ہیں جہاں سے اس کی آخری اور سب سے حیرت انگیز مہم شروع ہوتی ہے۔ اس لیے اب ہم جلدی سے آگے بڑھتے ہیں۔ اپنی طلسماتی انگوٹھی کی مدد سے شروع میں تو اسے کوئی دیکھ نہ پایا لیکن جلد ہی اس کے گیلے پیروں کے نشانات اور شرابور کپڑوں کے چھینٹوں کی وجہ سے جھونپڑیوں کے باسیوں کو شک ہونے لگا۔ مزید یہ کہ اسے چھینکیں بھی آنے لگی تھیں۔ وہ جہاں بھی بیٹھتا رات کے سکوت میں اس کی چھینکیں گونج اٹھتیں۔ جلد ہی دریا کنارے بستی میں ہلچل مچ گئی۔ لیکن تب تک بلبو ہاتھ میں ایک روٹی، کیک کا ایک ٹکڑا اور بغل میں شراب کی ایک چرمی چھاگل دابے جنگل میں غائب ہو چکا تھا۔ بقیہ ساری رات اسے آگ کی گرمی سے دور جنگل میں اپنے بھیگے کپڑوں میں ہی گزارنا پڑی لیکن شراب کی چھاگل کی موجودگی میں سردی کا کچھ نہ کچھ اہتمام ہو ہی گیا۔ اگرچہ سال اپنے اختتام کے قریب تھا اور ہوا سرد تھی پھر بھی وہ خشک پتوں کے ایک ڈھیر پر تھوڑی

دیر کے لیے سو گیا۔

ایک زوردار چھینک سے بلبو کی آنکھ کھل گئی۔ پو پھوٹنے کو تھی اور دریا کنارے سرگرمی عروج پر تھی۔ بستی کے باسی پری زاد تمام کنستروں کو یکجا کر کے بیڑے کی شکل میں باندھ رہے تھے تاکہ انھیں ایک بار پھر دریا میں بہا دیں جہاں بیڑے والا پری زاد اسے جھیل نگر تک لے جاتا۔ بلبو ایک مرتبہ پھر چھینکا۔ اس کے کپڑے شرابور تو نہیں تھے لیکن اسے اب بھی سردی لگ رہی تھی۔ وہ سردی سے اکڑی ٹانگوں پر جتنی تیزی سے بھاگ سکتا بھاگا اور عین آخری لمحے پر کنستروں سے بنے بیڑے پر جا چڑھا۔ اچھا ہی کہ ابھی سورج نمودار نہیں ہوا تھا ورنہ زمین پر اس کا سایہ اس کی موجودگی کو ظاہر کر دیتا اور یہ بھی اچھا ہی ہوا کہ اس کو اس کے بعد کافی دیر تک چھینک بھی نہیں آئی۔

دریا کنارے اور اتھلے پانی میں کھڑے پری زادوں نے بانسوں کی مدد سے بیڑے کو گہرے پانیوں میں دھکیلا۔ ایک ساتھ بندھے کنستروں سے احتجاجی چرچراہٹ کی آوازیں بلند ہوئیں۔ کچھ پری زادوں نے کہا، "آج یہ کنستر بھاری کیوں ہیں؟ یہ پانی میں کافی نیچے تیر رہے ہیں۔ ان میں بہت سے کنستروں میں ہمیشہ کچھ نہ کچھ ضرور ہوتا ہے۔ اگر یہ دن کے وقت یہاں پہنچتے تو ہم کھول کر دیکھتے کہ ان میں کیا ہے۔" بیڑے والا پری زاد جھلا کر بولا، "اب وقت نہیں ہے۔ بس دھکیلو فوراً۔"

یوں بیڑا روانہ ہوا۔ پہلے پہل آہستہ آہستہ پھر جیسے ہی چند پری زادوں نے اسے لمبے بانسوں کی مدد سے چٹانی دیوار سے پرے دھکیلا اس کی رفتار میں تیزی آ گئی اور وہ جھیل نگر کی جانب روانہ ہو گیا۔ اگرچہ وہ پری زادوں کے بادشاہ کی قید سے فرار ہو چکے تھے اور جنگل کی بھول بھلیوں سے بھی نکل آئے تھے لیکن کوئی نہ جانتا تھا کہ کنستروں میں بند بونے زندہ بھی تھے یا نہیں۔

دسواں باب

گرمجوش استقبال

جیسے جیسے وہ دریا میں بڑھتے گئے دن کی روشنی اور تمازت بڑھتی گئی۔ کچھ دیر بعد دریا بائیں ہاتھ پر واقع ایک بلند چٹان کے ساتھ سے مڑا۔ چٹان کی بنیاد پر دریا کا متلاطم پانی جھاگ بھرے بھنور بنانے لگا۔ جیسے ہی دریا چٹان سے آگے بڑھا اس کا پاٹ ایک مرتبہ پھر پھیل گیا۔ پانی پُرسکون ہو گیا۔ درخت ختم ہو گئے اور بلبو کی نگاہوں کے سامنے ایک منظر پھیلتا چلا گیا۔

یہ علاقہ سپاٹ اور میدانی تھا۔ یہاں دریا کئی حصّوں میں بٹ گیا اور چاروں جانب ندیاں اور جھیلیں دکھائی دینے لگیں۔ لیکن دریا کا بڑا حصّہ ابھی تک درمیان میں ہی بہہ رہا تھا اور دور پس منظر میں بادلوں میں سر چھپائے ایک پہاڑ دکھائی دے رہا تھا۔ اس ایک پہاڑ کے قریب ترین ہمسائے جو شمال مشرق میں واقع تھے اتنے فاصلے پر تھے کہ نگاہوں سے اوجھل تھے۔ یہ پہاڑ اکیلا کھڑا تھا جیسے جھیل کے ساتھ ساتھ واقع علاقوں کی نگرانی کر رہا ہو۔ یہی کوہِ یکتا تھا۔ اسے دیکھنے کی خاطر بلبو نے بہت طویل اور دشوار گزار سفر طے کیا تھا لیکن اب جب اس پر پہلی نگاہ پڑی تو بلبو کا دل نجانے کیوں بیٹھنے لگا۔

بیڑے چلانے والوں کی گفتگو سے بلبو کو جو معلومات حاصل ہوئیں ان کے مطابق اس پہاڑ کو دیکھنا بلبو کے لیے خوش قسمتی تھی چاہے اتنے دور سے ہی سہی۔ اس کی قید جتنی وحشت ناک سہی، اس کی موجودہ صورتِ حال جتنی تکلیف دہ سہی، (اس کے قدموں کے نیچے کنستروں میں بند بونوں کی تو بات ہی نہ کریں) پھر بھی وہ اپنے اندازے سے کہیں زیادہ خوش قسمت تھا۔ وہ دریا پر ہونے والی تجارتی آمد و رفت اور کشتیوں اور تاجروں کی تعداد میں اضافے کی باتیں کر رہے تھے کیونکہ مشرق سے بن سیاہ کی جانب آنے والے زمینی راستے ناقابلِ استعمال ہو چکے تھے۔ جھیل نگر کے باسیوں اور بن باسی پری زادوں کے درمیان بھی تنازع اٹھ کھڑا تھا کہ جنگل کے دریا اور اس کے ارد گرد کے علاقوں کی حفاظت اور دیکھ بھال کس کی ذمے داری ہے۔ یہ سب علاقے ان دنوں سے بہت تبدیل ہو چکے تھے جب یہاں بونے پہاڑوں میں بسا کرتے تھے۔ زیادہ تر لوگوں کو تو وہ زمانہ یاد بھی نہ رہا تھا۔ بہت سے تبدیلیاں تو گزشتہ چند سالوں میں وقوع پذیر ہوئی تھیں جب آخری مرتبہ گنڈالف ان سے ملنے آیا تھا۔ سیلابوں اور طوفانی بارشوں نے دریا کے پانی کے بہاؤ میں بہت اضافہ کر دیا تھا۔ چند زلزلے بھی آ چکے تھے جنھیں اکثر لوگ اژدھے کی کارستانیاں قرار دیتے تھے۔ مقامی لوگ اژدھے کا ذکر آتے ہی خوف کے عالم میں سر کی حرکت سے پہاڑ کی جانب اشارہ کرتے اور دل ہی دل میں اس پر ہزار لعنتیں بھیجتے۔ کیچڑ زدہ اور دلدلی زمین چاروں جانب پھیل گئی تھی اور پرانے راستے بھی غائب ہو گئے تھے۔ ان راستوں کی تلاش میں جانے والے گھڑ سوار بھی کبھی لوٹ کر نہ آئے تھے۔ بیورن کی صلاح پر پری زادوں کا وہ راستہ جو بونوں نے اختیار کیا تھا وہ بھی اب پُرخطر، مشکوک اور مخدوش جانا جاتا تھا۔ جنوب میں بن سیاہ کے کناروں سے پہاڑوں کے قدموں میں میدانی علاقوں تک پہنچنے کے لیے اب صرف دریا ہی ایک محفوظ راستہ بچا تھا جسے بن باسی پری زادوں کے بادشاہ کا تحفظ حاصل تھا۔

یوں بلبو نے وہ واحد راستہ اختیار کیا تھا جو قدرے محفوظ تھا۔ بیڑے پر سردی سے ٹھٹھرتے بلبو بیگنز کو کافی خوشی ہوتی اگر اسے یہ علم ہو جاتا کہ ان سب باتوں کی خبر دور نجانے

کہاں گنڈالف تک بھی پہنچ چکی تھی اور وہ اپنا کام (جس کا ذکر اس داستان میں نہیں ہوگا) سمیٹ کر تھورین اور اس کے ساتھیوں کی تلاش میں نکلنے کی تیاریاں پکڑ رہا تھا۔ لیکن بلبو کو اس بات کا علم نہ تھا۔

اسے صرف اس بات کا علم تھا کہ دریا تھا کہ ختم ہونے میں ہی نہ آ رہا تھا، بھوک اور سردی سے اس کا برا حال تھا اور سب سے بڑی بات کہ اسے خشمناک نگاہوں سے گھورتے اور ہر لمحے قریب آتے ہوئے پہاڑ سے خوف آنے لگا تھا۔ لیکن کچھ ہی دیر بعد دریا کا رخ جنوب کی جانب ہو گیا اور پہاڑ ایک مرتبہ پھر نگاہوں سے اوجھل ہونے لگا۔ یہاں دریا کے ادھر ادھر پھیلے ہوئے ندی نالے ایک مرتبہ پھر یکجا ہو گئے اور دن ڈھلتے ہی ایک گہرے اور تیز رفتار بہاؤ کی شکل اختیار کر لی جس میں بونوں کا بیڑا ایک مرتبہ پھر تیزی سے بہنے لگا۔

جب دریا نے مشرق کی جانب ایک اور موڑ لیا اور لمبی جھیل میں جا گرا تو سورج ڈوب چکا تھا۔ یہاں دریا کے دونوں جانب بلند عمودی چٹانیں کسی دروازے پر ایستادہ ستونوں کی مانند کھڑی تھیں جن کے پیروں میں پتھروں اور کنکروں کے ڈھیر لگے تھے۔ لمبی جھیل! بلبو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کسی سمندر کے علاوہ پانی کا کوئی ذخیرہ اتنا وسیع و عریض بھی ہو سکتا ہے۔ یہ جھیل اتنی چوڑی تھی کہ اس کے دونوں اطراف کے کونے بمشکلِ تمام دکھائی دے رہے تھے اور اتنی طویل تھی کہ کوہِ یکتا کی جانب اس کا جنوبی حصہ افق تک دکھائی دے رہا تھا۔ اگر بلبو نے نقشہ نہ دیکھا ہوتا تو اسے معلوم ہی نہ ہوتا کہ دور جہاں ویَن کے ستارے ابھی سے جھلملا رہے تھے دریائے ڈیل اسی جھیل میں آ ملتا اور جنگل کے دریا سے مل کر یہ جھیل تخلیق کرتا جو شاید کسی زمانے میں بلند و بالا پہاڑوں کے درمیان ایک گہری پتھریلی وادی تھی۔ دو دریاؤں کا یہ پانی جنوبی جانب بلند آبشاروں سے نیچے گرتا اور انجانے دیسوں میں جا پہنچتا۔ شام کے ساکت دھندلکے میں آبشاروں کی آواز لگاتار گرج کی مانند سنائی دے رہی تھی۔

دریا کے جھیل میں داخلے کے مقام کے قریب ہی وہ عجیب و غریب بستی دکھائی دی جس کے بارے میں اس نے بادشاہ کے تہ خانوں میں پری زادوں سے سنا تھا۔ یہ بستی جھیل کے

کنارے پر واقع نہ تھی بلکہ عین درمیان میں پانی کی سطح پر تعمیر کی گئی تھی اگر چہ جھیل کے کنارے پر بھی چند جھونپڑیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ پانی پر تعمیر کردہ بستی کو دریا کی تیز لہروں سے بچانے کے لیے پتھروں کی ایک دیوار پانی میں دور تک بنائی گئی تھی جس کی بنا پر بستی کے گرد پانی قدرے پُرسکون تھا۔ مضبوط ٹھوس شہتیروں پر بنا ایک پل کنارے سے بستی کی چوبی عمارتوں تک رسائی دیتا تھا۔ یہ بستی پری زادوں نے نہیں بلکہ اژدھے کے مسکن پہاڑ کے عین سائے میں رہنے کا حوصلہ رکھنے والے انسانوں نے بنائی تھی۔ جنوب سے آنے والی تجارتی رسد ہی ان کا ذریعہ معاش تھا جو آبشاروں کے پہلو سے گزار کر ان کی بستی تک لائی جاتی۔ پرانے زمانے میں جب ڈیل ایک متموّل اور ترقی یافتہ شہر تھا، جھیل نگر کے باسی بھی دولت مند اور اثر ورسوخ کے حامل تھے۔ ان دنوں میں دریا کے کناروں پر کشتیوں اور بجروں کی بھیڑ رہتی جن میں کچھ سونے چاندی سے لدے ہوتے اور کچھ میں چمکدار زرہ بکتروں میں ملبوس جنگجو اور لڑاکے سوار ہوتے۔ اس زمانے میں ہونے والی جنگوں اور ان میں دکھائے جانے والے بہادری اور شجاعت کے کارنامے لوک داستانوں کا حصّہ تھے۔ خشک سالی کے دنوں میں جب پانی کی سطح نیچے اترتی تو پرانے شہر کی کچھ علامات ان بوسیدہ شہتیروں کی صورت میں سامنے آتیں جو کناروں پر دکھائی دیتے۔

زیادہ تر باسیوں کو ان دنوں کی کہانیاں اب یاد نہ رہی تھیں اگر چہ کچھ لوگ اب بھی پہاڑوں میں رہنے والے ڈورین کی نسل سے تعلق رکھنے والے بونے بادشاہوں تھرین اور تھرور کے گیت گاتے، اژدھے کی آمد کی داستانیں سناتے اور ڈیل کے نوابوں کے زوال کے قصے بیان کرتے۔ کچھ گیت اور داستانیں ایسی بھی تھیں جن میں ایک دن تھرین اور تھرور کی واپسی کا ذکر ہوتا جب پہاڑ کے دروازوں سے نکلنے والا سونا دریا کے پانی میں بہنے لگے گا اور ہر طرف خوشحالی کے نئے گیت اور شادمانی کے نئے قہقہے گونجنے لگیں گے۔ لیکن ان داستانوں نے ان کی روزمرّہ کی سرگرمیوں پر کوئی اثر نہ ڈالا تھا۔

جیسے ہی کنستروں کا بیڑا نگاہوں کے سامنے آیا جھیل کے پانی میں گڑھے چوبی ستونوں

کے قریب سے متعدد کشتیاں اس کی جانب روانہ ہوئیں اور ان کے ملاحوں نے بیڑے پر سوار پری زادوں کو پکارا۔ بیڑے کو رسیوں سے کشتیوں کے ساتھ باندھا گیا اور اسے دریا کے بہاؤ سے نکال کر بلند پتھریلی دیوار کی اوٹ میں جھیل نگر کے گرد پُرسکون پانیوں میں لایا گیا۔ یہاں اسے بستی کو جانے والے پل کے قریب ہی لنگر انداز کر دیا گیا۔ جنوب سے آنے والے بیڑے سے کچھ کنستر اتارے گئے اور کچھ نئے کنستر لادے گئے جن میں بن باسی پری زادوں کے محل جانے والا سامان تھا۔ اس ساری سرگرمی کے دوران کنستر پانی میں ہی پڑے رہے اور بیڑا چلانے والے پری زاد اور جھیل نگر کے ملّاح سب جھیل نگر میں کھانے پینے چلے گئے۔

ان کے جانے کے بعد رات کی تاریکی میں جھیل کنارے جو کچھ وقوع پذیر ہوا اگر یہ سب لوگ دیکھ لیتے تو حیرت سے ششدر رہ جاتے۔ بلبو نے سب سے پہلے ایک کنستر کی رسیاں کاٹیں اور اسے دھکیلتے ہوئے کنارے تک لے گیا۔ کنستر کے اندر سے کراہنے کی آوازیں بلند ہوئیں اور ایک بدحال بونا رینگتا ہوا برآمد ہوا۔ اس کی داڑھی میں گیلی گھاس پھنسی تھی۔ اتنی دیر تک کنستر میں بند رہنے کے باعث اس کی ہڈیاں تھکان سے چور ہو چکی تھیں اور وہ کھڑا ہو سکتا تھا نہ چل سکتا تھا۔ بمشکلِ تمام وہ اتھلے پانی سے گزرتا ہوا کنارے پر پہنچا اور دھپ سے زمین پر گر گیا۔ بھوک اور چوٹوں سے نڈھال اس کے چہرے پر ایسے تاثرات تھے جیسے کوئی کسی کتے کو ایک ہفتے تک زنجیروں میں جکڑ کر بھول جائے۔ گو یہ تھورین تھا لیکن اس کے گلے میں لٹکتی سنہری زنجیر اور اس کے چاندی کے پھندنوں والے پھٹے پرانے آسمانی رنگ کے کوٹ کے بغیر اسے پہچاننا محال تھا۔ بہت دیر وہ یونہی پڑا رہا اور بلبو سے بات ہی نہ کی۔

بلبو شاید یہ بھول رہا تھا کہ بیچارے بونوں کے برعکس وہ اس سفر کے دوران ایک مرتبہ کھانا کھا چکا ہے، اس کے بازو اور ٹانگیں حرکت کے لیے آزاد تھے اور اسے کھلی ہوا بھی میسّر تھی۔ پھر بھی وہ زِچ ہو کر بولا، ''اچھا یہ تو بتاؤ کہ تم زندہ بھی ہو یا مر چکے ہو؟ کیا تم ابھی تک قید میں ہو یا آزاد ہو چکے ہو؟ اگر تمھیں بھوک لگی ہے اور اگر تم اپنی اس احمقانہ مہم کی تکمیل پر اب بھی مصر ہو (یوں بھی یہ تمھاری مہم ہے میری نہیں) تو تمھیں اپنے ہاتھ پیر ہلانے ہوں گے اور

دوسروں کو باہر نکالنے میں میری مدد کرنا ہوگی۔''

تھورین کو احساس ہونے لگا کہ بلبو درست کہہ رہا ہے، اس لیے وہ چند لمحے مزید کراہنے کے بعد اٹھ کھڑا ہوا اور بلبو کی مدد میں اپنی سی کوشش کرنے لگا۔ اس تاریکی اور سرد پانی میں انھیں ان کنستروں کی نشاندہی کرنے میں کافی دقت ہوئی جن میں بونے بند تھے۔ کنستروں کو تھپتھپانے اور سرگوشیوں میں پکارنے سے انھیں چھ بونے ایسے ملے جو جواب دینے کی سکت رکھتے تھے۔ انھیں باہر نکالا گیا اور کنارے پر لا بٹھایا گیا جہاں وہ کھانستے، بڑبڑاتے، کراہتے اور کوستے بیٹھے رہے۔ ان کی حالت اتنی بری تھی کہ انھیں احساس ہی نہ ہو رہا تھا کہ انھیں کنستروں سے باہر نکالا جا چکا ہے اور انھیں کسی کا شکریہ بھی ادا کرنا چاہیے۔

ڈوالین اور بالین کی حالت سب سے مخدوش تھی اور انھیں مدد کے لیے کہنا بے سود تھا۔ بیفور اور بوفور کی حالت قدرے بہتر تھی لیکن پھر بھی انھوں نے کچھ کرنے سے انکار کر دیا اور زمین پر پڑے رہے۔ فیلی اور کیلی جو بونوں کے حساب سے قدرے جوان تھے اور جن کے کنستروں میں قدرے زیادہ گھاس موجود تھی تقریباً مسکراتے ہوئے کنستروں سے برآمد ہوئے کیونکہ انھیں بہت زیادہ چوٹیں نہ لگی تھیں اور ان کی تکان جلد ہی دور ہو گئی۔

فیلی بولا، ''امید ہے مجھے آیندہ کبھی بھی سیبوں کی خوشبو سونگھنے کو نہ ملے گی۔ میرا کنستر تو سیبوں کی خوشبو سے بھرا تھا۔ دو دنوں کی بھوک اور ہاتھ پیر ہلانے کی جگہ نہ ہو اور ہر وقت سیبوں کی خوشبو نتھنوں میں چڑھ رہی ہو تو کوئی بھی بونا پاگل ہو جائے گا۔ اس وقت میں دنیا کی کوئی بھی چیز کھانے پر تیار ہوں اور گھنٹوں کھانے پر تیار ہوں لیکن .... بس سیب نہ ہوں۔''

فیلی اور کیلی کی مدد سے بلبو اور تھورین نے بالآخر باقی کنستر بھی ڈھونڈ نکالے اور ان میں بند بونوں کو باہر نکال لائے۔ بیچارہ موٹا بومبور یا تو سویا تھا یا بے ہوش۔ ڈوری، نوری، اوری، اوئین اور گلوئین پانی سے شرابور تھے اور مکمل طور پر بے سدھ تھے۔ ان پانچوں کو اٹھا کر جھیل کے کنارے لا رکھنا پڑا۔

تھورین بولا، ''چلو، اب سب یہاں پہنچ چکے ہیں۔ اب ہمیں سب سے پہلے اپنی قسمت

اور پھر مسٹر بیگنز کا شکریہ ادا کرنا چاہیے جو ان کا حق بنتا ہے۔ اگر چہ یہ کہیں بہتر ہوتا اگر اس سفر کے لیے مسٹر بیگنز کسی آرام دہ سواری کا بندوبست کر پاتے۔ پھر بھی، مسٹر بیگنز، ہم سب آپ کے انتہائی شکر گزار ہیں! بے شک ہمارا تشکر مزید گرمجوشی کا حامل ہوتا اگر ہماری تکان اور بھوک ختم ہو چکی ہوتی۔ خیر، اب کیا ہوگا؟''

بلبو نے جواب دیا، ''میں جھیل نگر کی جانب جانے کی تجویز پیش کرتا ہوں۔ اس کے علاوہ کر بھی کیا سکتے ہیں؟''

واقعی اس کے علاوہ تجویز کرنے کو کچھ بھی نہ تھا۔ یوں باقیوں کو وہیں کنارے پر چھوڑ کر تھورین، بلبو، فیلی اور کیلی جھیل نگر کے پل کی جانب چل دیے۔ پل کے سامنے چند محافظ موجود تھے لیکن وہ کچھ زیادہ چوکس نہ تھے کیونکہ بہت عرصہ ہوا چوکسی کی ضرورت ہی نہ رہی تھی۔ دریا پر نافذ تجارتی محصول سے متعلق کبھی کبھار ہونے والے جھگڑوں کے علاوہ جھیل نگر کے باسیوں کے بن باسی پری زادوں سے خوشگوار روابط تھے۔ باقی لوگ بہت دور رہتے تھے اور جھیل نگر کے نوجوان رہائشی تو پہاڑ میں رہنے والے کسی اژدھے کو سرِ عام افسانہ گردانتے تھے اور ان سفید ریش بوڑھوں بزرگوں پر ہنستے تھے جو کہتے کہ انھوں نے اپنے بچپن میں اژدھے کو آسمانوں پر اڑتے دیکھا ہے۔ یوں کوئی اچنبھا نہ تھا کہ محافظ جھونپڑے میں آگ جلائے ہنستے اور شراب سے لطف اندوز ہوتے بیٹھے تھے اور انھیں کنستروں کے کھولنے کی آوازیں اور ان چاروں کے پیروں کی چاپ سنائی نہ دی۔ جب تھورین اوکن شیلڈ ان کی جھونپڑی میں داخل ہوا تو وہ حیرت زدہ رہ گئے۔

''تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟'' وہ اچھل کر کھڑے ہوئے اور اپنے اپنے ہتھیار تلاش کرنے لگے۔

تھورین نے بلند آواز میں جواب دیا، ''تھورین اوکن شیلڈ ولد تھرین ولد تھرور، پہاڑ پاتال سلطنت کا بادشاہ! میں لوٹ آیا ہوں اور اس شہر کے حاکم سے ملنا چاہتا ہوں۔'' پھٹے کپڑوں اور میلے کچیلے کوٹ کے باوجود اس کے لہجے میں اعتماد، رعب اور دبدبہ تھا۔ اس کے گلے

اور کمر پر سنہری ہاراور پیٹی دمک رہی تھیں۔اس کی آنکھیں الاؤ کی روشنی میں چمک رہی تھیں۔

محافظوں میں تو جیسے کھلبلی مچ گئی۔ کچھ احمق تو فوراً باہر نکل بھاگے جیسے پہاڑ اسی وقت سونے کا بن جائے گا اور جھیل کا پانی پگھلے ہوئے سونے میں بدل جائے گا۔محافظوں کا کپتان آگے بڑھا اور فیلی، کیلی اور بلبو کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولا،''اور.....اور یہ کون ہیں؟''

''یہ دونوں میرے باپ کی بیٹی کے بیٹے ہیں۔ فیلی اور کیلی، ڈورن کی نسل سے ہیں اور یہ مسٹر بیگنز ہیں جو مغرب سے ہمارے سفر میں ہمارے ساتھ ہیں۔''

کپتان بولا،''اگر آپ کی آمد کا مقصد پُرامن ہے تو اپنے ہتھیار پھینک دیں۔''

تھورین نے جواب دیا،''ہم نہتے ہیں۔'' اور بات بھی درست تھی۔ بشمول آرکرسٹ تلوار، ان کے تمام ہتھیار بن باسی پری زاد لے چکے تھے۔بس بلبو کے لباس کے نیچے اس کی چھوٹی تلوار موجود تھی لیکن اس نے اس کے بارے میں کچھ کہنے سے گریز کیا۔''ہمیں کسی ہتھیار کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم اپنے ہی لوگوں میں واپس لوٹ رہے ہیں جیسا کہ پرانی روایتوں میں ذکر ہے۔ یوں بھی ہم اتنے لوگوں کے خلاف کیسے لڑ سکتے ہیں۔ہمیں اپنے حاکم تک لے چلو۔''

کپتان نے جواب دیا،''وہ دعوت میں مصروف ہے۔''

فیلی جواب اس رسمی سوال جواب سے تنگ ہونے لگا تھا، تنک کر بولا،''پھر تو ابھی اس وقت ہمیں اس کے پاس لے چلو۔ہم اپنے طویل سفر کی تھکان سے چور ہو رہے ہیں اور ہمارے ساتھی بیمار ہیں۔اب جلدی کرو اور باتوں میں وقت ضائع نہ کرو ورنہ تمھارا حاکم تم سے خوش نہ ہوگا۔''

کپتان نے جواب دیا،''ٹھیک ہے۔ میرے ساتھ آؤ۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے چھ محافظ اپنے ساتھ لیے اور انھیں لیتے ہوئے داخلی دروازے سے ہوتے جھیل نگر میں داخل ہوا۔ یہ شہر کا بازار تھا جو شہر کے عین وسط میں ایک گول تالاب کی صورت میں تھا جہاں بلند شہتیروں پر ایستادہ شاندار گھروں کے درمیان سے چوبی سیڑھیاں اور راہداریاں نیچے جھیل کے پانی تک

پہنچتی تھیں۔ ایک عالیشان گھر سے لاتعداد روشنیاں دکھائی اور آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ وہ اس گھر کے صدر دروازے سے اندر داخل ہوئے اور ایک وسیع روشن ہال میں پہنچے جہاں طویل میزوں پر بہت سے لوگ بیٹھے تھے۔

اس سے پیشتر کہ محافظوں کا کپتان کچھ کہتا تھورین کی گرجدار آواز ہال میں گونج اٹھی، ''میں تھورین اوکن شیلڈ ہوں ولد تھرین ولد تھرور، پہاڑ پاتال سلطنت کا بادشاہ.... میں واپس لوٹ آیا ہوں۔''

سب چونک کر کھڑے ہو گئے۔ جھیل نگر کا حاکم بھی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ لیکن سب سے زیادہ حیرت زدہ بیڑا چلانے والے وہ پری زاد تھے جو ہال کے ایک کونے میں بیٹھے تھے۔ وہ جھیل نگر کے حاکم کی میز کے سامنے آن کھڑے ہوئے اور چلّا اٹھے، ''یہ ہمارے بادشاہ کے قیدی ہیں جو فرار ہو کر یہاں آن پہنچے ہیں۔ یہ خانہ بدوش بونے ہیں جو ہمارے جنگل میں چھپتے پھرتے تھے اور ہمارے لوگوں پر حملہ آور ہوئے تھے۔''

شہر کے حاکم نے پوچھا، ''کیا یہ درست ہے؟'' حقیقت میں اس کا بھی خیال تھا کہ پری زادوں کے بیان کے درست ہونے کا امکان کہیں زیادہ تھا۔ پہاڑ پاتال سلطنت کا بادشاہ کیسے لوٹ کر آ سکتا ہے، نجانے حقیقت میں ایسا کوئی بادشاہ کبھی تھا بھی یا نہیں؟

تھورین نے جواب دیا، ''ہاں یہ درست ہے کہ جب ہم اپنے وطن لوٹ رہے تھے پری زاد بادشاہ نے بلا وجہ ہمیں گرفتار کیا اور ہمیں قید میں ڈال دیا۔ لیکن کوئی قفل، سلاخ اور زنجیر اسے واپس اپنے وطن آنے سے نہیں روک سکتی جس کے بارے میں روایات میں کہہ دیا گیا ہو۔ یہ شہر بھی بن باسی پری زادوں کی ملکیت نہیں ہے۔ میں جھیل نگر کے باسیوں کے حاکم سے مخاطب ہوں نہ کہ پری زاد بادشاہ کے بیڑے چلانے والوں سے۔''

اب جھیل نگر کا حاکم اچنبھے کا شکار ہو چکا تھا اور ایک چہرے سے دوسرے چہرے کی جانب دیکھنے لگا۔ اس علاقے میں بن باسی پری زادوں کے بادشاہ کا بہت اثر ورسوخ تھا اور جھیل نگر کا حاکم اس سے دشمنی مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ وہ پرانے گیتوں اور افسانوں میں بھی

بہت دلچسپی نہیں لیتا تھا۔ اسے فکر تھی تو تجارت اور محصول کی، سامان اور سونے کی، جس پر اس کی موجودہ حیثیت کا انحصار تھا۔ لیکن اس معاملے میں شہر کے دوسرے لوگوں کے خیالات مختلف تھے اور جلد ہی جھیل نگر کے دوسرے باسیوں نے اس سے پوچھے بنا ہی فیصلہ کر لیا۔ یہ خبر چند ہی لمحوں میں اس ہال سے نکل کر جنگل کی آگ کی طرح سارے شہر میں پھیلتی گئی۔ ہال میں اور ہال کے باہر لوگوں کا ہجوم ایک دوسرے کو چیخ چیخ کر بتا رہا تھا۔ باہر چوبی فرشوں اور راہداریوں پر لوگوں کے بھاگنے دوڑنے کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ کچھ نے بھولے بسرے گیتوں کی ٹکڑیاں گانا شروع کر دیں جس میں پہاڑ پاتال کے بادشاہ کی واپسی کا بیان تھا۔ انھیں اس بات سے کوئی غرض نہ تھی کہ پرانی داستانوں میں تو تھرور بادشاہ کی واپسی کا ذکر تھا جبکہ اس وقت تھرور کا پوتا لوٹ آیا تھا۔ جلد ہی سب لوگ ان گیتوں میں شامل ہو گئے اور جھیل کے پانی پر ہر جانب ایک ہی گیت پھیلتا چلا گیا...

پہاڑ پاتال کا بادشاہ، کندہ پتھر کا بادشاہ
چاندی کے فواروں کا بادشاہ، اپنے لوگوں میں لوٹے گا
تاج جس کا چمکے گا، بربط جس کا گائے گا
سنہرے درباروں میں جس کے گیت پرانے گونجیں گے
پہاڑ کے سائے میں اور سورج کی روشنی میں جنگل گھاس لہرائیں گے
فوارے سونا اگلیں گے اور دریا سنہرا ہو بہے گا
ندیاں، جھیلیں گیت خوشی کے گائیں گی، ختم ہوں گے سب رنج والم
جب بادشاہ اپنے لوگوں میں لوٹے گا

یوں سب لوگ یہ گیت گاتے رہے یا شاید اس سے کچھ ملتا جلتا جس میں لوگوں کی آوازوں کے ساتھ بربطوں اور وائلنوں کی موسیقی بھی شامل تھی۔ شہر کے سب سے عمر رسیدہ

شخص کو بھی یاد نہ تھا کہ آخری مرتبہ شہر میں ایسا جوش و خروش کب پھیلا تھا۔ حتیٰ کہ بن باسی پری زادوں کو بھی حیرت کے ساتھ ساتھ خوف محسوس ہونے لگا۔ انھیں یہ علم تو نہ تھا کہ تھورین اور اس کے ساتھی کیسے فرار ہوئے لیکن انھیں اس بات کا شک ہونے لگا تھا کہ کہیں ان کے بادشاہ سے کوئی سنگین غلطی تو سرزد نہیں ہوگئی۔ جہاں تک جھیل نگر کے حاکم کا تعلق تھا اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ اب عوام کی خوشیوں کے سامنے وہ کچھ نہیں کر سکتا اور کم از کم اس وقت تو اسے یہی ظاہر کرنا پڑے گا کہ اسے یقین ہے کہ تھورین وہی ہے جو وہ بیان کر رہا ہے۔ اس نے اپنی کرسی تھورین کو پیش کر دی اور فیلی اور کیلی اس کے دونوں جانب بیٹھ گئے۔ بلبو کو بھی مرکزی میز پر ایک نشست پیش کی گئی۔ اگرچہ کسی بھی روایت اور داستان میں کسی ہابٹ کا کوئی ذکر نہ تھا پھر بھی کسی نے اس سے یہ پوچھنے کی زحمت نہ کی کہ اس سارے معاملے میں اس کا کیا کردار تھا۔

جلد ہی حیرت انگیز جوش و جذبے میں دوسرے بونوں کو بھی شہر میں لایا گیا۔ ان کی خاطر مدارات، علاج، رہائش اور دیگر امور میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا گیا۔ ایک شاندار گھر تھورین اور اس کے ساتھیوں کے لیے مختص کر دیا گیا۔ ان کی خاطر کشتیوں اور ملاحوں کا بندوبست کیا گیا۔ سارا دن ایک ہجوم ان کے گھر کے باہر بیٹھا گیت گاتا رہا اور اگر کسی کھڑکی سے کسی بونے کا ناک یا داڑھی بھی دکھائی دیتی تو سب لوگ خوشی سے نعرے لگانے لگتے۔

لوگ جو گیت گا رہے تھے ان میں کچھ تو پرانے روایتی گیت تھے لیکن کچھ نئے بھی تھے جن میں انتہائی خوش امیدی سے اژدھے کی موت اور دریا کے راستے جھیل نگر کے باسیوں کے لیے آنے والے تحفے تحائف سے لدی پھندی کشتیوں کی آمد کا ذکر تھا۔ ان گیتوں کی مقبولیت کے پیچھے عمومی طور پر جھیل نگر کے حاکم کا ہاتھ تھا اور بونے ان گیتوں سے کچھ زیادہ لطف اندوز نہ ہوتے تھے۔ لیکن پھر بھی ان کی خاطر مدارات میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی گئی اور چند دنوں میں ہی وہ ایک مرتبہ پھر صحت مند اور تندرست و توانا ہو گئے۔ حقیقت میں ایک ہفتے کے دوران ہی وہ مکمل طور پر ہشاش بشاش ہو چکے تھے۔ نئے لباس اور صاف ستھری تراشیدہ داڑھیوں کے ساتھ وہ ایک مرتبہ پھر شاندار دکھائی دے رہے تھے۔ تھورین کی حرکات و سکنات سے تو یوں لگتا

تھا کہ اسے اپنی سلطنت دوبارہ مل گئی ہو اور سماگ کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں کاٹ کر جھیل میں پھینک دیا گیا ہو۔

دوسری جانب ہر گزرتے دن کے ساتھ بلبو کی جانب بونوں کا رویہ انتہائی دوستانہ اور تشکرانہ ہوتا گیا۔ سب بڑبڑاہٹیں، شکوے شکایتیں ختم ہو چکی تھیں۔ وہ اس کے نام کے جام چڑھاتے، اس کی پیٹھ پر تھپکیاں دیتے اور ہر وقت اس کی تعریفوں میں رطب اللسان رہتے جو ایک لحاظ سے اچھا ہی تھا کیونکہ بلبو کے ذہن پر کچھ اور ہی سوار تھا۔ اس کے ذہن پر ابھی تک کوہِ یکتا کی شبیہ نقش تھی اور اس کے دل میں ابھی تک اژدھے کا خوف بیٹھا تھا۔ اس کے علاوہ اس کا زکام بھی ابھی تک ختم نہ ہوا تھا۔ تین دن تک وہ چھینکتا کھانستا رہا اور گھر میں ہی بیٹھا رہا اور اس کے بعد بھی ہر شام دعوت کے اختتام پر وہ صرف یہی کہہ سکتا، ''آپ کا بہت شگریہ۔''

اس دوران بن باسی پری زاد اپنے سامان کے ساتھ واپس اپنے بسیروں کو لوٹ گئے اور بونوں کے بارے میں اطلاع دینے پر بادشاہ کے محل میں بہت کھلبلی مچی۔ یہ معلوم نہیں کہ خانساماں اور محافظوں کے کماندار کے ساتھ کیا بیتی۔ جب تک بونے جھیل نگر میں رہے قید خانے کی چابیوں اور کنستروں کے بارے میں کچھ نہ کہا گیا اور بلبو اپنے قیام کے دوران کبھی غائب نہ ہوا۔ پھر بھی میرا خیال ہے کہ لوگ بلبو کے بارے میں اندازے ہی لگاتے رہے اور وہ جھیل نگر میں ایک پُراسرار کردار کے طور پر جانا جاتا رہا۔ بہر حال اب پری زادوں کے بادشاہ کو بونوں کے منصوبے کا علم ہو چکا تھا اور وہ سوچنے لگا، ''ٹھیک ہے، دیکھا جائے گا۔ میں دیکھتا ہوں کہ میری اجازت کے بغیر بن سیاہ سے کوئی خزانہ کیسے گزرتا ہے۔ ان کا انجام اچھا نہ ہو گا اور ان کے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہیے۔'' اسے یقین تھا کہ بونے سماگ سے دوبدو جنگ کرنے یا اسے مارنے کی طاقت نہیں رکھتے ہیں۔ اس کے خیال میں بونے سماگ کا خزانہ چوری کرنے کی کوشش کریں گے۔ اس سے یہ بات تو عیاں تھی کہ پری زاد بادشاہ جھیل نگر کے باسیوں سے زیادہ چالاک اور دانش مند تھا۔ لیکن ہم دیکھیں گے کہ اس کا اندازہ بھی درست نہ تھا۔ پھر بھی

احتیاطاً اس نے اپنے جاسوس جھیل کے کناروں پر اور پہاڑ کے قریب متعین کر دیئے اور انتظار کرنے لگا۔

پندرہ بیس دنوں کے بعد تھورین وہاں سے روانگی کے بارے میں سوچنے لگا۔ جب تک جھیل نگر میں پُرمسرّت جشن جاری تھا شہر کے باسیوں سے مدد مانگی جاسکتی تھی۔ لوگوں کے جذبات ٹھنڈے پڑنے کے بعد ایسا کرنا مناسب نہ ہوگا۔ یوں اس نے ایک دن جھیل نگر کے مالک اور اس کے مشیروں کو بتایا کہ وہ اور اس کے ساتھی پہاڑ کی جانب جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

اس پر شہر کا حاکم پہلی مرتبہ حیران و پریشان ہوا اور اسے خدشہ لاحق ہوا کہ کہیں تھورین واقعی بادشاہوں کی نسل سے نہ ہو۔ اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ بونے واقعی سماگ کی جانب پیش قدمی کرنے کی ہمت کریں گے۔ اسے شک تھا کہ یہ سب دھوکے باز تھے جن کی حقیقت جلد بدیر سامنے آ ہی جائے گی اور یوں انھیں آسانی سے شہر بدر کیا جا سکے گا۔ وہ غلطی پر تھا۔ تھورین واقعی پہاڑ پاتال کے بادشاہ کا پوتا تھا اور کوئی نہیں جانتا تھا کہ بونے انتقام یا اپنے چوری کردہ یا گمشدہ مال ومتاع کے حصول کے لیے کیا کچھ کر سکتے۔

پھر بھی حاکم ان کی روانگی پر فکرمند نہ تھا۔ ان کی خاطر مدارات پر اچھی خاصی رقم خرچ ہو رہی تھی اور جب سے وہ آئے تھے سارے شہر میں میلے کا سا سماں تھا اور سارا کاروبار ٹھپ پڑا تھا۔ وہ سوچنے لگا، ''بھلے یہ جائیں اور سماگ سے ٹکرلیں اور دیکھیں کہ وہ ان کا کیسا استقبال کرتا ہے۔'' لیکن اس نے تھورین سے کہا، ''اے تھورین ولد تھرین ولد تھرور! یقیناً تمھیں وہ واپس حاصل کرنا ہوگا جو تمھارا ہے۔ پرانی روایتوں کے مطابق یہی مناسب وقت ہے۔ تمھیں ہم سے جو بھی مدد درکار ہے وہ تمھیں ملے گی اور جب تمھیں تمھاری سلطنت مل جائے گی تو ہمیں یقین ہے کہ ہم تمھاری جانب سے مناسب اظہارِ تشکر کی توقع رکھ سکیں گے۔''

پھر ایک دن جب خزاں کی ہوائیں سرد ہونے لگی تھیں، خشک پتے گرنے لگے، تین بڑی کشتیاں جھیل نگر سے روانہ ہوئیں جن میں ملّاح، بونے، مسٹر بیگنز اور بہت سی اشیائے رسد

موجود تھیں۔ گھوڑے اور خچر ایک دوسرے طویل تر زمینی راستے سے اس مقام کو روانہ کردی گئی تھیں جہاں ان کی کشتیوں نے پہنچنا تھا۔ جھیل نگر کے حاکم اور اس کے مشیروں نے انھیں اپنی رہائش گاہ کے سامنے سیڑھیوں پر الوداع کیا۔ لوگوں نے گھروں اور راستوں سے الوداعی گیت گائے۔ کشتیوں کے سفید چپو پانی میں ڈوبتے نکلتے رہے اور وہ شمال کی جانب جھیل کے پانی پر روانہ ہوئے۔ یہ ان کے طویل سفر کا آخری مرحلہ تھا۔ کشتیوں پر سوار سب لوگوں میں صرف بلبو ہی تھا جو پریشانی میں ڈوبا تھا۔

گیارہواں باب

دہلیز پر

ان کی کشتیوں کے پتوار لمبی جھیل کے آخر تک چلتے رہے اور جیسے ہی وہ دریائے رواں میں داخل ہوئے تو انھیں اپنے سامنے دہشت انگیز اور خوفناک کوہِ یکتا آسمان کی بلندیوں کو چھوتا دکھائی دیا۔ یہاں تیز بہاؤ مخالف سمت میں تھا اور یوں ان کا سفر سست رفتار سے بڑھ رہا تھا۔ تیسرے دن کے خاتمے پر کچھ میل مزید سفر کے بعد وہ بائیں ہاتھ یعنی مغربی کنارے کی جانب بڑھے اور کشتیاں کنارے لگا دیں۔ یہاں انھیں اپنے سفری سامانِ رسد سے لدے گھوڑے اور اپنی سواری کے لیے خچر ملے جو زمینی راستے سے پہلے ہی روانہ کیے گئے تھے۔ جو سامان خچروں پر لادا جا سکتا تھا وہ ان پر لاد دیا گیا اور باقی سامان ایک خیمے میں واپسی کے سفر کے لیے محفوظ کر دیا گیا۔ ان کے ساتھ آنے والے جھیل نگر کے باسی کسی بھی صورت میں کوہِ یکتا کے سامنے ان کے ساتھ ایک رات رکنے پر راضی نہ ہوئے۔

ان کا کہنا تھا، ''کم از کم اس وقت تک نہیں، جب تک پرانی داستانیں اور گیت سچ ثابت نہیں ہو جاتے۔'' ان وحشت ناک علاقوں میں اژدھے کی موجودگی پر یقین کرنا تھورین کی بادشاہت پر اعتبار کرنے سے کہیں زیادہ آسان تھا۔ یوں بھی اس ویران اور بیابان جگہ پر

انھیں اپنے سامان کی حفاظت کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ بہر حال تھوڑی ہی دیر میں ان کے ساتھ آنے والے جھیل نگر کے باسی واپس لوٹ گئے۔ ڈھلتی شام کے سائیوں کے باوجود آدھے اپنی کشتیوں سے دریا کے راستے اور باقی زمینی راستے پر تیزی سے روانہ ہو گئے۔

یہاں انھیں سرد رات گزارنی پڑی اور ان کے حوصلے پست ہونے لگے۔ دوسرے دن انھوں نے اپنا سفر شروع کیا۔ بالین اور بلبو سب سے پیچھے چل رہے تھے اور ان کے ہاتھوں میں سامان سے لدے پھندے ایک ایک خچر کی باگیں تھیں۔ باقی سب کچھ فاصلے پر آگے چل رہے تھے اور دیکھ بھال کر راستہ تلاش کر رہے تھے کیونکہ یہاں کوئی پگڈنڈی نہ تھی۔ وہ دریائے رواں سے دور ہوتے ہوئے شمال مغرب کی جانب چلتے گئے اور ہولے ہولے جنوب کی جانب کھڑے پہاڑ کی جانب بڑھتے گئے۔

ان کا سفر تھکا دینے والا، خاموش اور چپکا چپکا تھا۔ اس دوران کوئی قہقہہ، کوئی گیت اور بربط کی کوئی لے بلند نہ ہوئی۔ وہ سب اعتماد اور امیدیں جو جھیل نگر میں گائے گئے پرانے گیتوں اور داستانوں کے دوران ان کے دلوں میں پیدا ہو چکی تھیں اب مایوسی میں بدل چکی تھیں۔ وہ جانتے تھے کہ اب وہ اپنے سفر کے اختتام کے قریب پہنچ گئے ہیں اور یہ کہ سفر کا یہ اختتام دہشت ناک بھی ہو سکتا ہے۔ ان کے اردگرد کا علاقہ بنجر اور ویران تھا حالانکہ تھورین انھیں بتا چکا تھا کہ کسی زمانے میں یہ سارا علاقہ سرسبز و شاداب ہوا کرتا تھا۔ اب یہاں گھاس تک نہ تھی اور تھوڑی دیر بعد جھاڑیاں یا پودے بھی ختم ہو گئے۔ بس کہیں کہیں کسی درخت یا جھاڑی کی جھلسی جڑیں دکھائی دیتی تھیں جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ کبھی یہاں سبزہ اگتا ہوگا۔ اب وہ اژدھے کی تباہ کاریوں تک پہنچ چکے تھے اور یہاں اس سال کے اختتام میں پہنچے۔

پہاڑ کے قدموں تک پہنچتے ہوئے ان کی کسی خطرے یا اژدھے کی کسی نشانی سے مڈبھیڑ نہ ہوئی سوائے اس بربادی کے جو اژدھے نے اپنی کچھار کے اردگرد پھیلا رکھی تھی۔ جیسے جیسے پہاڑ قریب آ رہا تھا وہ مزید تاریک، خاموش اور بلند تر ہوتا جا رہا تھا۔ انھوں نے پہاڑ کے جنوبی

پہلو کے مغرب میں اپنا پہلا پڑاؤ ڈالا جو ریون ہل کہلانے والی ایک چوٹی کے پاس واقع تھی۔ یہاں ایک پرانی حفاظتی چوکی بھی موجود تھی لیکن انھیں اس کے قریب جانے کا حوصلہ نہ ہوا کیونکہ وہ بہت نمایاں جگہ پر تھی۔

پہاڑ کے مغربی پہلو پر واقع اس خفیہ دروازے کی تلاش میں نکلنے سے پہلے، جس پر ان کی تمام تر امیدیں قائم تھیں، تھورین نے جنوب کی جانب چند بونوں کو بھیجا جہاں صدر دروازہ موجود تھا۔ اس مقصد کے لیے اس نے بالین، فیلی، کیلی اور بلبو کا انتخاب کیا۔ وہ خاموش اور چٹیل عمودی چٹانوں کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے ریون ہل کے قدموں میں جا پہنچے۔ یہاں شور مچاتا تیز بہاؤ کے ساتھ دریائے ڈیل وادی میں ایک طویل اور وسیع نصف دائرہ بناتے ہوئے پہاڑ سے جھیل کی جانب مڑتا گیا۔ اس کے کنارے بلند اور پتھریلے تھے جو پانی کی سطح سے کافی اونچے تھے۔ دریا کے تنگ لیکن جھاگ اڑاتے اور اچھلتے پانی سے بھرے پاٹ کے پار نگاہیں دوڑاتے ہوئے انھیں پہاڑ کے سائے میں میدانی وادی میں گھروں، میناروں اور دیواروں کے کھنڈرات دکھائی دے رہے تھے۔

بالین بولا، ''ڈیل شہر کے بس یہی کھنڈرات ہی بچ رہے ہیں۔ کبھی پہاڑ کے پہلو سرسبز ہوتے تھے اور پہاڑ کے سائے میں آنے والی وادی خوش باش اور حسین ہوتی تھی، ان دنوں میں جب اس شہر میں امن وسکون کی گھنٹیاں بجا کرتی تھیں۔'' اس کے چہرے پر بہ یک وقت درشتی اور افسردگی چھائی تھی۔ جس دن اژدھے نے حملہ کیا تھا وہ بھی تھورین کے ساتھیوں میں شامل تھا۔

ان میں ہمت نہ ہوئی کہ وہ دریا کے ساتھ ساتھ صدر دروازے کی جانب مزید بڑھیں۔ لیکن وہ پہاڑ کے ساتھ ساتھ جنوب کی جانب چلتے گئے حتیٰ کہ دو بلند و بالا پہاڑیوں کے درمیان ایک چٹان کے نیچے انھیں ایک تاریک غار نما دہانہ دکھائی دیا۔ اس دہانے میں سے دریائے رواں کا پانی تھپیڑے مارتا ہوا برآمد ہو رہا تھا جس کے ساتھ ہی بھاپ اور سیاہی مائل دھواں بھی نکل رہا تھا۔ اس ویرانے میں اس پانی، دھوئیں اور بھاپ کے علاوہ ہر چیز ساکت تھی سوائے

کسی سیاہ کوّے کے جو کبھی کبھار دکھائی دے جاتا۔ ہر جانب چھائے ہوئے سناٹے کو صرف پتھروں پر گرتے پانی یا وقتاً فوقتاً پہاڑی کوّے کی کرخت آواز ہی توڑتی۔

بالین کپکپا اٹھا۔ وہ بولا، ''ہمیں واپس چلنا ہوگا۔ ہم یہاں مزید کچھ نہیں کر سکتے اور مجھے ان کوّوں سے بھی خوف آ رہا ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ یہ کسی شیطانی قوت کے لیے جاسوسی کر رہے ہیں۔''

بلبو بولا، ''اس کا مطلب ہے کہ اژدھا ابھی زندہ ہے اور وہ اس پہاڑ کے نیچے غاروں میں کہیں موجود ہے۔ کم از کم اس دھوئیں سے تو ایسا ہی لگتا ہے۔''

بالین نے جواب دیا، ''یہ کوئی ثبوت تو نہیں ہے لیکن مجھے شک ہے کہ تم درست کہتے ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ کہیں چلا گیا ہو یا پہاڑ کی اوٹ میں چھپا بیٹھا ہو لیکن اس کے باوجود اس دروازے سے دھواں اور بھاپ نکلتی ہی رہے گی۔ سارے غاروں کی فضا اس کی سرانڈ سے بھری ہوگی۔''

ایسے ہی مایوس کن خیالات سے بوجھل دل لیے وہ آہستہ آہستہ تھکے ہارے واپس اپنے پڑاؤ تک آ پہنچے۔ کوّوں کی کرخت آوازیں اب بھی ان کا پیچھا کرتی رہیں۔ ابھی چند ماہ قبل ہی جون کے مہینے میں وہ ایلرونڈ کے گھر کی مہمان نوازی سے لطف اندوز ہو رہے تھے اور اگرچہ خزاں ہولے ہولے سردیوں کی جانب بڑھ رہی تھی لیکن انھیں یوں لگتا تھا کہ جیسے وہ دن بیتے سالوں گزر گئے۔ اب وہ اس خطرناک ویرانے میں اکیلے تھے.... کسی مدد یا کمک سے بہت دور! اگرچہ وہ اپنے سفر کے اختتام پر تھے لیکن ایسا لگتا تھا کہ اپنی مہم کی تکمیل سے بہت دور ہیں۔ اب ان میں کسی میں بھی کوئی حوصلہ، ولولہ اور جذبہ باقی نہ رہا تھا۔

حیرت کی بات یہ تھی کہ بلبو اب باقیوں کی نسبت قدرے زیادہ پُرامید اور پُرجوش تھا۔ وہ اکثر تھورین سے اس کا نقشہ مانگتا اور دیر تک اسے بغور دیکھتا رہتا اور اس پر خطِ قمری میں لکھی ہوئی عبارتیں پڑھنے کی کوشش کرتا رہتا جو ایلرونڈ نے انھیں پڑھ کر سنائی تھیں۔ بلبو کے مشورے پر بونوں نے مغربی ڈھلوانوں پر خفیہ دروازے کی تلاش شروع کی تھی۔ پھر انھوں

نے اپنا پڑاؤ ایک وادی میں منتقل کر دیا جو جنوب کی وادیوں سے نیچے تھا جہاں دریا کا منبع موجود تھا اور جہاں سے پہاڑ کی بنیادیں شروع ہوتی تھیں۔ یہاں سے دو پہاڑیاں مغرب کی جانب بڑھتیں اور پہاڑ کے پہلو سے پھیلتی ہوئی بنیادوں سے نیچے میدانی علاقے تک پہنچ جاتیں۔ اس مغربی جانب پر اژدھے کی موجودگی کی کم نشانیاں دکھائی دیتی تھیں اور یہاں ان کے خچروں کے کھانے کو کہیں کہیں گھاس بھی موجود تھی۔ اس پڑاؤ پر سارا دن اونچی پہاڑیوں کا سایہ رہتا جب تک شام کو سورج جنگل کی جانب ڈھلنے لگتا۔ یہیں سے وہ سارا سارا دن ٹکڑیوں میں بٹے پہاڑ کے اوپر جانے والے راستوں کی تلاش میں سرگرداں رہتے۔ اگر نقشہ درست تھا تو یہ دروازہ اسی پہاڑی کے عین اوپر پہاڑ کے پہلو میں واقع تھا۔ ہر روز وہ شام کے وقت مایوسی کے عالم میں ناکام اپنے پڑاؤ میں لوٹ آتے۔

بالآخر ایک دن غیر متوقع طور پر وہ اپنا مقصد حاصل کرنے میں کامیاب ہو ہی گئے۔ فیلی، کیلی اور بلبو ایک روز نیچے وادی میں اترے اور جنوبی جانب پتھریلے راستوں پر چلنے لگے۔ دوپہر کے قریب ایک بڑی چٹان کے اوٹ میں جو دور سے ستون کی مانند دکھائی دے رہی تھی، بلبو کو یوں لگا جیسے اس کے سامنے اوپر جاتا ہوا راستہ دراصل پتھر میں تراشیدہ آڑھی ترچھی سیڑھیاں ہوں۔ وہ اور بونے جوش کے عالم میں ان پر چڑھتے گئے تو انھیں یوں لگا جیسے یہ کوئی راستہ بنایا گیا ہے جو کبھی غائب ہو جاتا کبھی نمودار ہو جاتا۔ یہ راستہ جنوبی پہلو پر چڑھتا گیا اور آخر ایک تنگ پگڈنڈی میں بدل گیا جو پہاڑ کے ساتھ ساتھ بلندی کی جانب چلتی گئی۔ نیچے دیکھتے ہوئے انھیں اندازہ ہوا کہ وہ وادی کے عین اوپر پہنچ گئے ہیں اور انھیں دور اپنے قدموں کے نیچے اپنا پڑاؤ دکھائی دے رہا تھا۔ دائیں جانب ایک تنگ چھجے پر دیوار کے ساتھ چپک چپک کر چلتے ہوئے ایک قطار میں وہ بڑھتے گئے اور تھوڑی دیر میں ایک قدرے وسیع محراب میں جا پہنچے جہاں زمین پر گھاس اگی تھی۔ یہ محراب نیچے سے دکھائی نہیں دے رہی تھی کہ اس کے سامنے بڑی چٹان تھی اور دور وادی سے اس لیے دکھائی نہ دیتی تھی کہ اتنے فاصلے سے یہ محراب اتنی چھوٹی دکھائی دیتی تھی کہ پہاڑی میں محض کوئی سوراخ لگتا تھا۔ یہ کوئی غار نہ تھا اور

اوپر سے کھلا تھا لیکن اس کے آخر میں ایک سپاٹ دیوار بلند ہو رہی تھی جو زمین کے قریب نیچے سے اتنی ہموار اور سیدھی تھی جیسے کسی ماہر کاریگر مزدور نے بنائی ہو جس میں کوئی دراڑ یا لکیر تک دکھائی نہ دیتی تھی۔

دروازے پر کوئی حفاظتی چوکی، دہلیز، کنڈی، کواڑ، چابی، روشنی یا قفل دکھائی نہ دے رہا تھا۔ پھر بھی انھیں یقین تھا کہ یہی وہ خفیہ دروازہ تھا جسے وہ تلاش کر رہے تھے۔ وہ اس پر تھپتھپاتے رہے، دستک دیتے رہے، دھکے لگاتے رہے، دھکیلتے رہے.... اس کے کھل جانے کی دعائیں کرتے رہے۔ دروازوں کو کھولنے والے قدیم جادوئی جنتر منتر بھی پڑھتے رہے۔ لیکن دروازہ اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوا۔ تھک ہار کر وہ سب دروازے کے ساتھ ہی ٹیک لگا کر گھاس پر بیٹھ گئے اور پھر شام ڈھلتے ہی طویل سفر کے بعد واپس اپنے پڑاؤ میں لوٹ آئے۔

اس شام پڑاؤ میں خوب جوش و ولولہ رہا۔ صبح انھوں نے ایک بار پھر پڑاؤ منتقل کرنے کی تیاریاں کیں۔ بوفر اور بومبور کو پیچھے خچروں اور اس سامان کی حفاظت پر مامور کیا گیا جو وہ اپنے ساتھ دریا سے لائے تھے۔ باقی اس وادی اور نئے راستے سے ہوتے ہوئے اسی چھجے تک پہنچ گئے۔ نوکیلی چٹانوں سے سو ڈیڑھ سو فٹ اونچا یہ چھجا اتنا تنگ تھا اور چڑھائی اتنی عمودی کہ اپنی تمام پوٹلیاں اور تھیلیاں نیچے چھوڑ کر صرف اپنی کمر کے گرد مضبوط رسیوں کا ایک ایک گٹھا باندھے پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہوئے وہ سب بالآخر بغیر کسی حادثے یا سانحے کے محراب کے نیچے گھاس کے ٹکڑے تک پہنچ گئے۔

یہاں انھوں نے اپنا تیسرا پڑاؤ ڈالا اور اپنی ضرورت کا سامان رسیوں کی مدد سے کھینچ کھینچ کر اوپر پہنچایا۔ ایک دو مرتبہ تو انھیں کیلی جیسے پھرتیلے بونے کو بھی رسی کی مدد سے نیچے پہنچانا پڑا تا کہ وہ نیچے والے بونوں تک اطلاعات پہنچا سکے یا نیچے پڑے سامان کی حفاظت کر سکے جب بوفور کو انہی رسیوں کی مدد سے اوپر کھینچا گیا۔ دوسری جانب بومبور نے پیدل یا رسی کی ذریعے اوپر چڑھنے سے صاف انکار کر دیا۔ اس کا کہنا تھا، ''میں اتنا موٹا ہوں کہ اتنے تنگ

رستوں پر نہیں چل سکتا۔ میں چکرا جاؤں گا اور میں اپنی داڑھی میں پیر پھنسا بیٹھوں گا اور یوں تم سب دوبارہ تیرہ رہ جاؤ گے۔ یوں بھی یہ رسیاں میرا وزن برداشت نہ کرسکیں گی۔'' خیر خوش قسمتی ہی رہی کہ اس کا یہ خدشہ درست ثابت نہ ہوا۔

اس دوران ان میں کچھ بونوں نے گھاس کے ٹکڑے کے اردگرد کھوج لگاتے ہوئے ایک اور راستہ ڈھونڈ نکالا جو پتھریلے دروازے سے کچھ آگے اوپر کی جانب جا رہا تھا۔ لیکن ان میں اس راستے پر دور تک جانے کی ہمت نہ ہوئی اور یوں بھی اس کا فائدہ کیا ہوتا۔ وہاں اوپر صرف سناٹا ہی سناٹا چھایا تھا جس میں کسی پرندے یا کسی اور چیز کی آواز سنائی نہ دیتی تھی سوائے سرد ہوا کی سرسراہٹ جو نوکیلے پتھروں سے ٹکرا کر گزر رہی تھی۔ وہ سرگوشیوں میں بولتے رہے اور کسی نے کوئی گیت نہ گایا اور نہ ہی بلند آواز ایک دوسرے کو پکارا کیونکہ انھیں ہر چٹان کی اوٹ میں کوئی خطرہ منڈلاتا محسوس ہوتا۔ دوسرے جو خفیہ دروازے کو کھولنے کی کوشش میں مصروف تھے انھیں بھی ناکامی کا سامنا تھا۔ انھیں اپنے جوش میں نقشے کی عبارتوں اور خطِ قمری کا خیال ہی نہ آیا تھا اور ان سب پر ایک ہی بھوت سوار تھا کہ اس پتھریلی سپاٹ دیوار میں دروازہ کہاں چھپا ہوا تھا۔ انھوں نے جھیل نگر سے لائے انواع واقسام کے بیلچے، کدالیں اور ہتھوڑے استعمال کیے۔ لیکن جب انھوں نے پتھریلی دیوار پر ضرب لگائی تو ان کے بیلچوں کے دستے ٹوٹ گئے اور ان کے بازو جھٹکوں سے دکھنے لگے اور کدالوں کی آہنی نوکیں نرم سیسے کی مانند کند ہو گئیں۔ صاف ظاہر تھا کہ ان کی کان کنی کی صلاحیتیں اس طلسم کے سامنے ناکارہ تھیں جس نے دروازہ بند کر رکھا ہے۔ یوں بھی وہ سناٹے میں اپنے اوزاروں کی آواز کی گونج سے خوفزدہ ہو رہے تھے۔

بلبو بھی دروازے کی دہلیز پر بیٹھا بیزار ہو گیا۔ حالانکہ یہاں کوئی دہلیز موجود ہی نہ تھی لیکن انھوں نے یونہی دیوار اور دروازے کے درمیان گھاس کے ٹکڑے کو دہلیز کہنا شروع کر دیا تھا۔ انھیں یاد تھا کہ بہت عرصہ پہلے بلبو ہی کے گھر اپنی غیر متوقع دعوت کے دوران بلبو نے کہا تھا کہ جب تک وہ سب کسی نتیجے پر نہیں پہنچتے انھیں باہر دہلیز پر ہی بیٹھنا پڑے گا۔ یہاں بھی وہ دہلیز

پر بیٹھے رہے اور غور کرتے رہے یا ادھر ادھر ٹہلتے رہے اور یوں ہر گزرتے لمحے کے ساتھ ایک مرتبہ پھر مایوسی کا شکار ہونے لگے۔

اس راستے کی دریافت پر ان کے حوصلے قدرے بلند ہوئے تھے لیکن اب پھر ان کی ہمت جواب دینے لگی تھی۔ تاہم مہم ترک کر کے واپس لوٹنے کا تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ اب تو بلبو کا جوش و ولولہ بھی بونوں کی مانند پست ہونے لگا تھا۔ وہ ہر وقت پتھریلی دیوار کے ساتھ پشت ٹیکے محراب سے دور مغرب کی جانب تکتا رہتا، پہاڑیوں سے پار، بن سیاہ کی تاریکیوں سے پار، دور کہیں دور سے بھی دور، جہاں اس کے تصوّر میں اسے دھندلے پہاڑوں کا سلسلہ دکھائی دیتا۔ جب بونے پوچھتے کہ وہ کیا کر رہا ہے تو وہ جواب دیتا، ''تم نے ہی تو کہا تھا کہ میرا کام دہلیز پر بیٹھ کر سوچنا ہوگا اس لیے اب میں بیٹھا سوچ رہا ہوں۔'' لیکن مجھے شک ہے کہ وہ ایسے وقت میں اپنے کام کے بارے میں نہیں سوچ رہا تھا بلکہ اس کے خیالات ان نیلگوں فاصلوں سے کہیں آگے، پُرسکون مغربی علاقوں اور پھر پہاڑی کے نیچے اس کے اپنے گھر تک پہنچے ہوتے۔

گھاس کے ٹکڑے کے عین درمیان ایک بھاری بھرکم سرمئی چٹان رکھی تھی۔ وہ یا تو اس کو گھورتا رہتا یا اردگرد پھرنے والے بڑے بڑے گھونگوں کو دیکھتا رہتا۔ گھونگوں کو شاید ٹھنڈے پتھروں والی یہ سایہ دار محراب کافی پسند تھی جہاں وہ بڑی تعداد میں اپنے گول گھونگے پشت پر اٹھائے آہستہ آہستہ ادھر ادھر گھومتے رہتے اور اپنے پیچھے لیس دار لکیریں چھوڑ جاتے۔

ایک دن تھورین بولا، ''کل خزاں کے آخری ہفتے کی ابتدا ہے۔''

بیفور بولا، ''اور خزاں کے ساتھ ہی سردی شروع ہو جاتی ہے۔''

ڈوالین نے لقمہ دیا، ''اور یوں اگلے سال بھی! اور پھر یہاں کچھ ہونے سے پہلے ہماری داڑھیاں لمبی ہوتے ہوتے اس پہاڑی سے نیچے وادی تک جا پہنچیں گی۔ یہ ہمارا ماہر چور کیا کر رہا ہے؟ اب تو اس کے پاس طلسماتی انگوٹھی بھی ہے۔ اب تو اسے کچھ کر دکھانا چاہیے۔ میرا خیال ہے کہ اسے اس دروازے سے اندر داخل ہو کر جائزہ لینا چاہیے۔''

بلبو نے یہ بات سن لی۔ بو نے اس سے چند قدم کے فاصلے پر ایک چٹان کے اوپر بیٹھے تھے۔ وہ سوچنے لگا، ''اوہ میرے خدا! تو اب یہ ایسا سوچنے لگے ہیں؟ جب سے گنڈالف گیا ہے انھیں ہر مشکل سے نکالنے کے لیے اب کیا صرف میں ہی رہ گیا ہوں؟ مجھے سمجھ لینا چاہیے کہ اس مہم کے آخر میں میرے ساتھ ہی کچھ سانحہ پیش آنے والا ہے۔ کیا اب مجھے ہی ڈیل کے برباد شہر میں جانا ہوگا اور سیاہ بھاپ والے دروازے میں داخل ہونا ہوگا؟''

اس رات اسے ایک لمحے کو بھی سکون کی نیند نہیں آئی۔ اگلے روز سب بو نے مختلف سمتوں میں نکل کھڑے ہوئے۔ کچھ نیچے خچروں کو ٹہلا رہے تھے، کچھ اوپر پہاڑ کے پہلو میں گھوم رہے تھے۔ بلبو سارا دن سر جھکائے گھاس کے ٹکڑے پر بیٹھا رہا اور یا تو سرمئی پتھر کو تکتا رہا اور یا محراب سے نیچے دور مغرب کی جانب گھورتا رہا۔ اس کے دل میں ایک عجیب سا احساس ہو رہا تھا کہ کچھ ہونے والا ہے۔ اس نے سوچا، ''شاید آج گنڈالف یکا یک لوٹ آئے۔''

اس نے اپنا سر اٹھایا تو دور اسے جنگل دکھائی دے رہا تھا۔ جیسے جیسے سورج مغرب کی جانب مڑا تو جنگل کی چھت پر ایک سنہری روشنی بلند ہوئی۔ یہ خزاں سے پہلے آخری چند پیلے پتے تھے جو دھوپ میں چمک رہے تھے۔ پھر جلد ہی اس نے نارنجی سورج کے آتشیں گولے کو اپنی آنکھوں کی سطح پر نیچے اترتے دیکھا۔ وہ محراب کے قریب گیا تو اسے دور افق کے اوپر ایک پتلا زرد رنگ کا چاند دکھائی دیا۔

عین اسی لمحے اسے اپنے عقب میں کھٹ کھٹ کی آواز سنائی دی۔ گھاس میں پڑی سرمئی چٹان پر ایک سیاہ رنگ کی چڑیا بیٹھی تھی جس کے زرد پیلے سینے پر سیاہ داغ دکھائی دے رہے تھے.... کھٹ کھٹ! اس نے اپنی چونچ میں ایک گھونگا پکڑ رکھا تھا اور وہ اسے توڑنے کی خاطر دروازے پر مار رہی تھی.... کھٹ کھٹ! کھٹ کھٹ!

یکا یک بلبو کو سب کچھ سمجھ آ گیا۔ سب خطرے خدشے بالائے طاق رکھتے وہ پہاڑی کے کنارے پر کھڑا ہوا اور چلّا کر بونوں کو پکارنے اور زور زور سے ہاتھ ہلانے لگا۔ جو قریب تھے

وہ پتھروں کو پھلانگتے پہاڑی راستے پر بھاگتے ہوئے پہنچے اور حیران ہوئے کہ نجانے کیا ماجرا ہے۔ جو نیچے تھے وہ چیخے کہ انھیں فوراً رسیوں کے ذریعے اوپر کھینچا جائے سوائے بومبور کے جو سو رہا تھا۔

بلبو نے جلدی جلدی انھیں سمجھایا۔ وہ سب خاموش ہو گئے۔ بلبو سرمئی چٹان کے قریب اور بونے سامنے داڑھیاں ہوا میں ہلاتے غور سے دروازے کو دیکھ رہے تھے۔ سورج ہولے ہولے غروب ہوتا گیا اور ساتھ ہی ان کی امیدیں بھی دم توڑتی گئیں۔ پھر سورج سرخ بادلوں کے پیچھے چھپا اور پھر مکمل طور پر افق کے نیچے غروب ہو گیا۔ بونے مایوسی کے عالم میں بڑبڑائے لیکن بلبو خاموشی سے ساکت کھڑا رہا۔ چاند بھی اب افق کے قریب پہنچ رہا تھا اور شام ڈھلنے لگی تھی اور پھر جب وہ سب مکمل طور پر مایوس ہو چکے تھے تو بادلوں کی اوٹ سے سورج کی ایک آخری سرخ کرن کسی انگلی کی مانند باہر نکلی۔ یہ کرن بادلوں سے ہوتی ہوئی سیدھی محراب میں داخل ہوئی اور شفاف پتھریلے دروازے پر آن گری۔ چڑیا جو ایک بلند چٹان پر بیٹھی سر ایک جانب کو جھکائے اپنی ننھی ننھی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ رہی تھی، یکایک چہچہائی۔ کھٹ کھٹ کی ایک آواز بلند ہوئی۔ دیوار سے پتھر کا ایک ٹکڑا ٹوٹا اور نیچے آن گرا۔ زمین سے تقریباً چار فٹ کی بلندی پر یکایک ایک سوراخ نمودار ہوا۔

تمام بونے یکلخت آگے بڑھے کہ کہیں یہ موقع ہاتھ سے نہ نکل جائے اور سب مل کر پوری قوت سے دروازے کو دھکیلنے لگے لیکن بے سود۔

بلبو چیخ کر پکارا، ''چابی!.... چابی!.... تھورین، چابی کہاں ہے؟''

تھورین لپک کر آگے بڑھا۔ بلبو پھر چلّایا، ''چابی! وہ چابی جو نقشے کے ساتھ تھی۔ اسے لگاؤ ابھی، یہی وقت ہے۔''

تھورین قریب آیا اور اپنے گلے میں لٹکتی ہوئی زنجیر سے بندھی چابی اتاری۔ اس نے چابی دروازے کے سوراخ میں لگائی۔ چابی سوراخ کے عین مطابق تھی اور گھوم گئی۔ تالہ کھلنے کی آواز آئی۔ سورج کی کرن غائب ہو گئی، سورج کی لالی بھی معدوم ہو گئی، چاند بھی افق کے نیچے

اُتر چکا تھا۔ ایک مرتبہ پھر چاروں جانب اندھیرا چھا گیا۔

اب ان سب نے مل کر دھکا لگایا اور دھیرے دھیرے دیوار کا ایک حصہ پیچھے ہٹنے لگا۔ دیوار میں طویل، بلند اور سیدھی دراڑ نمودار ہوئی۔ پانچ فٹ اونچا اور تین فٹ چوڑا ایک دروازہ دکھائی دینے لگا اور آہستہ آہستہ بغیر کسی آواز کے اندر کی جانب کھلتا گیا۔ یوں لگا جیسے پہاڑ کے پہلو میں اس سوراخ سے بھاپ کی صورت میں تاریکی باہر نکل رہی تھی، ان کی آنکھوں کے سامنے ایسی گہری تاریکی تھی جس میں کچھ دکھائی نہ دیتا تھا.... جیسے اندر اور نیچے جانے والا کسی خوفناک عفریت کا منہ!

بارہواں باب

اندر کی بات

بونے کافی دیر تک دروازے کے سامنے اندھیرے میں کھڑے بحث کرتے رہے حتیٰ کہ تھورین بول اٹھا، ''اب وقت آ گیا ہے! ہمارے معزز دوست مسٹر بیگنز اس طویل مہم میں ہمارے بہترین ہم سفر رہے ہیں اور انھوں نے ثابت کیا ہے کہ وہ اپنے قدوقامت سے کہیں زیادہ ہمت اور سوجھ بوجھ کے حامل ہیں۔ میں تو یہ بھی کہوں گا کہ یہ عام لوگوں سے کہیں زیادہ قسمت کے دھنی ہیں۔ اب وقت آ گیا ہے کہ وہ اپنا وہ فرض نبھائیں جس کے لیے انھیں اس مہم میں شمولیت کی دعوت دی گئی۔ اب موقع ہے کہ وہ خزانے میں اپنا حصّہ حاصل کرنے کے لیے اپنے حصے کا کام کریں۔''

آپ جانتے ہیں کہ تھورین اہم مواقع پر کیسے لمبی لمبی تقریریں کیا کرتا ہے اس لیے میرا اس موضوع پر مزید کچھ کہنا بے کار ہو گا۔ اب بھی اس نے مندرجہ بالا جملوں سے کہیں زیادہ باتیں کہیں۔ اگرچہ موقع واقعی اہم تھا لیکن بلبو بے صبری کا شکار ہو رہا تھا۔ اب تک وہ بھی تھورین کو خوب جان گیا تھا اور اسے احساس ہو چکا تھا کہ تھورین کا مقصد کیا ہے۔

وہ قدرے تنک کر بولا، ''اے تھورین اوکن شیلڈ ولد تھرین! اگر تم سمجھتے ہو کہ اس خفیہ

راستے پر سب سے پہلے مجھے جانا ہوگا تو میری دعا ہے کہ کاش تمھاری داڑھی مزید لمبی ہو۔ جو کچھ کہنا چاہتے ہو وہ کہہ ڈالو اور معاملہ ختم کرو۔ شاید میں انکار ہی کر دوں۔ میں ابھی تک تم سب کو دو بڑی مصیبتوں سے نجات دلا چکا ہوں جو ہمارے درمیان ہونے والے معاہدے کا حصّہ نہیں تھا۔ میرے خیال میں مجھے تو اس کے لیے بھی اضافی معاوضہ ملنا چاہیے۔ لیکن میرے والد کہا کرتے تھے کہ ''کامیابی کوشش کی تیسری سیڑھی پر ہوتی ہے۔'' اس لیے میرا خیال ہے مجھے انکار نہیں کرنا چاہیے۔ شاید اب میں پہلے کی نسبت اپنی قسمت پر کچھ زیادہ ہی انحصار کرنے لگا ہوں (اگرچہ بلبو کا مطلب گزشتہ بہار سے تھا لیکن یوں لگتا تھا جیسے اس وقت کو صدیاں بیت گئیں ہوں) بہر حال میرا خیال ہے کہ میں اندر جانے پر تیار ہوں اور وہاں کا ایک جائزہ لے کر اپنا فرض پورا کرتا ہوں۔ اچھا، تو اب میرے ساتھ کون آئے گا؟''

اسے شک تھا کہ اس کے ساتھ اندر جانے میں بہت لوگ تیار نہ ہوں گے اور اس کا شک درست ثابت ہوا۔ فیلی اور کیلی ایک طرف خاموشی سے منہ بنائے کھڑے تھے۔ دوسروں نے بھی رضامندی ظاہر نہ کی، سوائے بالین کے جو عموماً ان کی پہریداری کیا کرتا تھا اور بلبو سے خاصا انس رکھتا تھا۔ وہ اندر داخل ہونے اور اس کے ساتھ کچھ دور تک جانے پر تیار ہو گیا کہ بوقتِ ضرورت باقیوں کو مدد کے لیے بلا سکے۔

بونوں کے بارے میں ایک بات کہی جا سکتی ہے کہ وہ بلبو کو اس کی خدمات کا اچھا خاصا معاوضہ دینے پر تیار تھے۔ وہ اسے اپنے ساتھ ایک خطرناک کام کے لیے لائے تھے اور اگر بلبو بیچارہ اس کام پر تیار ہو جاتا تو بونوں کو کوئی اعتراض نہ تھا۔ لیکن اسے کسی بھی مشکل سے نکالنے میں وہ سر دھڑ کی بازی لگانے پر تیار تھے۔ اس مہم کے شروع میں انھوں نے دیوؤں والے واقعہ میں ایسا ہی کیا تھا حالانکہ اس وقت تک ان کے دلوں میں بلبو کے لیے کچھ خاص دوستانہ جذبات نہ تھے۔ بات یوں ہے کہ بونے جنگجو اور لڑاکے نہیں ہوتے لیکن حساب کتاب رکھنے والے انتہائی زیرک لوگ ہوتے ہیں جنھیں سونے کی قدر و قیمت کا بہترین اندازہ ہوتا ہے۔ کچھ بونے، چالاک دھوکے باز اور بدمعاش بھی ہوتے ہیں اور کچھ ایسے نہیں ہوتے۔ لیکن

اگر آپ ان سے بہت زیادہ توقعات وابستہ نہ کریں تو عمومی طور پر بونے تھورین اور اس کے ساتھیوں کی مانند بھلے مانس لوگ ہوتے ہیں۔

جب بلبو دبے پاؤں خفیہ طلسمی دروازے سے پہاڑ کے نیچے غاروں میں داخل ہوا تو باہر سیاہ آسمان پر تارے جگمگا رہے تھے۔ اندرونی راستہ اس کی توقع سے کہیں زیادہ آسان تھا۔ یہ داخلی راستہ بھتنوں کی سرنگ کی مانند نہ تھا اور نہ ہی بن باسی پری زادوں کے غار جیسا۔ یہ راستہ بونوں نے بنایا تھا جب وہ اپنی دولت اور اپنی صلاحیتوں کے بامِ عروج پر تھے۔ سرنگ تیر کی طرح سیدھی تھی اور اس کے ہموار فرش اور ہموار دیواریں ہلکی ہلکی یکساں ڈھلان کے ساتھ نیچے نشیب کی جانب اترتی جاتی تھیں اور نجانے کہاں کس اندھیرے میں اختتام پذیر ہوتیں۔

تھوڑی دیر بعد بالین بلبو کو الوداع کہہ کر رک گیا جہاں سے اسے دور اپنے عقب میں طلسمی دروازے کا چوکھٹا دکھائی دے رہا تھا اور باہر کھڑے باقی بونوں کی سرگوشیوں کی گونجتی آواز سنائی دے رہی تھی۔ پھر بلبو نے اپنی انگوٹھی پہن لی اور ہموار دیواروں کی گونج کی خاطر معمول سے بھی کہیں زیادہ احتیاط سے دھیرے دھیرے آگے اندھیرے میں نیچے نیچے اور مزید نیچے بڑھتا گیا۔ وہ خوف سے کپکپا رہا تھا لیکن اس کے چہرے پر فیصلہ کن سنجیدگی طاری تھی۔ اس وقت وہ اس بلبو سے قطعی طور پر مختلف بلبو تھا جو عرصہ ہوا بیگ اینڈ میں اپنے گھر سے جیبی رومال کے بغیر ہی روانہ ہو گیا تھا۔ نجانے کتنا عرصہ ہوا تھا کہ اس کی جیب رومال سے خالی تھی۔ اس نے اپنی تلوار میان میں ڈھیلی کی، اپنی پیٹی کسی اور چلتا گیا۔

وہ خود کلامی کے انداز میں بولا، ''بلبو بیگنز، اب تم خوب پھنسے! اس رات دعوت میں تم نے اس مصیبت میں اپنا سر پھنسا ڈالا تھا اور اب تمھیں ہی اسے نکالنا ہوگا اور اس کی قیمت بھی ادا کرنی ہوگی۔ میرے خدا، میں بھی کتنا احمق تھا اور اب بھی ہوں۔'' اب اس میں ٹوک خاندان کا خون بول رہا تھا۔ ''بھلا میرا اس خزانے سے کیا تعلق جس پر وہ اژدھا کنڈلی مارے بیٹھا ہے؟ میری بلا سے وہ سارا خزانہ ہمیشہ کے لیے یہیں پڑا رہے، بس کیا ہی اچھا ہو کہ میری آنکھ کھلے اور یہ وحشت ناک سرنگ میرے گھر کے روشن بیرونی کمرے میں بدل جائے۔''

اس کی آنکھ تو نہ کھلی، بس وہ چلتا گیا اور چلتا گیا حتیٰ کہ اس کے عقب میں بیرونی دروازہ بھی تاریکی میں غائب ہو گیا۔ اب وہ بالکل اکیلا تھا۔ جلد ہی اسے کچھ حدت کا احساس ہونے لگا۔ وہ سوچنے لگا، ''یہ سامنے کیسی دھیمی دھیمی روشنی دکھائی دے رہی ہے؟''

یہ واقعی روشنی ہی تھی اور جیسے جیسے وہ آگے بڑھتا گیا روشنی میں اضافہ ہوتا گیا۔ جلد ہی اسے وہ روشنی صاف دکھائی دینے لگی۔ یہ روشنی سرخ تھی اور لحہ بہ لحہ اس کی سرخی میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ اب سرنگ میں یقینی طور پر گرمی بڑھتی جاتی تھی۔ کبھی کبھار بھاپ کے مرغولے اس کے دائیں بائیں منڈلاتے۔ اب اسے پسینہ آنے لگا۔ اس کے کانوں میں ایک آواز گونجنے لگی تھی جیسے کسی نے ایک بڑی دیگ آگ پر چڑھائی ہو۔ اس میں کسی دیوہیکل بلے کے غرانے کی آواز بھی شامل تھی۔ تھوڑی دیر بعد یہ آواز کسی پہاڑ نما جانور کے خراٹوں میں تبدیل ہو گئی جو اس کے سامنے اس سرخ روشنی میں نیند میں گم تھا۔

یہی لحہ تھا کہ بلبو اپنی جگہ پر رک گیا۔ یہاں سے آگے بڑھنا بلبو کی زندگی کا سب سے دلیرانہ قدم تھا۔ اس سے پہلے اور اس کے بعد جو کچھ بھی ہوا وہ اس ایک قدم کے مقابلے میں ہیچ تھا۔ سامنے کچھ فاصلے پر موجود عظیم خطرے پر ایک نگاہ ڈالنے سے پہلے ہی بلبو اپنی حقیقی جنگ اس سرنگ میں اکیلا ہی لڑ چکا تھا۔ بہرحال چند لمحے ساکت کھڑے رہنے کے بعد وہ آگے بڑھا۔ اب آپ اس کی حالت کا تصور کر سکتے ہیں جب وہ سرنگ کے اختتام تک پہنچا جہاں ایک سوراخ موجود تھا جو شکل وصورت میں بیرونی دروازے کی مانند چوکور تھا۔ بلبو نے اس سوراخ سے سر آگے بڑھایا۔ اس کے سامنے پہاڑ کے نیچے بونوں کی قدیم نسلوں کا سب سے آخری وسیع وعریض تہ خانہ یا قید خانہ موجود تھا۔ اس میں تاریکی پھیلی تھی اس لیے اس کی لمبائی چوڑائی کا اندازہ لگانا محال تھا۔ اس عظیم ہال کے قریبی پتھریلے فرش پر ایک عجیب سی روشنی پھوٹ رہی تھی.... سماگ کی روشنی!

سرخ سنہری رنگت والا دیو قامت اور عظیم الجثہ اژدھا سماگ گہری نیند سو یا تھا۔ اس کے جبڑوں اور نتھنوں سے گہری تھرتھراہٹ اور دھوئیں کے مرغولے برآمد ہو رہے تھے۔ لیکن نیند

میں اس کے منہ سے شعلے نہیں نکل رہے تھے۔ اس کے نیچے، اس کے چاروں ہاتھوں پیروں کے نیچے، اس کی طویل لپٹی ہوئی دم کے نیچے، اس کے چاروں جانب، فرش سے اوپر ان دیکھی منزلوں پر لاتعداد پہاڑی نما ڈھیروں کی صورت میں دنیا جہان کی قیمتی اشیا پڑی تھیں، سونا، چاندی، ہیرے، موتی، جواہرات.... ان سب ڈھیروں پر سرخ روشنی کی لالی عیاں تھی۔

سماگ کسی ناقابلِ بیان دیوہیکل چمگادڑ کی مانند اپنے اردگرد اپنے پَر لپیٹے ایک پہلو پر سویا تھا اور یوں بلبو کو اس کے جسم کا زیریں حصّہ دکھائی دے رہا تھا جہاں اس کے زرد پیٹ پر عرصہ دراز سے لیٹے رہنے کی بنا پر ہیرے جواہرات اور سونے چاندی کے ٹکڑے کھُب چکے تھے۔ ہال کی قریبی دیواروں پر جو اندھیرے میں بمشکل دکھائی دے رہی تھیں، جنگجوؤں، مہم جوؤں کی ڈھالیں، خود، زرہ بکتریں، جنگی کلہاڑے، تلواریں اور نیزے ٹنگے تھے۔ وہیں ساتھ ہی ہزاروں کی تعداد میں قدآور مرتبان اور کنستر رکھے تھے جن میں اتنی دولت تھی کہ کوئی انسان، بونا یا پری زاد تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

یہ کہنا کہ بلبو کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا، اس کی کیفیت کی مکمل تصویر کشی نہیں کر سکتا۔ اس کی حیرت کا بیان انسانوں کی اس زبان میں ممکن نہ تھا جو انھوں نے پری زادوں سے سیکھی تھی جب دنیا میں سب چیزیں حسین اور حیرت انگیز تھیں۔ بلبو نے اس سے پہلے اژدھوں کے خزانوں کی داستانیں سنی سنائی اور گائی تھیں لیکن وہ ایسے خزانے کی شان و شوکت اور وسعت کا اپنے خواب وخیال میں بھی اندازہ نہیں کر سکتا تھا۔ بونوں کی طرح اس کا دل بھی سونے کی خواہش اور اس کے سحر سے لبریز ہو گیا۔ وہ یونہی ساکت خاموش کھڑا قیمت اور تعداد سے ماورا اس خزانے کو دیکھتا رہا اور اس دوران چند لمحوں کے لیے وہ اس کے خزانے کے دیوہیکل اور دہشت ناک قابض کو بھی بھول گیا۔

وہ نجانے کتنی دیر ایسے ہی کھڑا رہا اور پھر جیسے اپنی مرضی کے بغیر وہ دھیرے دھیرے دروازے کی تاریکی سے آگے جواہرات کے قریب ترین پہاڑ تک جا پہنچا۔ اس کے عین اوپر اژدھا سویا تھا جو نیند میں بھی سنگین خطرہ ثابت ہو سکتا تھا۔ بلبو نے دو ہتھیوں والا ایک بڑا پیالہ

اٹھایا جو اتنا بھاری تھا کہ وہ بمشکلِ تمام اسے اٹھا پایا اور ایک آخری نگاہ اژدھے پر ڈالی۔ سماگ کے ایک پَر میں ارتعاش پیدا ہوا، اس نے ایک پنجہ کھولا اور اس کے خراٹوں کی گرج میں کچھ تبدیلی سنائی دی۔

پھر بلبو بھاگ اٹھا۔ لیکن اژدھے کی آنکھ نہ کھلی، کم از کم اس وقت تک نہیں۔ چوری کے خزانوں کی پہاڑیوں پر لیٹا وہ لالچ اور غارت گری کے دوسرے خوابوں میں کھو گیا اور بلبو طویل تاریک سرنگ میں ہانپتا کانپتا واپس بھاگا۔ واپسی پر اس کا دل کہیں زیادہ دھڑک رہا تھا اور اس کی ٹانگیں کہیں زیادہ کانپ رہی تھیں لیکن اس نے پیالے کو مضبوطی سے تھاما ہوا تھا۔ اس کے ذہن میں ایک ہی خیال گھوم رہا تھا، ''میں نے کر دکھایا! اب وہ جان جائیں گے۔ چور سے زیادہ سبزی فروش؟ .... یہی کہا تھا نا انھوں نے! اب دیکھتا ہوں وہ کیا کہتے ہیں۔''

انھوں نے کچھ بھی نہ کہا۔ بالین بلبو کو دیکھ کر خوشی سے دیوانہ ہو گیا، خوشی سے بھی اور حیرت سے بھی۔ اس نے بلبو کو اٹھا لیا اور اسے باہر کھلی فضا میں لے آیا۔ آدھی رات ہونے کو تھی اور ستارے بادلوں کی اوٹ میں چھپ گئے تھے، لیکن بلبو وہیں زمین پر لیٹا آنکھیں بند کیے زور زور سے سانسیں لیتا رہا اور تازہ ہوا سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ اسے اندازہ ہی نہ ہوا کہ سب بونے خوشی سے پاگل ہو رہے تھے، اس کی تعریف کے گیت گا رہے تھے اور اس کے کاندھوں پر تھپکیاں دے رہے تھے۔ سب نے یکے بعد دیگرے خود کو اور اپنے خاندانوں کی گزشتہ اور آنے والی نسلوں تک کو بلبو کا شکر گزار اور احسان مند قرار دیا۔

بونے یکے بعد دیگرے سنہری پیالے کو پکڑ پکڑ کر دیکھ رہے تھے اور انتہائی جوش و ولولے سے ایک دوسرے سے اپنے خزانے کی دریافت کے بارے میں باتیں کر رہے تھے کہ یکا یک دور کہیں پہاڑ کے اندر سے ایک گڑگڑاہٹ کی آواز بلند ہوئی جیسے کوئی سویا ہوا آتش فشاں ایک مرتبہ پھر اپنی آگ باہر نکال پھینکنے پر تیار ہو رہا ہو۔ ان کے عقب میں دروازہ بند ہو چلا تھا لیکن ایک پتھر کی ٹیک کی بنا پر بند نہ ہوا۔ سرنگ کے اندر سے دور کہیں کسی کے چنگھاڑنے اور بھاری قدموں سے چلنے کی دھمک سے پورا پہاڑ لرزنے لگا۔

بونوں کی تمام خوشیاں کافور ہوئیں اوران کا چند لمحے کا جوش و ولولہ ہرن ہو گیا اور وہ خوف سے کانپنے لگے۔ ابھی سماگ کا مسئلہ باقی تھا! اگر آپ کسی زندہ اژدھے کی کچھار کے قریب ہوں تو اسے اپنے منصوبوں میں مدِنظر رکھنا لازم ہوتا ہے۔ اژدھے اپنے خزانوں کو استعمال تو نہیں کر سکتے لیکن انھیں اپنے خزانے کے ایک ایک تولے ماشے کی مقدار کا علم ہوتا ہے خاص طور پر اگر یہ خزانہ ایک طویل عرصہ سے ان کی تحویل میں ہو۔ سماگ پر بھی یہی اصول لاگو ہوتا تھا۔ وہ ایک خواب دیکھ رہا تھا جس میں وہ ایک جنگجو سے برسرِ پیکار تھا جو قد و قامت میں تو اس سے کہیں کمتر تھا لیکن جس کی تلوار زہر میں بجھی اور بہادری قابلِ داد تھی۔ خواب دیکھتے دیکھتے وہ غنودگی کے عالم میں پہنچا اور غنودگی سے پوری طرح بیداری کے عالم میں آن پہنچا۔ اس کے غار میں ایک عجیب سی انجانی خوشبو پھیلی تھی۔ کیا اس چھوٹے سوراخ سے ہوا کا کوئی جھونکا اندر پہنچ گیا تھا؟ حالانکہ یہ سوراخ بہت ہی چھوٹا سا تھا لیکن اسے یہ سوراخ کبھی اچھا نہ لگتا تھا۔ اب وہ اس سوراخ کو مشکوک نگاہوں سے گھور رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ اس نے آج تک یہ سوراخ بند ہی کیوں نہ کر دیا۔ کچھ دیر پہلے ہی اسے یونہی محسوس ہوا کہ دور کہیں تھپتھپانے یا دستک دینے کی آواز نیچے اس کی کچھار تک آ رہی ہے۔ وہ اپنی جگہ پر ہلا اور سونگھنے کے لیے اپنی گردن گھمائی۔ پہلی ہی نظر میں وہ بھانپ گیا کہ سونے چاندی کے ان گنت ڈھیروں میں ایک ڈھیر سے دو ہتھیوں والا ایک سنہری پیالہ اپنی جگہ سے غائب تھا۔

چور! شعلے! قتل! جب سے وہ اس پہاڑ پر آیا تھا کبھی ایسا نہ ہوا تھا۔ اس کا غیظ و غضب آسمان کو چھونے لگا۔ یہ وہی غصّہ تھا جو ایسے دولت مندوں کو آتا ہے جن کے پاس اپنی خواہشات اور ضروریات سے کہیں زیادہ ہوتا ہے اور وہ یکا یک کچھ ایسا کھو دیں جو ان کے پاس عرصہ دراز سے موجود ہو لیکن جسے انھوں نے کبھی استعمال کیا ہو اور نہ ہی جس کی انھیں ضرورت ہو۔ اس کے نتھنوں سے آگ کی لپٹیں نکلیں، ہال میں دھواں بھر گیا اور اس کی دھاڑ سے پہاڑ اپنی جڑوں تک لرز اٹھا۔ اس نے اپنا سر چھوٹے سوراخ میں گھسیڑنے کی ناکام کوشش کی اور پھر اپنے بدن کی طوالت کو لپیٹتے ہوئے وہ پوری طاقت سے چنگھاڑ اٹھا جیسے زمین کے نیچے

بادل گرجے ہوں۔ یونہی دھاڑتے ہوئے وہ اپنی کچھار کے دروازے سے نکلا اور پہاڑ کے نیچے اپنے محل سے باہر مرکزی دروازے کی جانب لپکتا چلا گیا۔

اس کے ذہن پر اس وقت صرف ایک ہی خیال تھا کہ سارے پہاڑ پر اس چور کو تلاش کرے اور پھر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اپنے پیروں کے نیچے مسل ڈالے۔ وہ بیرونی دروازے سے باہر نکلا تو پانی کھولنے لگا اور سیٹیاں بجاتے ہوئے بھاپ میں تبدیل ہو گیا۔ وہ پَر پھیلائے فضا میں بلند ہوا اور پہاڑ کی چوٹی پر جا بیٹھا۔ اس کے منہ سے زرد اور سبز شعلے نکل رہے تھے۔ بونوں کو اس کی پَروں کی پھڑ پھڑاہٹ سنائی دی تو وہ ایک دیوار کے ساتھ پتھروں کی اوٹ میں چھپ کر بیٹھ گئے اس امید پر کہ شاید وہ اژدھے کی خونخوار نگاہوں سے بچ جائیں۔

ایک مرتبہ پھر اگر بلبو نہ ہوتا تو آج وہ سب مارے جاتے۔ وہ تیزی سے بولا، ''جلدی، جلدی، دروازے میں! سرنگ میں! باہر ہم محفوظ نہیں رہیں گے۔''

اس کی یہ بات سن کر وہ سرنگ میں گھسنے ہی لگے تھے کہ بیفور چیخا، ''میرے چچا زاد بھائی! بومبور اور بوفور.... ہم انھیں بھول گئے! وہ ابھی تک نیچے وادی میں ہیں....''

دوسرے بولے، ''وہ مارے جائیں گے اور ہمارے خچر بھی....اور ہمارا مال واسباب بھی تباہ و برباد ہو جائے گا۔ اب ہم کچھ نہیں کر سکتے۔''

تھورین جو اپنے اعصاب اور اپنی متانت پر دوبارہ قابو پا چکا تھا بولا، ''یہ حماقت ہے! ہم انھیں چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔ مسٹر بیگنز اور بالین تم اندر جاؤ اور فیلی اور کیلی تم دونوں بھی جاؤ۔ ہم سارے اس اژدھے کے ہتھے نہیں چڑھیں گے اور باقی تم سب، کہاں ہیں ہماری رسیاں؟ جلدی کرو۔''

شاید یہ ان کی مہم کے بدترین لمحات تھے۔ سماگ کی غیظ و غضب سے بھری چنگھاڑیں انھیں اپنے سروں کے اوپر سنائی دے رہی تھیں۔ کسی بھی وقت وہ نیچے آ سکتا تھا یا پہاڑ کے اردگرد پرواز کرتے ہوئے انھیں اس پہاڑی راستے پر دیوانہ وار رسیاں کھینچتے دیکھ سکتا تھا۔ پہلے

بوفور اوپر آیا اور سب خیریت رہی۔ پھر پھولی سانسوں کے ساتھ بومبور ہانپتا کانپتا اوپر پہنچا جس کے وزن سے رسیاں چرچرا رہی تھیں اور اب بھی سب خیریت رہی۔ آخر میں ان کا مال و اسباب اور اوزار اوپر پہنچے اور ان کے ساتھ ہی خطرہ بھی ان کے سروں پر آن پہنچا۔

آسمان پر گڑگڑاہٹ بلند ہوئی۔ پہاڑیوں کی چوٹیوں پر ایک سرخ روشنی پھیل گئی۔ اژدھا پہنچ گیا!

وہ اپنا ساز وسامان اور اپنی پوٹلیاں کھینچتے ہوئے بمشکل سرنگ میں داخل ہی ہوئے تھے کہ سماگ جنوب کی جانب سے اڑتا ہوا نمودار ہوا۔ اس کے شعلے پہاڑ کے پہلوؤں کو چاٹ رہے تھے اور اس کے پَروں کی آواز کسی طوفان کی مانند کانوں کے پردے پھاڑ رہی تھی۔ وہ قریب پہنچا تو اس کی آتشیں سانس سے محراب کے سامنے گھاس کا ٹکڑا جھلس کر رہ گیا۔ اس کی شعلہ بار سانس سرنگ میں بھی داخل ہوئی جہاں دروازے کی اوٹ میں بونے دبکے بیٹھے تھے۔ شعلوں کی لپٹیں اوپر نیچے ناچنے لگیں اور تاریک چٹانوں پر سائے کپکپانے لگے۔ جیسے ہی وہ دروازے سے گزرا ایک مرتبہ پھر اندھیرا چھا گیا۔ باہر خچر خوف کے مارے ہنہنانے لگے اور اپنی رسیاں تڑا کر بھاگ اٹھے۔ اژدھا انھیں دیکھ کر مڑا اور ان کے تعاقب میں اڑتے ہوئے نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔

تھورین بولا، ''چلو اب بیچارے خچروں کا قصہ تمام ہوا۔ جس چیز پر سماگ کی نظر پڑ جائے وہ بچ نہیں سکتی اور ہم ہیں کہ یہاں بیٹھے ہیں اور اس وقت تک یہیں بیٹھے رہیں گے جب تک کہ کوئی سماگ کی نگاہوں کے نیچے میلوں دور دریا تک بھاگ کر پہنچنے کی کوشش نہ کرے۔''

یہ خیال کسی کو بھی پسند نہ آیا۔ وہ سرنگ میں کچھ دور مزید اندر کپکپاتے ہوئے چلتے گئے حالانکہ یہاں فضا قدرے گرم اور مرطوب تھی جب تک ان کے پیچھے صبح کی پیلی روشنی دروازے سے نمودار ہونے لگی۔ ہر تھوڑی دیر بعد انھیں اژدھے کی پرواز کی گڑگڑاہٹ سنائی دیتی اور پھر دور ہوتے ہوئے معدوم ہو جاتی۔ اژدھا اب بھی ان کی تلاش میں پہاڑ کے گرد لگاتار چکر لگا رہا تھا۔

خچروں کی موجودگی اور نیچے لگائے گئے پڑاؤ کے نشانات سے سماگ کو اندازہ ہو چکا تھا کہ دریا اور جھیل کے جانب سے انسان یہاں آن پہنچے تھے اور وادی میں اس مقام کی جانب سے پہاڑ پر چڑھے تھے جہاں اسے خچر بندھے ملے تھے۔ لیکن محراب اس کے شعلوں سے بچی رہی اور دروازہ اس کی نگاہوں سے اوجھل رہا۔ وہ دیر تک چاروں جانب اڑتا رہا حتیٰ کہ صبح پھوٹنے تک اس کا غصہ ٹھنڈا پڑ گیا اور وہ دوبارہ اپنی طاقت بحال کرنے واپس اپنے سنہری بستر پر جا لیٹا۔ لیکن وہ اس چوری کو کبھی نہیں بھولے گا اور نہ ہی اس سے درگزر کرے گا، چاہے ایک ہزار سال گزر جائیں اور وہ جھلسا ہوا پتھر بن جائے، لیکن اسے ایک ہزار سال تک انتظار کرنے میں کوئی مشکل درپیش نہ تھی۔ یہی سوچتے ہوئے وہ اپنی کچھار میں لوٹا اور اپنی آنکھیں موند لیں۔

صبح ہوئی تو بونوں کا خوف قدرے کم ہوا۔ انھیں اندازہ ہوا کہ خزانے کے ایسے محافظ کی موجودگی میں اس طرح کے خطرات کا سامنا ناگزیر تھا اور ابھی سے اپنی مہم سے دستبردار ہو جانا بزدلی کا مترادف ہوگا۔ یوں بھی تھورین کا کہنا تھا فی الحال تو وہ کہیں بھی نہ جا سکتے۔ ان کے خچر یا تو مر کھپ گئے تھے یا کھو گئے تھے اور انھیں کم از کم اس وقت تک تو یہیں چھپے رہنا ہوگا جب تک سماگ اپنی تلاش ترک نہ کر دے اور وہ پیدل اپنے طویل سفر پر روانہ ہو سکیں۔ خوش قسمتی کی بات یہ تھی کہ انھوں نے اتنا ساز و سامان بچا لیا تھا جو چند روز تک ان کے کام آ سکتا تھا۔

وہ بہت دیر تک بحث کرتے رہے لیکن سماگ سے بچنے کے لیے کسی کے ذہن میں کوئی تجویز نہ آئی۔ بلبو ان کو بتانا چاہتا تھا کہ بس یہی بات شروع سے ان کے منصوبے کی ایک کمزور کڑی ہے اور پھر مکمل طور پر مضطرب اور حواس باختہ لوگوں کی طرح انھوں نے بھی سارا الزام بلبو پر دھرنا شروع کر دیا۔ انھوں اسی بات پر بلبو سے شکوہ کرنا شروع کر دیا جس پر ابھی تھوڑی دیر پہلے تک وہ اس کی تعریفیں کرتے نہ تھکتے تھے۔ انھیں اب اس بات پر غصہ تھا کہ وہ سنہری پیالہ کیوں اٹھا لایا جس کی وجہ سے سماگ غیظ و غضب میں پاگل ہو گیا تھا۔ بلبو غصے سے بولا، ''تمھارا کیا خیال ہے کہ ایک چور کو کیا کرنا چاہیے؟ مجھے یہاں اژدھوں کو مارنے کے لیے نہیں لایا گیا تھا، یہ جنگجوؤں کا کام ہے۔ مجھے خزانہ چرانے کے لیے لایا گیا تھا۔ میں نے اپنے کام کی

بہترین ابتدا کی ہے۔ تم لوگ کیا چاہتے ہو کہ میں تھرور کے خزانے کے پہاڑ اپنے کاندھے پر اٹھائے نکل آتا؟ اگر کسی کو کوئی شکوہ شکایت کرنا ہے تو مجھے کرنا چاہیے۔ تمھیں اپنے ساتھ ایک نہیں ایک ہزار ماہر چور لانے چاہییں تھے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ تمھارے دادا ہی کا کمال ہے لیکن حقیقت یہی ہے کہ تم نے کبھی مجھے اپنے دادا کی دولت کی درست مقدار اور تعداد بیان ہی نہ کی تھی۔ اس سارے خزانے کو یوں باہر لانے میں مجھے سیکڑوں سال لگیں گے اور وہ بھی صرف اس صورت میں کہ میں پچاس گنا بڑا اور طاقتور ہوتا اور سماگ ایک خرگوش کی مانند بے ضرر ہوتا۔"

بلبو کی ان کڑوی کسیلی باتوں کے بعد بونوں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ اس سے معذرت کے طلبگار ہوئے۔ تھورین قدرے شائستگی سے بولا، "تو پھر مسٹر بیگنز آپ کیا تجویز کرتے ہیں کہ کیا کیا جائے؟"

"اگر تم خزانے کو نکالنے کے بارے میں پوچھ رہے ہو تو میرے پاس اس وقت کوئی تجویز نہیں ہے۔ لیکن یقیناً اس کا انحصار مکمل طور پر ہماری قسمت اور سماگ سے جان چھڑانے پر ہے۔ گو اژدھوں سے جان چھڑانا میرے بس کی بات نہیں ہے لیکن میں اس کے بارے میں ضرور سوچوں گا۔ ذاتی طور پر مجھے کوئی امید نہیں ہے اور اس وقت میں بس یہی چاہتا ہوں کہ واپس اپنے گھر پہنچ جاؤں۔"

"اس کے بارے میں تو بعد میں سوچیں گے۔ لیکن ہمیں ابھی کیا کرنا ہوگا..... اس وقت اور آج؟"

"اگر تم واقعی میرا مشورہ چاہتے ہو تو میں یہی کہتا ہوں کہ ہمیں یہاں ٹھہرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں کرنا چاہیے۔ دن کی روشنی میں ہم تھوڑی دیر ہوا خوری کے لیے باہر نکل سکتے ہیں۔ کچھ دنوں بعد ایک یا دو افراد کو نیچے دریا کے قریب پڑاؤ پر بھیجیں گے تاکہ خورونوش کا کچھ سامان اوپر لایا جا سکے۔ اس وقت تک ہم سب کو کم از کم رات کے وقت لازماً سرنگ کے اندر ہی رہنا ہوگا۔"

''اور اب میں ایک تجویز پیش کرتا ہوں! میرے پاس اپنی طلسمی انگوٹھی ہے میں اسے پہن کر ابھی تھوری دیر میں واپس اندر جاتا ہوں اور اگر سماگ اونگھ رہا ہو تو میں ادھر ادھر جائزہ لے کر آؤں گا۔ شاید کوئی اور راستہ نکل ہی آئے۔ میرے والد کہا کرتے تھے کہ ''ہر کیڑے کی ایک نہ ایک کمزوری ضرور ہوتی ہے۔'' اگرچہ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ ان کا ذاتی تجربہ نہیں تھا۔''

بونوں نے اس کی تجویز فوراً قبول کر لی۔ وہ اب بلبو کی دانشمندی کو تعظیم کی نگاہ سے دیکھنے لگے تھے۔ اب وہ اس مہم کا رہنما بن چکا تھا۔ وہ اپنے ہی منصوبے اور خیالات تیار کرنے لگا تھا۔ دوپہر قریب آئی تو وہ ایک مرتبہ پھر پہاڑ کے اندر جانے کی تیاری کرنے لگا۔ گو وہ اس سفر پر بہت زیادہ پُرجوش نہیں تھا لیکن اب پہلے کی نسبت وہ قدرے زیادہ تیار تھا کیونکہ اب کم از کم اسے یہ تو معلوم تھا کہ اس کا سامنا کس عفریت سے ہے۔ اگر وہ اژدھوں اور ان کی مکاریوں کے بارے میں زیادہ جانتا تو وہ کہیں زیادہ خوفزدہ ہوتا اور وہ اس اژدھے کو اونگھتے ہوئے جا لینے میں اتنا پُرامید نہ ہوتا۔

جب اس نے سفر شروع کیا تو باہر دھوپ چمک رہی تھی لیکن سرنگ کے اندر آدھی رات کا سا اندھیرا چھایا تھا۔ جیسے جیسے وہ سرنگ میں آگے بڑھتا گیا ادھ کھلے دروازے کی روشنی بھی معدوم ہوتی گئی۔ اس کی چال اتنی خاموش تھی جیسے ہلکی ہوا میں دھوئیں کا مرغولہ اور وہ جیسے اندرونی دروازے کے قریب پہنچا تو اسے اپنی خاموش چال پر فخر ہونے لگا۔ دوسری جانب انتہائی ہلکی سرخ روشنی دکھائی دے رہی تھی۔

اس نے سوچا، ''سماگ تھک ہار کر سو چکا ہے۔ وہ مجھے دیکھ بھی نہیں سکتا اور نہ ہی وہ میری آواز سن سکتا ہے۔ بلبو بیگنز، خوش ہو جاؤ'' اسے یا تو معلوم نہ تھا یا وہ بھول رہا تھا کہ اژدھوں کی سونگھنے کی حِس کتنی طاقتور ہوتی ہے۔ ایک عجیب حقیقت یہ بھی ہے کہ اژدھوں کو کوئی شک ہو جائے تو وہ ادھ کھلی آنکھوں کے ساتھ بھی سو سکتے ہیں۔

جب بلبو نے اندر جھانک کر دیکھا تو بظاہر سماگ مکمل طور پر نیند میں کھویا دکھائی دیتا تھا،

جیسے مرا پڑا ہو، اس کے نتھنوں سے معمولی مقدار میں بھاپ نکل رہی تھی اور اس کے خراٹے بھی انتہائی دھیمے تھے۔ جیسے ہی وہ قدم اٹھا کر سامنے فرش پر بڑھنے ہی لگا تھا کہ اچانک اسے سماگ کی بائیں آنکھ کے پپوٹے کے نیچے سرخ رنگ کی ایک پتلی لیکن تیز روشنی کی شعاع دکھائی دی۔ وہ سونے کا ناٹک کر رہا تھا! وہ سرنگ والے راستے پر نگاہ رکھے تھا۔ بلبو فوراً پیچھے ہٹا اور دھڑکتے دل سے اپنی طلسمی انگوٹھی کا شکر بجا لایا۔ پھر دیواروں کو لرزا دینے والی گرجدار گونج دار آواز میں سماگ بول اٹھا!

''آؤ، آؤ، چور! خوش آمدید! مجھے تمھاری خوشبو آ رہی ہے اور میں تمھاری سانسیں سونگھ اور سن سکتا ہوں۔ آؤ آگے بڑھو! ایک مرتبہ پھر جو جی چاہے چرا لے جاؤ۔ یہاں بہت کچھ پڑا ہے۔''

لیکن بلبو اژدھوں کی بہت سی داستانیں سن چکا تھا اور اگر سماگ کا خیال تھا کہ وہ اتنی آسانی سے اسے بہلا پھسلا کر اپنے قریب بلانے میں کامیاب ہو جائے گا تو اسے مایوسی ہوئی۔ بلبو نے جواب دیا، ''نہیں، اے عظیم الشان سماگ! میں یہاں تحفے تحائف کے لیے نہیں آیا۔ میں یہاں صرف تمھیں دیکھنے آیا ہوں کہ کیا تم واقعی اتنے ہی ہیبت ناک، عظیم الشان اور طاقتور ہو جتنا قصوں کہانیوں میں بیان کیا جاتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ مجھے ان سنی سنائی داستانوں پر یقین نہیں آتا تھا۔''

''اچھا؟ تو کیا ایسا ہی ہے۔'' اگرچہ سماگ کو بلبو کے ایک لفظ پر بھی یقین نہ آیا تھا لیکن پھر بھی اپنی تعریف سن کر اس کے لہجے میں نرمی عود کر آئی تھی۔

بلبو نے جواب دیا، ''اے عظیم ترین اور زبردست ترین تباہیوں کے خالق! تمھارے بارے میں کہانیوں اور گیتوں کے بیان حقیقت کی خاک کو بھی نہیں پہنچ پاتے۔''

اژدھا بولا، ''چور اور جھوٹے ہونے کے باوجود تم خاصے خوش اخلاق اور مہذب ہو۔ لگتا ہے تمھیں میرا نام معلوم ہے لیکن مجھے یاد نہیں پڑتا کہ میں نے کبھی تمھیں پہلے کبھی سونگھا ہو۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟''

''ہاں، ہاں، کیوں نہیں! میں ایک پہاڑی کے نیچے رہتا ہوں اور یہاں تک میرا راستہ پہاڑیوں کے نیچے اور پہاڑیوں کے اوپر سے گزرا ہے اور ہوا کے درمیان سے.... میں وہ ہوں جو نظر آئے بغیر چلتا ہے۔''

سماگ بولا، ''ہاں مجھے یقین ہے ایسا ہی ہے۔ لیکن یہ تمھارا اصلی نام تو نہیں ہے۔''

''میں الجھنوں کو سلجھانے والا، جالوں کو کاٹنے والا اور ڈنک مارنے والا کیڑا ہوں۔ مجھے خوش قسمت ہندسے کی وجہ سے چنا گیا تھا۔''

اژدہا طنزیہ لہجے میں بولا، ''یہ سب اچھے القاب ہیں۔ لیکن خوش قسمت ہندسے اکثر دھوکا دے جاتے ہیں۔''

''میں وہ ہوں جو اپنے دوستوں کو زمین میں گاڑھ دیتا ہے اور پانی میں ڈبو دیتا ہے اور پھر انھیں دوبارہ پانی سے زندہ سلامت نکال لیتا ہے۔ میں سب کو بوریوں سے نکالتا ہوں لیکن آج تک کوئی مجھ پر بوری نہیں ڈال سکا۔''

سماگ نخوت سے بولا، ''یہ کوئی عظیم الشان کارنامے تو نہیں ہیں۔''

بلبو کو اب ان پہیلیوں کی کھیل سے لطف آنے لگا تھا، ''میں ریچھوں کا دوست اور عقابوں کا مہمان ہوں۔ میں انگوٹھی کا مالک ہوں اور خوش قسمتی کی نشانی کا حامل ہوں۔ میں کنستروں کا شہسوار ہوں۔''

سماگ بولا، ''ہاں یہ القاب قدرے بہتر ہیں۔ لیکن بہتر ہوگا کہ اپنے تخیل کی پرواز کو ذرا قابو میں رکھو۔''

حقیقت یہ ہے اگر آپ اژدھوں سے اپنی اصل شناخت چھپانا چاہتے ہیں (جو عقل مندی کا تقاضا ہے) یا اگر آپ ان کے غیظ وغضب سے بچنا چاہتے ہیں (یہ بھی عقل مندی کا تقاضا ہے) تو ان سے بات کرنے کا یہی درست طریقہ ہے۔ اژدھوں کو عموماً پہیلیوں اور بجھارتوں کا کھیل کھیلنا اور پہیلیاں بوجھنے میں وقت ضائع کرنے کا شوق ہوتا ہے۔ بلبو کی باتوں میں بہت کچھ تھا جو سماگ کی سمجھ سے بالاتر تھا (اگرچہ میرا خیال ہے کہ آپ سب کو ان باتوں کا علم ہوگا

کیونکہ آپ بلبو کے ان کارناموں سے آگاہ ہیں جن کے بارے میں وہ پہیلیاں گھڑ رہا تھا) لیکن دل ہی دل میں سمجھ رہا تھا کہ اسے بلبو کی ساری باتیں سمجھ آ رہی ہیں اور وہ اپنے خباثت بھرے دل میں خوش ہو رہا تھا۔

وہ خود سے بولا، ''مجھے کل رات کو ہی علم ہو گیا تھا۔ اگر یہ کنستروں کی تجارت کرنے والے جھیل نگر کے منحوس باسیوں کی سازش نہ ہو تو میرا نام چھپکلی رکھ دینا! بہت عرصہ ہوا میرا ان کی جانب گزر نہیں ہوا لیکن اب اس واقعے کے بعد وہاں جانا ہی ہوگا۔''

لیکن وہ بلند آواز سے بولا، ''اچھا تو کنستروں کے شہسوار! ہو سکتا ہے کنستر تمھارے خچر کا نام ہو اور ہو سکتا ہے نہ ہو لیکن یہ یقینی بات ہے کہ تمھارا خچر تگڑا تھا۔ تم دکھائی دیئے بغیر چل سکتے ہو گے لیکن تم یہاں تک پیدل چل کر نہیں پہنچے۔ میں تمھیں بتاتا ہوں کہ کل رات میں نے چھ خچر کھائے ہیں اور جلد ہی میں باقی سارے خچر بھی میرے پیٹ میں ہوں گے۔ کل رات کی دعوت کے بعد اظہار تشکر کے طور پر میں تمھارے ہی فائدے کے لیے تمھیں ایک مشورہ دیتا ہوں۔ بونوں کے ساتھ صرف اس وقت تک ہی رہنا جب تک کہ یہ ناگزیر ہو۔''

بلبو نے حیرت کی اداکاری کرتے ہوئے کہا، ''بونے؟ کون سے بونے؟''

سماگ بولا، ''مجھ سے الٹی سیدھی باتیں نہ کرو! بونوں کی خوشبو اور ذائقہ مجھ سے بہتر کوئی نہیں جانتا۔ یہ مت سمجھو کہ میں ایک خچر کھا جاؤں گا اور مجھے علم ہی نہ ہوگا کہ اس پر کوئی بونا سوار رہا تھا۔ ایسے لوگوں کا ساتھ دینے سے تمھارا انجام اچھا نہیں ہوگا، کنستروں کے شہسوار چور! یوں بھی اگر تم جا کر میری باتیں انھیں بتا دو تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔'' لیکن اس نے بلبو سے اس بات کا تذکرہ نہ کیا کہ ایک اور خوشبو بھی تھی جسے وہ پہچان نہ سکا تھا۔ یہ ہابٹ کی خوشبو تھی جسے اس نے آج تک نہ سونگھا تھا اور اس بات پر وہ بہت پریشان ہو رہا تھا۔

وہ بولتا گیا، ''اچھا تو کل رات کو چوری کیے اس پیالے کے تمھیں اچھے دام ملے؟ بتاؤ، اچھے دام ملے؟ کچھ بھی نہیں؟ چلو کوئی بات نہیں۔ بونے ایسا ہی کرتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ سب باہر چھپے بیٹھے ہیں اور تمھیں اس خطرناک کام پر بھیج دیا کہ مجھ سے آنکھ بچا کر جو کچھ چوری

کر سکو وہ لے جاؤ..... اور وہ بھی کس لیے؟ان کے لیے؟ تمھارا کیا خیال ہے کہ وہ تمھیں ایمانداری سے تمھارا مناسب حصّہ دے دیں گے؟ اس بات پر کبھی یقین نہ کرنا۔ اگر تم زندہ بچ نکلے تو یہی تمھاری خوش قسمتی ہوگی۔''

بلبو کو اب واقعی پریشانی لاحق ہونے لگی تھی۔ اندھیروں میں اسے تلاش کرتی سماگ کی آنکھ جب بھی اس کی جانب مڑتی تو وہ کانپ اٹھتا اور اس کے دل میں ایک عجیب سی خواہش پیدا ہوئی کہ وہ بھاگ کر خود کو سماگ کے سامنے ظاہر کر دے اور اسے ساری حقیقت بیان کر دے۔ حقیقت تو یہ تھی وہ اژدھے کی چکنی چپڑی باتوں کے سحر میں گرفتار ہونے کے قریب تھا۔ لیکن اس نے ہمت باندھی اور بولا، ''اے طاقتور سماگ، تم سب کچھ نہیں جانتے، ہم یہاں صرف سونے کی تلاش میں نہیں آئے۔''

سماگ کے قہقہے سے پہاڑ لرزنے لگا، ''ہاہاہا، چلو تم 'ہم' تک تو مان گئے۔ مسٹر خوش قسمت ہندسے کے مالک، کیا یہ اچھا نہ ہوتا کہ تم ایک ہی مرتبہ لگے ہاتھوں 'ہم چودہ' کہہ ڈالتے؟ مجھے خوشی ہوئی کہ اس علاقے میں آنے میں میرے خزانے کے علاوہ تمھارا اور بھی کوئی مقصد تھا۔ اگر ایسی بات ہے تو پھر شاید تمھاری محنت ومشقت مکمل طور پر اکارت نہ جائے۔''

''مجھے معلوم نہیں کہ شاید تم نے اس بات پر کبھی غور بھی کیا یا نہیں کہ اگر تھوڑا تھوڑا کر کے سو ڈیڑھ سو سال میں تم میرا خزانہ چرا بھی لو تو تم اسے بہت دور تک نہیں لے جا پاؤ گے۔ پہاڑوں کی وادیوں میں کیا کرو گے؟ جنگل میں کیا کرو گے؟ اوہ، تم نے کبھی ان مشکلات کے بارے میں نہیں سوچا؟ چودھواں حصّہ یا شاید اس کے قریب قریب، یہی تھا تمھارا معاہدہ اور یہ سب یہاں سے نکالا کیسے جائے گا؟ نقل وحمل کیسے ہوگی؟ محافظوں اور راستے کے محصولات کے بارے میں کیا ہوگا؟'' وہ ایک مرتبہ پھر گرجدار قہقہہ لگا کر ہنسا اور اس کی ہنسی کی گونج ہال کی چھت تک پھیل گئی۔ اس کے دل میں خباثت اور کمینگی کوٹ کوٹ کر بھری تھی اور وہ جانتا تھا کہ اس کے اندازے تقریباً درست ہی تھے۔ اسے شک تھا کہ اس منصوبے کے پیچھے جھیل نگر کے باسیوں کا ہی ہاتھ تھا اور چوری کے مال کا زیادہ تر حصّہ جھیل کنارے اس بستی میں ہی رہ جائے

گا جسے سماگ کی جوانی میں ایسگا روتھ کے نام سے جانا جاتا تھا۔

آپ کو شاید یقین نہ آئے لیکن اب بلبو سماگ کی باتوں سے بہت پریشان ہو رہا تھا۔ ابھی تک تو اس کی تمام تر توجہ اور توانائی صرف پہاڑ تک پہنچنے اور اس کے داخلی راستے کی تلاش پر مرکوز تھیں۔ اس نے کبھی اس بات پر غور ہی نہ کیا تھا کہ اگر واقعی خزانہ مل گیا تو اس کو وہاں سے کیسے منتقل کیا جائے گا اور وہ اپنے حصے میں آنے والے مال و دولت کو یہاں سے بیگ اینڈ، انڈر ہل تک کیسے لے کر جائے گا؟

اب اس کے ذہن میں شک کا کیڑا کلبلانے لگا کہ کیا بونے بھی اس اہم ترین نکتے کو بھول رہے تھے اور کیا وہ شروع سے ہی اپنی داڑھیوں میں منہ چھپائے بلبو پر ہنس رہے تھے؟ ایسے حالات میں ناتجربہ کاروں پر اژدھوں کی چکنی چپڑی باتوں کا یہی اثر ہوتا ہے۔ بلبو کو احتیاط اور ہوشیاری کا مظاہرہ کرنا چاہیے تھا لیکن عیار اور کائیاں سماگ کی شخصیت ہی کچھ ایسی ہیبت ناک تھی کہ بلبو اس کے جال میں پھنس ہی چلا تھا۔

پھر بھی اس نے اپنے دوستوں پر اعتماد اور ان سے کیے اپنے وعدے کو ذہن میں لاتے ہوئے جواب دیا، ''میں کہتا ہوں کہ خزانے کا خیال تو ہمیں بہت بعد میں آیا تھا۔ پہاڑوں کے اوپر سے اور پہاڑوں کے نیچے سے، ہواؤں اور لہروں کے دوش پر ہم یہاں انتقام کی خاطر آئے ہیں۔ اے ناقابلِ بیان حد تک دولت مند سماگ، کیا تمھیں اندازہ نہیں کہ تمھاری شہرت اور بے پناہ دولت کی بنا پر تمھارے دشمن بن بھی سکتے ہیں؟''

سماگ قہقہہ لگا کر ہنسا۔ اس کے قہقہے کی گونج اور گڑگڑاہٹ سے فرش لرزنے لگا اور بلبو لڑکھڑا گیا۔ سرنگ کی دوسری جانب اوپر غار کے باہر بونے خوف کے مارے ایک دوسرے سے چپک گئے اور انھیں یقین ہو گیا کہ بالآخر بلبو اپنے افسوسناک انجام تک پہنچ ہی گیا۔

سماگ کی آنکھ کی سرخ روشنی غار کے فرش اور چھت تک پہنچی اور وہ طنزیہ انداز میں بولا، ''انتقام! انتقام! پہاڑ پاتال سلطنت کا بادشاہ مر چکا ہے۔ اب اس کے کون سے وارث انتقام لینے آن پہنچے ہیں؟ ڈیل کا نواب گیریان مر چکا ہے اور میں اس کے لوگوں کو ایسے کھا چکا ہوں

جیسے بھیڑیا بھیڑ کے میمنوں کو کھاتا ہے۔ اب اس کے کون سے بیٹے ہیں جو میرے سامنے آن پہنچنے کی ہمت کر بیٹھے ہیں؟ میرا جہاں دل کرتا ہے میں وہاں قتل و غارت کرتا ہوں اور کوئی مجھے روک نہیں سکتا۔ میں نے پرانے زمانے کے ایسے جنگجوؤں کو مار ڈالا ہے جن کی آج کے زمانے میں نظیر بھی نہیں ملتی۔ اس وقت میں کمسن تھا اور کمزور تھا۔ اے اندھیروں میں چھپنے والے چور، اب میں بھرپور جوان ہوں اور طاقتور ہوں، طاقتور، طاقتور ترین! میری کھال دس آہنی ڈھالوں سے زیادہ مضبوط ہے۔ میرے دانت تلواروں کی طرح تیز ہیں، میرے پنجے نیزوں کی مانند نوکدار ہیں، میری دم کا ایک چھانٹا بجلی کے کوندے کی طرح ہے، میرے پُرطوفان ہیں اور میری ایک پھنکار تمام دنیا کے لیے موت کا پیغام ہے۔"

بلبو خوف کے انداز میں منمناتے ہوئے بولا، "مجھے تو بتایا گیا تھا کہ اژدھوں کی کھال کے نیچے، خصوصاً چھاتی کے قریب، ایک نرم مقام ہوتا ہے۔ لیکن یقیناً تم جیسے طاقتور اژدھے نے اس کے بارے میں کوئی نہ کوئی تدبیر تو کر رکھی ہوگی۔"

اژدھا خود ستائشی کرتے کرتے یکایک رک گیا اور بھڑک کر بولا، "تمھاری معلومات فرسودہ ہیں! میری کھال کے شانے فولاد کے بنے ہیں اور ان پر ہیرے جواہرات جڑے ہیں۔ دنیا کی کوئی تلوار انھیں کاٹ نہیں سکتی۔"

بلبو بولا، "ہاں، میرا بھی یہی خیال تھا۔ یقیناً سماگ جیسا ناقابلِ شکست اور ناقابلِ تسخیر اژدھا دنیا میں کہیں بھی نہیں پایا جائے گا۔ ہیرے جواہرات کی یہ پوشاک پہننا بھی کیسی ٹھاٹ باٹھ ہے۔"

سماگ اپنی خوشی چھپا نہ سکا، "ہاں یہ واقعی بہت نادر اور شاندار چیز ہے۔" اسے معلوم نہ تھا کہ بلبو اس سے پہلے ہی ایک مرتبہ اس کے پیٹ کا جائزہ لے چکا تھا اور اب کسی اور وجہ سے دوبارہ دیکھنا چاہتا تھا۔ اژدھے نے کروٹ بدلی اور اسے اپنا پیٹ دکھاتے ہوئے بولا، "یہ دیکھو! اب کیا کہتے ہو؟"

بلبو بلند آواز سے بولا، "آنکھوں کو خیرہ کر دینے کی حد تک شاندار! زبردست! بے عیب!

ناقابلِ یقین۔'' لیکن دل ہی دل میں بولا، ''بوڑھا احمق اژدھا! اس کی چھاتی کے بائیں جانب پیٹ پر ایک مقام اتنا نرم ہے جیسے کسی گھونگے کا پیٹ۔''

یہ دیکھنے کے بعد بلبو بیگنز کو یہاں سے نکلنے کا خیال آیا، ''مجھے اب عالی جناب کی خدمت میں مزید نہیں رہنا چاہیے اور آپ کے آرام میں مزید خلل نہیں ہونا چاہیے۔ بھاگے ہوئے ٹٹوؤں کو پکڑنا کوئی آسان کام نہیں ہوتا.....'' جاتے جاتے وہ مڑا اور اس نے طنزیہ لہجے میں کہا، ''اور نہ ہی چوروں کو۔'' اور پھر سرنگ کی جانب بھاگ اٹھا۔

اس آخری فقرے سے اژدھا بھنا اٹھا اور اس کے نتھنوں سے آگ کے شعلے نکلنے لگے۔ بلبو نے سرنگ کی جانب جانے والی چڑھائی پر پوری رفتار سے بھاگنے کی کوشش کی لیکن وہ ابھی اتنی دور نہ پہنچا تھا کہ سماگ کا منہ سرنگ کے سوراخ تک پہنچ گیا۔ خوش قسمتی سے اس کا سر اور جبڑے سوراخ میں داخل نہ ہو پائے لیکن اس کے نتھنوں سے نکلنے والے شعلے اور کھولتی ہوئی بھاپ کے مرغولے بلبو کے عقب میں لپکے۔ اس تپش کے باوجود وہ تکلیف اور خوف کے عالم میں لڑکھڑاتا ہوا بھاگتا چلا گیا۔ ابتدا میں وہ سماگ سے اپنی چالاکی پر خوش تھا لیکن اپنے آخری جملے پر سماگ کے غضبناک ردِعمل نے اس کے ہوش ٹھکانے لگا دیئے تھے۔

وہ سوچنے لگا، ''بے وقوف بلبو، کبھی کسی زندہ اژدھے کا مذاق نہ اڑانا۔'' یہ جملہ بھی بعد میں اس کا تکیہ کلام بن گیا اور ہوتے ہوتے محاورے کی شکل اختیار کر گیا۔ ''ابھی تمھاری یہ مہم اپنی تکمیل سے بہت دور ہے۔'' یہ بات بھی درست تھی۔

دوپہر اب شام میں ڈھلنے لگی تھی جب وہ سرنگ سے باہر نکلا اور دروازے کی دہلیز پر گرتے ہی بے ہوش ہو گیا۔ بونوں نے اسے ہوش میں لانے اور اس کے زخموں کی مرہم پٹی کرنے کی اپنی سی کوشش کی۔ اس کے سر کی پشت اور ایڑیوں کے بال اس واقعے کے بہت عرصے بعد دوبارہ اُگنا شروع ہوئے۔ یہ سب بال کھال میں اپنی جڑوں تک جھلس چکے تھے۔ اس دوران اس کے ساتھیوں نے اس کی ہمت بڑھانے کی کوشش کی۔ وہ سب اس سے اس کی کہانی سننا چاہتے تھے اور خصوصاً یہ جاننا چاہتے تھے کہ اژدھے نے ایک موقع پر اتنی خوفناک

چنگھاڑ کیوں ماری تھی اور بلبو اس سے کیسے بچ نکلنے میں کامیاب ہوا؟

لیکن بلبو ابھی خوفزدہ اور متفکر تھا اور بونوں کو کافی دیر تک اس سے کوئی اطلاعات نہ ملیں۔ اپنی باتوں پر غور کرنے کے بعد وہ اژدھے کو کہی گئی اپنی کچھ باتوں پر پچھتا رہا تھا اور وہ یہ باتیں بونوں کے سامنے دہرانا نہیں چاہتا تھا۔ اس سے کچھ فاصلے پر ایک چٹان پر ایک جنگلی چڑیا اپنا سر ایک جانب جھکائے بیٹھی تھی جیسے ان کی باتیں بغور سن رہی ہو۔ اس وقت بلبو کا مزاج اتنا بگڑ چکا تھا کہ اس نے ایک پتھر اٹھایا اور چڑیا کی جانب پھینکا۔ چڑیا اپنی جگہ سے پھڑ پھڑا کر اڑی اور چند لمحوں بعد وہیں واپس آن بیٹھی۔

بلبو طیش میں بولا، ''لعنت ہو اس چڑیا پر! مجھے یقین ہے کہ یہ ہماری باتیں سن رہی ہے اور مجھے اس پر شک ہو رہا ہے۔''

تھورین بولا، ''چھوڑو اس چڑیا کو! یہ جنگلی چڑیاں بے ضرر اور معصوم ہیں۔ یہ پرندوں کی بہت پرانی نسل سے تعلق رکھتی ہیں اور یہ شاید اپنی نسل کی آخری چڑیوں میں سے ہو۔ یہ شروع سے یہاں رہتی ہیں اور سالوں پہلے میرے باپ دادا کے ہاتھوں سے دانا چگا کرتی تھیں۔ یہ جادوئی چڑیاں بہت طویل عمر پاتی ہیں اور عین ممکن ہے کہ یہ چڑیا بھی انھیں چڑیوں میں سے ہو جو صدیوں سے یہاں رہتی ہیں۔ ڈیل کے باسی ان کی زبان سمجھتے تھے اور انھیں جھیل نگر کے باسیوں تک پیغام رسانی کے لیے استعمال کرتے تھے۔''

بلبو نے جواب دیا، ''اگر یہ خبروں کی تلاش میں ہے تو آج اس کے پاس جھیل نگر لے جانے کے لیے خاصی خبریں ہوں گی۔ اگرچہ میرا خیال ہے کہ اب جھیل نگر میں ایسے لوگ باقی نہ رہے ہوں گے جو چڑیوں سے باتیں کر سکتے ہوں۔''

سب بونے چونک اٹھے، ''کیوں؟ کیا ہوا؟ بس اب فوراً اپنی داستان بیان کرو۔''

بلبو نے انھیں ساری کہانی بیان کی اور اعتراف کیا کہ اسے شک ہے کہ اژدھے نے اس کی پہیلیوں سے ان کے خیموں اور خچروں کے بارے میں بہت کچھ سمجھ لیا ہوگا۔ ''مجھے یقین ہے کہ وہ جان گیا ہوگا کہ ہم جھیل نگر سے آئے ہیں اور یہ بھی کہ جھیل نگر کے باسیوں نے ہماری مدد

کی ہے اور اب مجھے خدشہ ہے کہ اس کا اگلا نشانہ جھیل نگر ہی ہوگا۔ اب مجھے افسوس ہے کہ میں نے کنستروں کی سواری کے بارے میں کیوں کہا۔ اس علاقے میں تو اس بات سے کوئی اندھا خرگوش بھی بآسانی جھیل نگر سے بارے میں سمجھ جائے گا۔"

بالین نے بلبو کو تسلی دینے کی خاطر کہا، "خیر اب کچھ نہیں ہوسکتا اور میں نے سن رکھا ہے کہ اژدھے اپنی چکنی چپڑی باتوں سے لوگوں سے راز کی باتیں اگلوا ہی لیتے ہیں۔ مجھ سے پوچھو تو تم نے بہت اچھا کیا، تم نے نہ صرف ایک بہت اہم راز جان لیا بلکہ اپنی جان بچا کر باہر بھی نکل آئے ہو۔ سماگ جیسے اژدھے سے باتیں کرنے والے بہت لوگ ایسا نہیں کر پائے۔ یہ ہمارے لیے انتہائی خوش قسمتی اور نیک شگون ہے کہ ہم اس بڈھے چھپکلے کے ہیروں سے جڑے پیٹ کے نیچے نرم حصے کے بارے میں جان گئے۔"

اب گفتگو کا موضوع تبدیل ہو گیا اور وہ سب اژدھوں کو مارنے کے بارے میں پرانی، سچی جھوٹی افسانوی داستانیں سنانے لگے۔ وہ ایک دوسرے کو اژدھوں کو مارنے کے لیے استعمال کیے جانے والے مختلف وار، ضربیں، پینترے، چالیں اور طریقے بیان کرنے لگے جن سے پرانے زمانے میں اژدھوں کو جہنم واصل کیا جاتا تھا۔ اس بات پر سب متفق تھے کہ سوتے ہوئے اژدھے کو پکڑنا اتنا آسان نہ تھا جتنا لگتا تھا اور سوتے میں اس کے پیٹ اور سینے میں نیزہ یا تلوار گھونپ دینے کی کوشش میں ناکامی کا اتنا ہی امکان تھا جتنا کھلے عام سامنے سے حملہ کرنے میں تھا۔ وہ جتنی دیر باتیں کرتے رہے جنگلی چڑیا سنتی رہی اور پھر جب ستارے آسمان پر جگمگانے لگے تو اس نے اپنے پَر پھیلائے اور خاموشی سے ایک جانب اڑ گئی۔ وہ جتنی دیر باتیں کرتے رہے اور سائے طویل ہوتے رہے بلبو کے دل میں خوف بڑھتا گیا اور اس کے اندیشے گہرے ہوتے گئے۔

پھر اس نے ان کی گفتگو کا سلسلہ توڑا اور کہنے لگا، "مجھے یقین ہے کہ ہم یہاں خطرے میں ہیں اور مجھے یہاں بیٹھے رہنے کا کوئی فائدہ دکھائی نہیں دیتا۔ اژدھے نے یہاں کا سارا سبزہ جلا کر راکھ کر دیا ہے اور ویسے بھی یہاں رات میں سردی بڑھ رہی ہے۔ مجھے اس بات کا شدید

احساس ہے کہ وہ یہاں لازماً دوبارہ حملہ کرے گا۔ سماگ کو اب معلوم ہو گیا ہے کہ میں اس کی کچھار تک کیسے پہنچا اور یقیناً اسے یہ بھی معلوم ہو گا کہ اس سرنگ کا دوسرا سرا کہاں ختم ہوتا ہے۔ اگر اس کا بس چلا اور اس بات کی ضرورت محسوس کی تو ہمارے داخلے کو ناممکن بنانے کے لیے وہ اس جانب سے پورا پہاڑ ہی اکھاڑ گرائے گا اور اگر اس عمل کے دوران ہم بھی پہاڑ کے نیچے دب جائیں تو اسے کچھ اعتراض نہ ہو گا۔''

تھورین بولا، ''مسٹر بیگنز، تم خاصے پریشان دکھائی دیتے ہو۔ اگر سماگ ہمیں اس غار سے باہر رکھنے پر اتنا ہی مصر ہے تو اس نے ابھی تک نچلا داخلی راستہ کیوں نہ تباہ کیا؟ اس نے وہ راستہ تباہ نہیں کیا ورنہ ہمیں اس کی آواز سنائی دیتی۔''

''مجھے معلوم نہیں، مجھے معلوم نہیں۔ مجھے لگتا ہے کہ ابتدا میں وہ چاہتا تھا کہ میں دوبارہ اندر آ جاؤں۔ اب شاید وہ آج رات کے شکار کے بعد انتظار کر رہا ہے اور شاید وہ پہاڑ تباہ کر کے اپنے غار کو نقصان نہیں پہنچانا چاہتا۔ میری تو بس ایک ہی خواہش ہے کہ ہم سب یہ بحث ختم کریں۔ سماگ اب کسی بھی لمحے باہر آتا ہی ہو گا اور ہمارے بچاؤ کا واحد راستہ اس سرنگ میں دور تک گھس بیٹھ کر دروازہ بند کر دینے میں ہے۔''

بلبو کے لہجے کی تشویش نے بالآخر بونوں کو سرنگ میں داخل ہونے پر قائل کر ہی دیا۔ تاہم دروازہ بند کرتے ہوئے وہ ایک مرتبہ پھر قدرے معترض ہوئے۔ یہ منصوبہ قدرے مایوس کن تھا کیونکہ کوئی نہیں جانتا تھا کہ اس دروازے کو اندر سے کھولا بھی جا سکتا ہے یا نہیں اور سب اس بات پر پریشان تھے کہ اس صورت میں باہر نکلنے کا واحد راستہ اژدھے کی کچھار سے ہو کر جاتا تھا اور یوں بھی سرنگ کے باہر اور اندر دونوں جانب چہار سُو سکوت طاری ہو چکا تھا۔ اسی لیے وہ بہت دیر تک سرنگ کے اندر ادھ کھلے دروازے کے قریب ہی بیٹھے سرگوشیوں میں باتیں کرتے رہے۔

اب وہ بونوں کے بارے میں اژدھے کے خیالات کی باتیں کرنے لگے۔ بلبو سوچنے لگا کہ کاش اس نے اژدھے کی یہ باتیں نہ سنی ہوتیں۔ جب بونوں نے بلبو کو بتایا کہ حقیقت میں

انھوں نے اس بات پر غور ہی نہ کیا تھا کہ اگر خزانہ ان کے ہاتھ لگ گیا تو پھر کیا کیا جائے گا تو بلبو کی ایک ہی خواہش تھی کہ کاش اسے بونوں کی اس بات کی سچائی پر کامل یقین آجائے۔

لیکن تھورین بول اٹھا، ''ہم سب کو علم تھا کہ یہ مہم انتہائی خطرناک مہم ہوگی اور یہ بات اب بھی سب جانتے ہیں۔ میں اب بھی مانتا ہوں کہ اگر ہم کامیاب ہو گئے تو ہمارے پاس خزانے کے بارے میں سوچنے کا کافی وقت ہوگا اور جہاں تک تمھارے حصے کا تعلق ہے میں تمھیں یقین دلاتا ہوں کہ ہم تمھارے انتہائی شکرگزار ہیں اور جیسے ہی ہمارے پاس تقسیم کرنے کو کچھ ہوا تو تمھیں تمھاری اپنی مرضی کے مطابق چودھواں حصّہ ملے گا۔ مجھے افسوس ہے کہ تم نقل وحمل کے بارے میں فکرمند ہو اور میں مانتا ہوں کہ اس معاملے میں کافی مشکلات درپیش ہوں گی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ علاقہ پہلے سے کہیں زیادہ پُرامن نہیں ہوا بلکہ اس کے برعکس کہیں زیادہ غیر محفوظ ہو چکا ہے۔ لیکن ہم تمھارا ہاتھ بٹائیں گے اور اس پر جو بھی لاگت آئی وہ ہم اپنے حصوں سے ادا کریں گے۔ اب میری بات پر یقین کرو یا نہ کرو، تمھاری مرضی۔''

یہاں سے بات چیت کا موضوع خزانے کی جانب مڑ گیا اور تھورین اور بالین وہ باتیں بتانے لگے جو انھیں یاد تھیں۔ وہ یاد کرنے لگے کہ شاید مرحوم عظیم بادشاہ بلاڈورتھین کی فوجوں کے لیے ڈھالے گئے نیزے ابھی تک خزانے میں پڑے ہوں جن کے پھل تین تین مرتبہ ڈھالے گئے تھے اور جن کے دستوں پر چابک دستی سے سونے کا کام کیا گیا تھا، عرصہ ہوا مر کھپ جانے والے جنگجوؤں کی ڈھالیں، تھرور کا دو دستوں والا شاہی پیالہ جس پر پرندوں اور پھولوں کی تصویریں کندہ کی گئی تھیں اور جن کی آنکھوں اور پتیوں کی جگہ موتی اور جواہرات جڑے تھے، چاندی کے پانی والی زرّہ بکتریں، ڈیل کے نواب گیریاں کا گھاس کے رنگ کے پانچ سو زمرد جڑا نیکلس جو اس نے اپنے بیٹے کی زرّہ بکتر بنوانے کے معاوضے کے طور پر بونوں کو دیا تھا۔ اس جیسی زرّہ بکتر پہلے کبھی نہ بنائی گئی تھی کیونکہ یہ خالص چاندی سے بنی تھی اور فولاد کی تین تہوں سے بھی زیادہ مضبوط تھی۔ لیکن ان سب سے زیادہ قیمتی اور بے مثال وہ سفید ہیرا تھا جو بونوں کو پہاڑ کی بنیادوں میں پہاڑ کے دل کے اندر سے ملا تھا، اور جو قصوں داستانوں میں

''تھرین کے آرکن سٹون'' کے نام سے جانا جاتا تھا۔

اپنے گھٹنوں پر اپنی ٹھوڑی ٹکائے تھورین اندھیرے میں ہولے ہولے خوابیدگی میں بولتا چلا گیا، ''آرکن سٹون! آرکن سٹون! اس کے ایک ہزار رُخ تھے اور جب اس پر روشنی پڑتی تھی تو وہ یوں چمکتا تھا جیسے آگ کی روشنی میں چاندی، جیسے سورج کی دھوپ میں پانی، جیسے ستاروں کی روشنی میں برف، جیسے چاند کی چاندنی میں بارش۔''

لیکن بلبو کے دماغ سے خزانے کی تمنا کہیں دور نکل چکی تھی۔ ان کی گفتگو کے دوران وہ بے توجہی کے عالم میں بیٹھا رہا۔ وہ دروازے کے قریب بیٹھا تھا اور اس کا ایک کان باہر سے آنے والی کسی آواز کے انتظار میں تھا اور دوسرا کان بونوں کی سرگوشیوں کے پار غار کے اندر سے پیدا ہونے والی کسی آواز کا متلاشی تھا۔

جیسے جیسے تاریکی بڑھتی گئی بلبو کی پریشانی بھی بڑھتی گئی۔ پھر وہ التجا کے انداز میں بول اٹھا، ''دروازہ بند کردو! اس اژدھے کا خوف میری ہڈیوں کے اندر تک اترتا جارہا ہے۔ مجھے کل رات کی دھاڑ چنگھاڑ سے آج کا یہ سناٹا کہیں زیادہ خوفناک محسوس ہورہا ہے۔ دروازہ بند کردو اس سے پیشتر کہ بہت دیر ہوجائے۔''

بلبو کی آواز میں کچھ تھا کہ بونے بھی پریشان ہوگئے۔ آہستہ آہستہ تھورین اپنے خوابوں سے باہر آیا۔ اس نے اٹھ کر اس پتھر کو ٹھوکر ماری جس سے انھوں نے دروازہ کھول رکھا تھا۔ پھر سب نے مل کر دروازے کو دھکیلا تو وہ ایک بھاری آواز کے ساتھ بند ہوگیا۔ اندر کی جانب کسی چابی یا قفل لگانے کی جگہ نہ تھی۔ اب وہ پہاڑ کے اندر بند ہوچکے تھے۔

اور وہ بھی عین وقت پر.... ابھی وہ سرنگ میں اندر کی جانب چند قدم ہی چلے گئے تھے کہ باہر سے ایک کان پھاڑ دینے والے دھماکے کی آواز سنائی دی جیسے کسی دیونے شاہ بلوط کے سیکڑوں درختوں سے بنے دھرمٹ سے پہاڑ کے پہلو پر ضرب لگائی ہو۔ چٹانیں لرز گئیں، دیواریں چیخ اٹھیں اور سرنگ کی چھت سے کنکریاں ان کے سروں پر برسنے لگیں۔ میں تصور بھی نہیں کرسکتا کہ اگر دروازہ کھلا ہوتا تو ان پر کیا بیت جاتی۔ وہ اپنی جان بچانے سرنگ میں

سرپٹ بھاگتے گئے اور انھیں باہر سماگ کے غیظ وغضب کی چنگھاڑیں اور گڑگڑاہٹیں سنائی دیں۔ وہ بڑی بڑی چٹانوں کو باریک کنکریوں میں پیس رہا تھا۔ اپنی دیوہیکل دُم کی متواتر ضربوں سے اس نے محراب اور دروازے کے سامنے کی جگہ تباہ و برباد کر ڈالی حتیٰ کہ ان کے پڑاؤ کی جگہ، جھلسی ہوئی گھاس کا ٹکڑا، جنگلی چڑیا کی چٹان، کیچوؤں سے بھری دیواریں، تنگ چھجا، سب کچھ ہی مٹی اور پتھروں کے ڈھیر میں بدل گیا اور باریک پتھروں کا ایک سیلاب پہاڑ کے پہلو سے نیچے وادی کی جانب گرتا چلا گیا۔

سماگ اپنی کچھار سے خاموشی سے نکلا تھا اور چپکے سے آسمان کی بلندیوں میں پرواز کر گیا تھا۔ پھر وہ ایک دیوقامت کوے کی طرح پہاڑ کی مغربی جانب اس راستے پر نگاہ رکھے جہاں سے چور اندر آیا تھا وہ تاریکی میں اڑتا رہا تاکہ اسے کچھ بھی یا کوئی بھی دکھائی دے جائے۔ جب اسے کچھ بھی اور کوئی بھی دکھائی نہ دیا تو اس نے طیش میں آ کر پہاڑ کے اس پہلو کو تباہ و برباد کر دیا کیونکہ اسے اندازہ تھا کہ سرنگ کا دہانہ یہیں کہیں تھا۔

جب یہ سب کچھ برباد کرنے کے بعد اس کا غصہ اترا ہوا تو اس نے سوچا کہ اب کم از کم اس جانب سے کسی دراندازی کا خدشہ نہ ہوگا۔ فضا کی بلندیوں میں اڑتے ہوئے اس نے ”کنستروں کے شہسوار“ سے انتقام لینے کی ٹھانی اور خود سے کہنے لگا، ”تمھارے قدم پانی کی جانب سے ہی آئے ہیں اور تم یہاں دریا کے راستے ہی پہنچے ہو۔ مجھے تمھاری خوشبو کی پہچان تو نہیں ہے لیکن اگر تم جھیل نگر کے باسیوں میں نہیں ہو تو بھی تمھیں ان کی مدد ضرور حاصل رہی ہے۔ اب وہ میرا انتقام دیکھیں گے اور ان کی آیندہ نسلیں یاد رکھیں گی کہ پہاڑ پاتال کا اصل بادشاہ کون ہے۔“

وہ آگ کے ایک قیامت خیز شعلے کی صورت میں چنگھاڑتا ہوا میں فضا میں بلند ہوا اور دریائے رواں سے ہوتا ہوا جھیل نگر کی جانب پرواز کر گیا۔

تیرہواں باب

خالی کچھار

اس دوران بونے اندھیرے میں خاموش دبکے بیٹھے تھے۔ انھوں نے بہت کم کھایا اور بہت کم بولے۔ انھیں وقت گزرنے کا بھی احساس نہ تھا اور وہ ہلے جلے بنا ایک ہی جگہ پر بیٹھے رہے کیونکہ ان کی حرکتوں اور سرگوشیوں کی آوازیں بھی سرنگ میں گونجتی تھیں۔ جب انھیں اونگھ آجاتی تو بیدار ہونے پر ان کا سامنا اسی تاریکی اور خاموشی سے ہوتا۔ بالآخر جب انھیں یوں لگا جیسے کئی دن گزر گئے ہوں تو گھٹن سے ان کا سانس بند ہونے لگا اور ان کی ہمت جواب دینے لگی۔ اب حالت ایسی ہوگئی کہ کانوں کے پردے پھاڑ دینے والے اس سناٹے میں وہ اژدھے کی واپسی کی آواز سننے کے لیے بھی تیار تھے۔ اس خاموشی میں وہ اژدھے کی کسی نئی شیطانی چال کے منتظر تھے لیکن وہ کب تک تاریکی اور سناٹے میں یہاں بیٹھے رہ سکتے تھے۔

تھورین بول اٹھا، ''ہمیں دروازہ کھولنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ اگر جلد ہی میرے چہرے پر تازہ ہوا کا جھونکا نہ لگا تو میں مرجاؤں گا۔ یہاں گھٹن سے مرجانے سے کہیں زیادہ مجھے کھلی فضا میں سماگ کے ہاتھوں کچلا جانا قبول ہے۔'' چند بونے اٹھے اور اپنا راستہ ٹٹولتے ہوئے وہاں پہنچے جہاں دروازہ تھا۔ لیکن سرنگ کا اوپری حصّہ ٹوٹ چکا تھا اور گرے ہوئے

بھاری پتھروں نے راستہ بند کر دیا تھا۔اب کوئی طلسماتی چابی یا جادو کا منتر بھی اس دروازے کو کھول نہ سکتا تھا۔

وہ مایوسی میں بلبلا اٹھے،''ہم پھنس چکے ہیں!اب معاملہ ختم ہوا۔ہم سب یہیں مر جائیں گے۔''لیکن عین اس وقت جب بونے مایوسی کا شکار ہو چکے تھے تو بلبو کو اپنے دل میں عجیب سا سکون محسوس ہوا جیسے اس کے کاندھوں پر سے کوئی بھاری بوجھ اٹھا لیا گیا ہو۔

وہ بولا،''رہنے بھی دو! میرا والد کہا کرتا تھا''امید زندگی کے ساتھ جڑی ہے۔''اور''کامیابی کوشش کی تیسری سیڑھی پر ہوتی ہے۔''میں ایک مرتبہ پھر سرنگ کے راستے نیچے جاتا ہوں۔ میں پہلے بھی دو مرتبہ وہاں جا چکا ہوں جب مجھے یقین تھا کہ وہاں اژدھا موجود ہے۔ اب میں تیسری مرتبہ وہاں جانے پر تیار ہوں جب مجھے اس کی موجودگی کا پورا یقین نہیں ہے۔ بہر حال نیچے جانے کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں اور میرا خیال ہے کہ اب وقت آ چکا ہے کہ تم سب کو بھی میرے ساتھ آنا چاہیے۔''

مایوسی کے عالم میں وہ فوراً رضامند ہو گئے اور تھورین تو سب سے پہلے بلبو کے ساتھ جا کھڑا ہوا۔ بلبو سرگوشی میں بولا،''لیکن سب کو انتہائی محتاط رہنا ہو گا اور انتہائی خاموشی سے چلنا ہو گا۔ ممکن ہے سماگ نیچے نہ ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ موجود ہو۔ ہمیں کوئی غیر ضروری خطرہ مول نہیں لینا چاہیے۔''

اور پھر وہ نیچے اور مزید نیچے اترتے گئے۔ دبے پاؤں بے آواز چلنے میں بونے بلبو کا مقابلہ نہ کر سکتے تھے اس لیے ان کے بھاری قدموں کی چاپ اور پھولتے سانسوں کی آواز سرنگ میں گونج رہی تھی۔ بلبو اگرچہ ہر چند لمحوں بعد رک جاتا اور کان لگا کر غور سے سننے کی کوشش کرتا لیکن ابھی تک نیچے سے کوئی آواز نہ آئی۔ جب اسے اندازہ ہوا کہ وہ سرنگ کے آخر تک پہنچ گئے ہیں تو بلبو باقیوں سے آگے نکل گیا اور اپنی انگوٹھی پہن لی۔ لیکن اسے انگوٹھی کی ضرورت نہ تھی۔ تاریکی اتنی مکمل تھی انگوٹھی پہنے یا نہ پہنے وہ سب ایک دوسرے کی نگاہوں سے اوجھل تھے۔ درحقیقت اتنا اندھیرا تھا کہ جب بلبو سوراخ کے قریب پہنچا تو اسے اندازہ ہی نہ ہو

سکا اور اس کا ہاتھ ہوا میں لہرا گیا اور وہ لڑھکتا ہوا ہال میں جا گرا۔

وہ دیر تک ہال میں اوندھے منہ زمین پر ساکت پڑا رہا، اس میں اٹھ کھڑا ہونے یا سانس کھینچنے کی بھی ہمت نہ تھی، لیکن کچھ نہ ہوا۔ کہیں سے روشنی کی شعاع نمودار نہ ہوئی۔ لیکن جب اس نے اپنا سر اٹھایا تو اسے یوں لگا جیسے دور کہیں اس کے اوپر اسے زردی مائل سفید دھیمی دھیمی روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ یقیناً یہ اژدھے کی آگ کی روشنی نہ تھی حالانکہ یہاں اژدھے کی سرانڈ ناک میں گھسی جاتی تھی اور اسے اپنی زبان کی نوک پر اس کی بھاپ کی کڑواہٹ بھی محسوس ہو رہی تھی۔

پھر بلبو سے مزید برداشت نہ ہوا اور وہ اونچی آواز میں چلا اٹھا، ''لعنت ہو تم پر سماگ، چھپکلی کی اولاد! آنکھ مچولی کھیلنا بند کرو! اگر تم مجھے پکڑ سکتے ہو تو سامنے آؤ اور کھا جاؤ مجھے۔'' اس کی آواز کی گونج تاریک ہال میں پھیلتی گئی لیکن اسے کوئی جواب نہ ملا۔ بلبو اٹھ کھڑا ہوا لیکن اسے کچھ اندازہ نہ تھا کہ اسے کس سمت میں مڑنا ہے۔

وہ بولا، ''خدا جانے اب سماگ کیا کھیل کھیل رہا ہے؟ لگتا تو ایسے ہی ہے کہ وہ آج کے دن (یا آج کی رات جو بھی وقت ہو) یہاں نہیں ہے۔ اگر اوئین اور گلوئین نے اپنے چقماق کے پتھر کھو نہیں دیئے تو ہمیں اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آگ روشن کرنی چاہیے اور اردگرد کا جائزہ لینا چاہیے۔'' پھر وہ قدرے بلند آواز سے بولا، ''روشنی! کیا کوئی روشنی جلا سکتا ہے؟''

دوسری جانب بونوں کی پریشانی کی انتہا ہو گئی جب ہال میں داخل ہوتے ہوئے بلبو لڑھک کر منہ کے بل گر پڑا۔ اس لیے وہ سب سرنگ کے اختتام پر وہیں دبک کر دم سادھے بیٹھے رہے۔ جب انھیں بلبو کی آواز بھی سنائی دی تو وہ ایک دوسرے کو ''شش .... شش'' کہتے ہوئے چپکے بیٹھے رہے۔ اگرچہ ان کی آوازوں سے بلبو کو یہ تو معلوم ہو گیا کہ وہ کہاں بیٹھے ہیں لیکن اس کے علاوہ انھوں نے ایک لفظ بھی نہ نکالا۔ لیکن پھر آخر میں جب بلبو نے زمین پر پیر پٹختے ہوئے چلا کر کہا، ''روشنی۔'' تو تھورین سے رہا نہ گیا اور اس نے اوئین اور گلوئین کو سرنگ

میں واپس روانہ کیا کہ وہ وہاں سے اپنے تھیلے اٹھالائیں۔

تھوڑی دیر بعد انھیں سرنگ میں ایک مدھم روشنی اپنی جانب بڑھتی دکھائی دی۔ اوئین اپنے ہاتھ میں صنوبر کے سوکھے پھل کو آگ لگائے لا رہا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ گلوئین اپنی بغل کے نیچے کچھ اور پھل دابے آ رہا تھا۔ بلبو لپک کر سوراخ کے قریب گیا اور اس سے مشعل نما جلتا ہوا پھل لے لیا۔ لیکن باقی بونے صنوبر کے دوسرے پھلوں کو آگ لگا کر روشن کرنے یا بلبو کے ساتھ چلنے پر قطعاً تیار نہ تھے۔ تھورین نے احتیاطاً بلبو کو سمجھانے کی کوشش کی کہ معاہدے کی رو سے بلبو ابھی تک ان کی مہم کا متعین کردہ ماہر چور اور کھوجی ہے۔ اگر وہ کوئی خطرہ مول لینا چاہتا ہے تو یہ اس کا اپنا فیصلہ ہے۔ بونے اسی سرنگ میں اس کا انتظار کریں گے۔ یوں وہ سب دروازے کے قریب ہی بیٹھ گئے۔

ان کی آنکھوں کے سامنے بلبو اپنے ہاتھ میں مشعل اٹھائے ہال کے فرش پر آگے بڑھنے لگا۔ جب تک وہ ان کے قریب تھا ہر تھوڑی دیر بعد جب اس کا پاؤں سونے کی کسی چیز سے ٹکراتا تو انھیں کھنکھناہٹ اور ایک لشکارہ سا دکھائی دیتا۔ جیسے جیسے وہ وسیع و عریض ہال میں بڑھتا گیا اس کے ہاتھ میں اٹھائی ہوئی روشنی معدوم ہوتی گئی اور پھر یہ روشنی ناچتی ہوئی اوپر کو چڑھنے لگی۔ بلبو اب سونے چاندی کی پہاڑی پر چڑھ رہا تھا۔ وہ اوپر چوٹی پر پہنچا اور ادھر ادھر چلنے لگا۔ پھر انھیں بلبو ایک لمحے کے لیے رکتے اور پھر جھکتے دکھائی دیا لیکن انھیں اس کے رکنے اور جھکنے کی وجہ معلوم نہ تھی۔

اس کی وجہ تھی، پہاڑ کا دل!.... آرکن سٹون! بلبو کو تھورین کی باتوں سے اندازہ ہوا کہ یہ وہی ہیرا تھا۔ لیکن ویسے بھی اس عظیم الشان خزانے میں یا ساری دنیا میں ایسا بے نظیر پتھر ایک ہی تھا۔ خزانے کی پہاڑی پر چڑھتے ہوئے اسے وہی سفید روشنی اپنے سامنے چمکتی دکھائی دے رہی تھی اور اس کے قدم خود بخود اس کی جانب بڑھتے گئے۔ ہولے ہولے یہ پھیکی روشنی ایک گول دائرے میں بدلتی گئی۔ جیسے ہی وہ قریب پہنچا اس نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں پکڑی مشعل کی کرنوں سے گولے کی سطح پر لاتعداد رنگ برنگی جھلملاتی لشکارے مارتی روشنیاں ناچنے

لگی ہیں۔ پھر اس نے ایک اور قدم اٹھایا تو اس کی سانس رک گئی۔ یہ ہیرا اس کے قدموں میں پڑا اپنی ہی روشنی سے جگمگا رہا تھا۔ نجانے کب بونوں نے اسے پہاڑ کی جڑوں سے نکال کر اس کی ایسی حیرت انگیز تراش خراش کی کہ اس پر پڑنے والی روشنی کی ہر کرن دس ہزار منعکس سفید کرنوں میں بدل جاتی جس میں قوسِ قزح کے رنگ بھی شامل ہوتے۔

ہیرے کے سحر میں گرفتار یکا یک بلبو کا ہاتھ اس کی جانب بڑھا۔ اس کے ہاتھ اس ہیرے کو پوری طرح گرفت میں نہ لے سکتے تھے کیونکہ وہ بھاری اور گولائی میں بہت بڑا تھا۔ لیکن اس نے پھر بھی اسے اٹھالیا اور آنکھیں بند کرتے ہوئے اسے اپنی جیب میں ڈال لیا۔ اس نے سوچا، ''اب میں مکمل چور بن چکا ہوں۔ لیکن مجھے اس پتھر کے بارے میں کسی مناسب وقت پر بونوں کو بتانا پڑے گا۔ انھوں نے ہی تو کہا تھا کہ میں اپنا حصّہ اپنی مرضی سے منتخب کر سکتا ہوں۔ میں یہی ہیرا چنوں گا چاہے مجھے باقی سب کچھ چھوڑنا ہی کیوں نہ پڑے۔''

پھر وہ آگے بڑھ گیا۔ اب وہ سونے چاندی اور جواہرات کی پہاڑی کے دوسرے جانب اترنے لگا۔ اس کے ہاتھ میں تھامی روشنی بونوں کی نگاہ سے اوجھل ہوگئی۔ لیکن جلد ہی انھیں روشنی دوبارہ دور فاصلے پر دکھائی دی۔ اب بلبو ہال کی دوسری جانب پہنچ چکا تھا۔

اب وہ دوسرے کنارے پر آسمان سے باتیں کرتے ہوئے دروازوں کے قریب پہنچ چکا تھا اور یہاں اسے تازہ ہوا کے جھونکے کا احساس ہوا جس سے اس کی روشنی ٹمٹمانے لگی۔ اس نے احتیاط سے دروازے کی دوسری جانب جھانکا تو اسے دھندلکے میں طویل راہداریاں اور سیڑھیاں دکھائی دیں جو اوپر چڑھتے چڑھتے اندھیرے میں غائب ہو رہی تھیں۔ ابھی تک سماگ کی کوئی نشانی اور آواز سنائی نہ دی تھی۔ وہ واپس لوٹنے کے لیے مڑا ہی تھا کہ یکا یک ایک سیاہ چیز اڑتی ہوئی اس کے چہرے کو چھوتی ہوئی گزری۔ بلبو چیخ مارتے ہوئے پیچھے کو ہٹا اور لڑکھڑا کر نیچے گر پڑا۔ اس کی مشعل نیچے گری اور بجھ گئی۔

بلبو جھلا کر بولا، ''اف، یہ تو چمگادڑ تھی۔ لیکن اب کیا کروں؟ اب کیسے معلوم ہوگا کہ مشرق، مغرب، شمال یا جنوب کس جانب ہے؟''

وہ پوری قوت سے چلایا، ''تھورین، بالین، اوئین، گلوئین، فیلی، کیلی۔'' چاروں جانب پھیلی تاریکی میں اس کی آواز باریک اور کمزور تھی۔ ''میری مشعل بجھ گئی ہے۔ کوئی روشنی لے کر آئے، مجھے تلاش کرے اور میری مدد کرے۔'' ایک مرتبہ پھر اس کی ہمت جواب دینے لگی تھی۔

بونوں کو دور فاصلے پر اس کی مدھم سی آواز سنائی دی لیکن اس کی چیخوں میں انھیں صرف ''مدد'' کا لفظ ہی صاف سنائی دیا تھا۔ تھورین بولا، ''اب نجانے کیا ہو گیا؟ یقیناً یہ اژدھا تو نہ ہوگا کیونکہ اگر اس کی مڈبھیڑ اژدھے سے ہو گئی ہوتی تو وہ یوں اتنی دیر تک چیخیں نہ مارتا۔'' وہ چند لمحے کان لگا کر سنتے رہے لیکن انھیں کہیں سے بھی بلبو کی دھیمی چیخوں کے سوا اژدھے کی آواز سنائی نہ دی۔ تھورین نے حکم دیا، ''چلو ایک دو مشعلیں تیار کرو۔ ہمیں اپنے چور کی مدد کو پہنچنا ہوگا۔''

بالین بولا، ''ہاں، اب وقت آ گیا ہے کہ ہم اس کی مدد کریں۔ میں جانے کو تیار ہوں۔ میرا خیال ہے کہ اس وقت کوئی خطرہ نہ ہوگا۔''

گلوئین نے مزید چند مشعلیں روشن کیں اور وہ سب یکے بعد دیگرے رینگتے ہوئے باہر نکلے۔ کافی دیر بعد ان کا سامنا بلبو سے ہو گیا جو اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتا واپس لوٹ رہا تھا۔ جیسے ہی اس کی نگاہ بونوں کے ہاتھ میں تھامی ہوئی روشنی پر پڑی تو اس کے ہوش و حواس بحال ہوئے۔

ان کے سوالات کے جواب میں اس نے بس یہی کہا، ''کچھ نہیں ہوا! ایک چمگادڑ تھی جس کی وجہ سے میری مشعل گر گئی تھی۔'' اگرچہ ان کی تسلی تو ہو گئی لیکن دل ہی دل میں وہ اتنی چھوٹی سی بات پر بلبو کے یوں خوفزدہ ہونے پر قدرے زِچ ہوئے۔ اگر اس وقت بلبو انھیں آرکن سٹون کے بارے میں بتا دیتا تو نجانے ان کا ردِعمل کیا ہوتا۔ یہاں تک پہنچتے ہوئے ان کی اچٹتی ہوئی نگاہیں آسمان سے باتیں کرتے ہوئے خزانے کے ڈھیروں پر پڑیں تو ان کے دل میں ایک نیا جوش و ولولہ موجزن ہونے لگا اور جب کسی بونے کے دل میں سونے اور ہیرے جواہرات کا جوش و ولولہ پیدا ہو جائے، چاہے وہ کتنا ہی معزز اور سنجیدہ ہی کیوں نہ ہو، تو وہ یکا یک نڈر اور جری حتیٰ کہ خونخوار ہو جاتا ہے۔

اب بونوں کو کسی ترغیب کی ضرورت نہ تھی۔ یہ جانتے ہوئے کہ سماگ کم از کم اس وقت تو اپنی کچھار میں نہ تھا، وہ سب اس ہال کا مکمل طور پر جائزہ لینے پر تیار تھے۔ اب ہر ایک ہاتھ میں مشعل تھامے کبھی ایک جانب دیکھتا اور کبھی دوسری جانب نگاہ دوڑاتا۔ ان کے دلوں سے خوف اور احتیاط غائب ہو چکے تھے۔ وہ اونچی آواز میں ایک دوسرے سے باتیں کرنے لگے اور ڈھیروں یا دیواروں سے بیش قیمت نوادرات اٹھا کر روشنی میں دیکھنے اور سہلانے لگے۔

فیلی اور کیلی تو خوشی سے بے حال ہو رہے تھے، انھیں سونے اور چاندی کے بنے لاتعداد بربط دکھائی دیئے۔ وہ بربط اٹھا کر ان کی تاروں پر موسیقی کی تانیں چھیڑنے لگے۔ یہ بربط چونکہ طلسماتی تھے اور سماگ کو موسیقی سے کوئی دلچسپی نہ تھی اور اس نے انھیں چھیڑا تک نہ تھا، اس لیے وہ ابھی تک درست تال میں تھے۔ وسیع و عریض تاریک ہال میں موسیقی کی تانیں پھیل گئیں جو سالوں سے سناٹے کے شکار تھے۔ لیکن زیادہ تر بونے ان سے کہیں زیادہ عملیت پسند تھے اور اپنی جیبوں میں ہیرے جواہرات ٹھونس رہے تھے اور جو چیز اٹھا نہ سکتے تھے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے واپس ڈھیر پر پھینک دیتے۔ اگرچہ تھورین بھی ان میں شامل تھا لیکن اس کی نگاہیں کسی اور چیز کی متلاشی تھیں جو اسے ابھی تک نہ ملی تھی۔ وہ آرکن سٹون کو تلاش کر رہا تھا لیکن اس نے ابھی تک کسی سے اس کا ذکر نہ کیا۔

اب بونے دیواروں سے ہتھیار اور زرّہ بکتریں اتارنے لگے اور خود کو لیس کرنے لگے۔ تھورین واقعی شہزادہ دکھائی دینے لگا تھا۔ اس نے سونے کے پانی سے مزین زرّہ بکتر پہن رکھی تھی اور کمر کے گرد سرخ جواہرات سے جڑی پیٹی میں چاندی کے دستے والا ایک کلہاڑا اڑس رکھا تھا۔

پھر وہ بلبو کی جانب مڑا اور کہنے لگا، ''مسٹر بیگنز! یہ رہی تمھارے انعام کی پہلی قسط.... اپنا کوٹ اتارو اور یہ پہنو۔''

یہ کہہ کر اس نے بلبو کو باریک اور نازک لیکن انتہائی مضبوط تاروں سے بنی ایک زرّہ بکتر پہنائی جو کسی زمانے میں کسی پری زاد شہزادے کے لیے تیار کی گئی تھی۔ یہ پگھلی ہوئی چاندی اور

فولاد کے مرکب سے بنائی گئی تھی جسے پری زاد ''متھریل'' کہتے تھے اور اس کے ساتھ موتیوں اور بلور کا کمر بند تھا۔ پھر اس کے سر پر ایک ٹھوس چرمی خود رکھ دیا گیا جس کے نیچے فولادی کڑیاں اور اوپر سفید جواہرات جڑے تھے۔

وہ سوچنے لگا، ''اتنی شان و شوکت کے باوجود مجھے لگتا ہے کہ میں خاصا احمقانہ دکھائی دے رہا ہوں گا۔ ایسی حالت میں دیکھ کر میرے گاؤں والے تو ہنس ہنس کر بے حال ہو جائیں گے.... کاش یہاں کوئی آئینہ ہوتا۔''

پھر بھی بونوں کے برعکس مسٹر بیگنز کے دماغ پر خزانے کے سحر کے علاوہ بھی کچھ گھوم رہا تھا۔ بونے ابھی خزانے کے معائنے سے مطمئن نہیں ہوئے تھے کہ بلبو تھک ہار کر ایک کونے میں فرش پر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ آخر اس سب کا کیا انجام ہوگا۔ ''اس وقت بیورن کے گھر میں اس کے لکڑی کے پیالے میں شراب کے ایک گھونٹ کے بدلے میں ہیرے جواہرات جڑے بیش قیمت جام اور صراحیاں دینے کو تیار ہوں۔''

پھر وہ چیخ کر بولا، ''تھورین! اب کیا کریں؟ ہم مسلح تو ہو چکے ہیں لیکن کیا آج تک کوئی زرہ بکتر بھیانک سماگ کے خلاف کارآمد ثابت ہوئی ہے؟ ابھی تک ہم اس خزانے کے مالک نہیں بن سکے ہیں۔ ہم سونے کی تلاش میں نہیں، بلکہ فرار کے راستے کی تلاش میں ہیں۔ جتنی دیر ہم یہاں بیٹھے رہیں گے غیر ضروری خطرات مول لے رہے گے۔''

تھورین اپنے جوش و ولولے پر قابو پاتے ہوئے بولا، ''تم سچ کہہ رہے ہو۔ اب ہمیں چلنا چاہیے۔ میں تمھیں راستہ دکھاتا ہوں۔ میں ایک ہزار سال میں بھی اس محل کے راستے بھول نہیں سکتا۔'' پھر اس نے سب کو پکارا اور سب اس کے اردگرد جمع ہو گئے اور پھر اپنی مشعلیں بلند کیے وہ ان عظیم الشان دروازوں سے گزر گئے۔ پھر بھی بہت سوں نے مڑ مڑ کر خزانے پر حسرت انگیز نگاہیں ڈالیں۔

ان سب نے اپنی چمکدار زرہ بکتروں پر اپنے پرانے لبادے اور اپنے آہنی خودوں پر اپنے پھٹے پرانے کنٹوپ پہن لیے اور یکے بعد دیگرے تھورین کے پیچھے چلتے بنے۔ مشعلوں کی

ایک قطار تھی جو تاریکی میں چلتی جارہی تھی اور گاہے گاہے رکتی جاتی جب خوف کے عالم میں انھیں یوں محسوس ہوتا کہ اژدھے کی واپسی کی کوئی آواز سنائی دی ہو۔ اگرچہ محل میں لگی تمام تزئین وآرائش کی چیزیں تباہ وبرباد ہوچکی تھیں اور تقریباً ہر چیز اس عفریت کی آمدورفت سے ٹوٹ پھوٹ چکی تھی لیکن پھر بھی تھورین کو محل کا ہر کونا اور ہر موڑ یاد تھا۔ وہ طویل سیڑھیاں چڑھے، مڑے اور لمبی راہداریوں میں چلتے گئے، اور پھر مڑے اور مزید سیڑھیاں چڑھے اور پھر کچھ اور سیڑھیاں چڑھتے گئے۔ یہ سیڑھیاں چوڑی، کشادہ اور انتہائی ہموار تھیں جنھیں سنگلاخ چٹانوں سے تراش کر بنایا گیا تھا۔ یوں وہ اوپر اور اوپر چڑھتے گئے اور اس دوران انھیں کسی زندہ شے کا کوئی نشان نہ ملا، سوائے ان کی ٹمٹماتی ہوئی مشعلوں کی روشنی میں کبھی کبھار کوئی سایہ یکلخت انھیں دکھائی دیتا اور پھر یکلخت اندھیروں میں غائب ہوجاتا۔

تاہم یہ سیڑھیاں کسی ہابٹ کے ٹانگوں کے لیے نہیں بنائی گئی تھیں اور جیسے ہی بلبو کو احساس ہونے لگا کہ وہ مزید نہ چل پائے گا کہ یکایک چھت اوپر کی جانب بلند ہوتی گئی اور ان کی مشعلوں کی روشنی سے دور نکل گئی۔ اوپر دور کہیں کسی سوراخ سے ہلکی ہلکی سفید روشنی آتی محسوس ہورہی تھی اور ہوا بھی قدرے تازہ تھی۔ ان کے سامنے ایک بلند وبالا دروازہ تھا جس کے شعلوں سے جھلسے کواڑ اکھڑ کر گرنے کو تھے۔

تھورین بولا، ''یہ تھرور کا استقبالیہ ہال ہے جہاں دعوتیں منعقد ہوا کرتی تھیں اور اجلاس بلائے جاتے تھے۔ بیرونی دروازہ یہاں سے بہت دور نہیں ہے۔''

وہ تباہ وبرباد ہال سے گزرے جہاں بوسیدہ میزیں گل سڑ رہی تھیں اور جلی سوختہ کرسیاں ادھر ادھر بکھری پڑی تھیں۔ دھول سے اٹے شراب کے جاموں اور صراحیوں کے درمیان کھوپڑیاں اور ہڈیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ جیسے ہی ہال کی دوسری جانب ایک اور دروازے کے سامنے پہنچے تو انھیں بہتے پانی کی آواز سنائی دی اور یکایک سفید روشنی کی شدت میں اضافہ ہوگیا۔

تھورین پھر بولا، ''یہ دریائے رواں کا منبع ہے۔ یہ یہاں سے بہتا ہوا بیرونی دروازے

کی جانب جاتا ہے۔ ہمیں اس کے ساتھ ساتھ چلنا ہوگا۔''

یہاں ایک سنگلاخ چٹان میں ایک تاریک سوراخ سے کھولتا ہوا پانی نکل رہا تھا جو نجانے کس زمانے کے پرانے لیکن ماہر ہاتھوں سے تراشیدہ ایک سیدھے اور گہرے نالے میں بہتا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک چوڑا پختہ راستہ بنا تھا جو متعدد افراد اور بار برداری کے جانوروں کے لیے کافی تھا۔ وہ تیزی سے اس راستے پر بھاگتے گئے اور ایک بڑے موڑ کے بعد یکا یک ان کی آنکھیں دن کی روشنی سے چندھیا گئیں۔ ان کے سامنے ایک بلند محراب تھی جو اگرچہ ٹوٹی پھوٹی اور آگ اور دھوئیں سے سیاہ ہو چکی تھی لیکن پھر بھی اس پر کندہ نقش و نگار دکھائی دے رہے تھے۔ پہاڑ کے دونوں پہلوؤں کے درمیان سے دھندلائی ہوئی دھوپ اندر داخل ہو کر دروازے کی دہلیز پر سنہری کرنیں پھینک رہی تھی۔

ان کی مشعلوں کے دھوئیں سے خوفزدہ ہو کر چمگادڑوں کا ایک غول یکا یک اڑنے لگا۔ وہ جیسے ہی آگے بڑھے ان کے قدم فرش پر پھسلنے لگے جو اژدھے کی آمد و رفت سے کیچڑ زدہ ہو رہا تھا۔ ان کی نگاہوں کے سامنے دریا کا بپھرا ہوا پانی بھاپ اڑاتا وادی میں گر رہا تھا۔ انھوں نے اپنی مشعلیں ایک طرف پھینکیں اور دہلیز پر کھڑے باہر دیکھنے لگے۔ وہ بیرونی دروازے سے باہر نکل آئے تھے اور اب انھیں سامنے ڈیل کا شہر دکھائی دے رہا تھا۔

بلبو بولا، ''میں تو امید کھو بیٹھا تھا کہ میں کبھی اس دروازے سے باہر کی جانب دیکھ پاؤں گا اور میں نے سوچا بھی نہ تھا کہ مجھے دھوپ اور تازہ ہوا اپنے چہرے پر محسوس کرتے ہوئے اتنی خوشی ہوگی۔ لیکن اس ہوا میں خنکی ہے۔''

اور ہوا واقعی سرد تھی۔ مشرق سے آنے والی ہوا اپنی ٹھنڈ سے آنے والی سردیوں کا اشارہ دے رہی تھی۔ ہوا کے جھونکے پہاڑ کے چاروں جانب گھومتی ہوئی چٹانوں کے درمیان سے آہیں بھرتے ہوئے نیچے وادی کی جانب رواں تھے۔ اژدھے کی کچھار کی گرم اور مرطوب ہوا میں طویل عرصے تک جھلسنے کے بعد اب وہ دھوپ کی سرد روشنی میں بھی ٹھٹھر رہے تھے۔

اچانک بلبو کو احساس ہوا کہ اسے سردی کے ساتھ ساتھ بھوک بھی لگ رہی ہے۔ وہ کہہ

اٹھا،''لگتا ہے دوپہر ہونے کو ہے اور میرے خیال میں ابھی قریب قریب ناشتے کا وقت ہونے کو ہے، اگر کہیں سے ناشتے کا انتظام ہو جائے تو! لیکن سماگ کا بیرونی دروازے شاید کھانے پینے کے لیے مناسب مقام نہ ہوگا۔ ہمیں یہاں سے کسی ایسی جگہ جانا ہوگا جہاں ہم سکون سے بیٹھ کر آرام کر سکیں۔''

بالین نے جواب دیا،''بالکل درست! مجھے کچھ اندازہ ہے کہ ہمیں کس جانب جانا ہوگا۔ ہمیں پہاڑ کی جنوب مغرب میں واقع پہریداروں کی چوکی کی جانب جانا چاہیے۔''

بلبو نے پوچھا،''وہ یہاں سے کتنی دور ہے؟''

''میرا خیال ہے کہ چار پانچ گھنٹے کا سفر ہے اور راستہ دشوار گزار بھی ہے۔ دروازے سے دریا کے بائیں پہلو پر بنا راستہ ٹوٹ پھوٹ گیا ہے۔ لیکن نیچے دیکھو! وہاں ڈیل کے شہر کے کھنڈرات کے عین سامنے دریا ایک دم موڑ کاٹتا ہے۔ وہاں کسی زمانے میں ایک پل ہوتا تھا جس کے پار دائیں کنارے پر چڑھنے کے لیے اونچی سیڑھیاں تھیں اور پھر ریون ہل کو جانے والی ایک سڑک تھی۔ وہاں اس سڑک سے چوکی کی جانب اوپر جاتا ہوا ایک راستہ ہے یا کم از کم کسی زمانے میں ہوا کرتا تھا۔ اگر وہ سیڑھیاں اچھی حالت میں ہوئیں تو بھی چڑھائی مشکل ہو گی۔''

بلبو بڑبڑایا،''اوہ میرے خدا، مزید راستہ اور مزید سیڑھیاں اور وہ بھی ناشتے کے بغیر! اس منحوس غار میں جہاں نہ وقت تھا اور نہ گھڑیاں، نجانے ہمارے کتنے ناشتے اور کھانے گزر گئے؟''

درحقیقت جب سے اژدھے نے طلسمی دروازے والی محراب تباہ کی تھی دو راتیں اور ایک دن گزر چکا تھا لیکن بلبو دن رات کی گنتی بھول چکا تھا اور اسے کوئی اندازہ نہ رہا تھا کہ ایک رات گزری ہے یا راتوں کا پورا ہفتہ گزر چکا ہے۔

تھورین جس کا حوصلہ بحال ہو چکا تھا اور جو اپنی جیب میں ٹھونسے ہوئے ہیرے جواہرات کو سہلا رہا تھا، ہنس دیا اور بولا،''اب میرے خاندانی محل کو منحوس غار کہہ کر تو نہ پکارو!

اس کی صفائی ہو جائے اور اس کی تزئین و آرائش ہو جائے تو دیکھنا۔"

بلبو سر جھکائے دھیرے سے بولا، "جب تک سماگ مر نہیں جاتا ایسا نہیں ہوگا۔ ویسے سماگ ہے کہاں؟ یہ جاننے کے لیے کہ وہ کہاں ہے میں ایک پُرتکلف ناشتہ بھی قربان کرنے پر تیار ہوں۔ مجھے تو بس ایک ہی فکر لاحق ہے کہ کہیں وہ پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھا ہمیں دیکھ ہی نہ رہا ہو۔"

اس خیال نے بونوں کو ایک مرتبہ پھر پریشان کر دیا اور وہ فوراً متفق ہوئے کہ بلبو اور بالین ٹھیک کہتے ہیں۔

ڈوری بولا، "ہمیں یہاں سے جلد روانہ ہو جانا چاہیے۔ مجھے یوں لگتا ہے جیسے اس کی نگاہیں میرے سر کے عقب میں چبھ رہی ہیں۔"

بومبور بولا، "یہ جگہ سرد ہے اور ویران بھی۔ یہاں پینے کو تو کچھ مل جائے گا لیکن کھانے کو کچھ دکھائی نہیں دے رہا۔ ایسی جگہوں پر اژدھوں کو اکثر بھوک لگ جاتی ہے۔"

دوسرے فوراً رضامند ہوئے، "چلو، چلو، بالین کے بتائے ہوئے راستے پر چلتے ہیں۔"

بائیں جانب پتھریلی دیوار کے ساتھ کوئی راستہ نہ تھا اس لیے وہ کنکریوں سے بھرے دوسرے راستے پر احتیاط سے دریا کی دائیں جانب اترتے گئے۔ اس جگہ کی ویرانی اور بربادی نے تھورین کو بھی خاموش کر دیا۔ بالین نے جس پل کا ذکر کیا تھا وہ نجانے کتنا عرصہ ہوا گر چکا تھا اور اس کے ستون اب دریا کے بہتے پانی میں پڑے تھے لیکن پانی کی گہرائی کم ہونے کی بنا پر انھیں دریا پار کرنے میں دشواری کا سامنا نہ ہوا۔ دوسری جانب وہ قدیم سیڑھیوں پر چڑھتے ہوئے اونچے کنارے پر پہنچ گئے۔ تھوڑی دیر چلنے کے بعد وہ سڑک پر پہنچے اور جلد ہی وہ پہاڑیوں کے درمیان ایک وادی میں جا اترے جہاں وہ سستانے لگے اور کرام اور پانی پر مشتمل فی الوقت دستیاب ناشتہ کیا (اگر آپ جاننا چاہیں کہ "کرام" کیا ہے تو میں آپ کو اس کی تیاری کا طریقہ تو نہیں بتا سکتا لیکن یہ ایک بسکٹ کی مانند ہوتا ہے جو طویل عرصہ تک خراب نہیں ہوتا، اس کے کھانے سے دنوں تک بھوک نہیں لگتی لیکن کھانے میں کچھ خاص خوش ذائقہ نہیں

ہوتا۔ بس یوں سمجھیں کہ لگا تار چبانے کی ایک مشق ہے۔ یہ درحقیقت جھیل نگر کے باسیوں نے طویل سفر پر جانے کے لیے ایجاد کیا تھا۔)

اس کے بعد انھوں نے اپنا سفر شروع کیا۔ اب سڑک مغرب کی جانب جا رہی تھی اور دریا سے دور ہوتی گئی۔ شمال کی جانب رخ کیے ہوئے پہاڑ کی چوٹی ہر قدم پر ان کے قریب آتی گئی۔ بہت دیر بعد وہ پہاڑی راستے پر پہنچے۔ یہ ٹیڑھا میڑھا راستہ تقریباً عمودی چڑھائی پر مشتمل تھا اور ایک کے پیچھے ایک کرکے وہ بمشکل اوپر چڑھتے گئے حتیٰ کہ دوپہر کے قریب پہاڑی کی چوٹی پر جا پہنچے اور دور مغرب میں انھیں سورج ڈھلتا دکھائی دیا۔

یہاں ایک ہموار سطح پر انھیں ایسی جگہ دکھائی دی جو تین جانب سے کھلی تھی جبکہ چوتھی سمت میں شمال کی جانب رخ کیے ایک عمودی دیوار نما چٹان کھڑی تھی جس کے عین بیچ میں دروازے کی شکل کا ایک سوراخ بنا تھا۔ اس سوراخ سے جنوب، مغرب اور مشرق کی اطراف میں دیکھا جا سکتا تھا۔

بالین بولا، ''یہاں پرانے زمانے میں ہم پہریدار متعین کیا کرتے تھے اور یہ دروازہ پتھروں میں تراشیدہ ایک کمرے کو جاتا ہے جو پہریداروں کی رہائش کے کام آتا تھا۔ اس پہاڑ پر متعدد ایسی نگرانی کی چوکیاں بنائی گئی تھیں۔ لیکن خوشحالی کے اس دور میں نگرانی کی کوئی خاص ضرورت نہ ہوتی تھی اور شاید پہریدار بھی کچھ زیادہ ہی سہل پسند ہو گئے تھے ورنہ انھیں سماگ کی آمد کی جلد اطلاع مل جاتی اور ہمارے حالات شاید مختلف ہوتے۔ پھر بھی اب ہم یہاں سکون سے کچھ دیر آرام کر سکتے ہیں اور کسی کی نظر میں آئے بغیر چاروں جانب نگاہ رکھ سکتے ہیں۔''

ڈوری ہر چند لمحوں بعد پہاڑ کی چوٹی کی جانب دیکھ اٹھتا جیسے کسی بھی وقت اسے وہاں درخت کی شاخ پر بیٹھے کسی پرندے کی مانند سماگ بیٹھا دکھائی دے۔ وہ بولا، ''اگر سماگ نے ہمیں یہاں آتے دیکھ لیا تو ہم اس جگہ میں بھی بچ نہ پائیں گے۔''

تھورین بولا، ''اب ہم اپنی قسمت پر بھروسہ کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتے۔ آج ہم اور کہیں نہیں جا سکتے۔''

بلبو "بالکل ٹھیک، بالکل ٹھیک" کہے بغیر نہ رہ سکا اور دھڑام سے زمین پر دراز ہو گیا۔
دروازے کی دوسری جانب بڑے کمرے میں تقریباً ایک سو افراد کے گنجائش تھی اور اس کے آگے ایک اور چھوٹا کمرہ بھی تھا جہاں باہر سے سرد ہوا کا گزر قدرے کم تھا۔ یہ کمرہ بھی ویران پڑا تھا۔ سماگ کی راجدھانی میں کوئی جنگلی جانور بھی یہاں نہ آتا تھا۔ انھوں نے یہاں اپنا سامان اتار پھینکا۔ کچھ فوراً ہی لیٹے اور نیند کی وادیوں میں کھو گئے۔ باقی بیرونی دروازے کے ساتھ بیٹھ گئے اور مستقبل کے منصوبوں کے بارے میں باتیں کرنے لگے۔ ان کی تمام تر گفتگو کے آخر میں ایک ہی سوال اٹھتا.... سماگ کہاں ہے؟ انھوں نے مغرب کی جانب دیکھا تو وہاں کچھ نہ تھا، انھوں نے مشرق کی جانب دیکھا تو وہاں کچھ نہ تھا، انھوں نے جنوب کی جانب دیکھا تو وہاں بھی اژدھے کا کوئی نام ونشان نہ تھا، البتہ وہاں دور بہت سے پرندوں کا ایک غول دکھائی دے رہا تھا۔ وہ اسی غول کو حیرت سے دیکھتے رہے۔ جب آسمان پر سرد ستارے نمودار ہوئے تو انھیں پھر بھی اس غول کی کچھ سمجھ نہ آ سکی۔

چودھواں باب

آگ اور پانی

بونوں کی ٹولی کی طرح اگر آپ بھی جاننا چاہتے ہیں کہ سماگ کہاں تھا اور کیا کر رہا تھا تو آپ کو بھی دو دن پہلے اس وقت تک ماضی میں جانا ہوگا جب اس نے طلسماتی دروازے کو تہس نہس کر دیا تھا۔

جھیل نگر یعنی ایسگاروتھ کے باسیوں کی اکثریت تاریک مشرق سے چلنے والی سرد ہواؤں کی بنا پر اپنے اپنے گھروں کے اندر تھی البتہ کچھ لوگ جھیل کنارے گھوم پھر رہے تھے اور جھیل کے ساکت پانی کی سطح پر ستاروں کے عکس سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ کوہِ یکتا ان کی بستی سے جھیل کے دوسرے کنارے پر موجود پہاڑی سلسلے کی اوٹ میں تھا سوائے اس مقام کے کہ جہاں سے دریائے رواں شمال کی جانب سے جھیل میں آن گرتا تھا۔ پہاڑ کی چوٹی انھیں صرف صاف موسم میں ہی دکھائی دیتی پھر بھی وہ اس کی جانب دیکھنے سے عموماً اجتناب ہی کیا کرتے کیونکہ وہ دن کی روشنی میں بھی بھیانک دکھائی دیتا تھا۔

یکا یک روشنی کا ایک جھما کا چوٹی پر چمکا اور پھر غائب ہوگیا۔

ایک شخص بولا، ''دیکھو! وہ روشنی پھر دکھائی دی۔ کل رات بھی پہریداروں کو یہی روشنی

آدھی رات سے صبح تک دکھائی دیتی رہی۔ وہاں یقیناً کچھ ہو رہا ہے۔"

دوسرے نے جواب دیا، "شاید پہاڑ کا بادشاہ پھر سے سونا پگھلا رہا ہے۔ بہت دن ہوئے وہ شمال کی جانب چلا گیا۔ شاید داستانوں اور گیتوں میں کہی گئی باتیں پھر سے سچ ثابت ہونے کو ہیں۔"

تیسرے نے تلخ لہجے میں کہا، "کون سا بادشاہ؟ ہو نہ ہو یہ اسی خبیث اژدھے کی آگ ہے۔ ہم تو نجانے کب سے بس اسی کو پہاڑ کا بادشاہ جانتے ہیں۔"

ایک اور بولا، "تم تو ہمیشہ بدشگونی کی باتیں ہی کیا کرتے ہو۔ کبھی سیلاب اور کبھی مری ہوئی مچھلیاں! کبھی تو کسی خیر کی بات کیا کرو۔"

پھر اچانک جھیل کے دوسرے کنارے پر نچلی پہاڑیوں پر بھی روشنی کے متواتر جھماکے دکھائی دینے لگے اور جھیل کا شمالی کنارہ سنہری رنگ میں نہا گیا۔ وہ سب چلّا اٹھے، "پہاڑ کا بادشاہ! جس کی دولت سورج کی مانند ہے اور چاندی فواروں کی مانند اور جس کے دریاؤں میں سونا بہتا ہے! پہاڑ سے دریا میں سونا بہہ رہا ہے۔" ساری بستی میں دروازے کھڑکیاں کھلنے لگیں اور ہر طرف دوڑتے قدموں کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔

ہر طرف شور و غوغا پھیل گیا اور خوشیوں کے شادیانے بجنے لگے۔ لیکن تلخ لہجے والا سرپٹ بھاگتا شہر کے حاکم کے پاس جا پہنچا اور چیخ اٹھا، "یا تو اژدھا آ رہا ہے یا میں پاگل ہو گیا ہوں! پل کاٹ ڈالو! ہتھیار اٹھاؤ! ہتھیار اٹھاؤ۔"

پھر خطرے کے سنکھ پھونکے گئے اور ان کی آواز جھیل کے پتھریلے کناروں پر گونجنے لگی۔ شور و غوغا ختم ہوا اور خوشی خوف میں بدل گئی۔ بہر حال جب اژدھا بستی تک پہنچا تو جھیل نگر کے باسی مکمل طور پر تو نہیں تاہم کسی حد تک تیاری کر چکے تھے۔

اس کی رفتار اتنی تیز تھی کہ چند ہی لمحوں میں وہ انھیں ایک شعلے کی مانند دکھائی دینے لگا جو برق رفتاری سے ان کی جانب بڑھتا جا رہا تھا اور ہر گزرتے لمحے کے ساتھ پھیلتا اور روشن ہوتا جا رہا تھا اور بستی والوں میں احمق سے احمق ترین بھی جان گیا کہ ان کی داستانیں اور پیشین گوئیاں

غلط ثابت ہو رہی تھیں۔ پھر بھی انھیں کچھ وقت مل ہی گیا تھا۔ بستی میں موجود ہر برتن میں پانی بھر لیا گیا، ہر جنگجو تیار ہو گیا، ہر تیر اور نیزہ جمع کر لیا گیا اور کنارے سے آنے والے پل کاٹ دیئے گئے اور پھر سماگ کے آن پہنچنے کی خوفناک چنگھاڑ ان کے کانوں سے ٹکرائی اور اس کے دیوہیکل پَروں کے نیچے جھیل کا پانی آگ کی مانند سرخ ہونے لگا۔

خوف اور دہشت کے عالم میں چیختے چلّاتے اور روتے پیٹتے باسیوں کے سر پر سماگ آن پہنچا اور سیدھا پل کی جانب پہنچا لیکن وہاں اسے مایوسی کا سامنا ہوا۔ پل کاٹ دیئے گئے تھے اور اس کے دشمن اب جھیل کے گہرے پانیوں کے درمیان ایک جزیرے پر موجود تھے۔ جھیل کا گہرا، سرد اور تاریک پانی اسے بالکل پسند نہ تھا۔ اگر وہ پانی میں گھس جاتا تو اس سارے علاقے میں نجانے کتنے دنوں تک بھاپ اور دھند کے بادل چھائے رہتے۔ لیکن وہ جانتا تھا کہ جھیل کا پانی اس سے کہیں زیادہ طاقتور ہے اور اس کے پار گزرنے سے پہلے اس کے جسم کے آخری شعلے کو بھی بجھا ڈالتا۔

ایک چنگھاڑ کے ساتھ وہ واپس بستی کی جانب مڑا۔ نیچے سے تیروں کا ایک بادل اس کی جانب اٹھا لیکن تیر اس کے جسم کے چانوں اور اس کے پیٹ میں پیوست ہیرے جواہرات سے ٹکرائے اور اس کے شعلوں سے جل بھن کر راکھ ہو کر سرسراتے ہوئے واپس نیچے جھیل کے پانی میں جا گرے۔ آپ آتش بازی کے کسی مظاہرے کا تصور بھی نہیں کر سکتے جو اس رات کے شعلوں کے کھیل کی برابری کر سکتا ہو۔ تیراندازوں کی کمانوں کی تڑتڑاہٹ اور سنکھوں کی آوازوں نے اژدھے کے غیظ و غضب کو مزید بھڑکا دیا اور وہ غصّے میں اندھا اور دیوانہ ہو گیا۔ کتنے سال ہو گئے تھے کسی کو اس کے سامنے مدافعت کرنے کی جرأت نہ ہوئی تھی۔ اب بھی وہ یہ گستاخی نہ کرتے اگر تند و تلخ لہجے والا وہ شخص (جس کا نام بارڈ تھا) ادھر ادھر بھاگتے ہوئے تیراندازوں کا حوصلہ نہ بڑھا رہا ہوتا اور بستی کے حاکم کو آخری تیر اور آخری نیزے تک لڑنے پر نہ اکساتا۔

اژدھے کے منہ سے شعلے برسنے لگے۔ وہ بلندیوں پر بستی کے اوپر چکر لگاتا رہا اور ساری

جھیل روشن ہوگئی۔ جھیل کے کنارے پر ایستادہ درخت تانبے اور خون کے رنگ میں چمکنے لگے اور ان کے تاریک سائے ان کی جڑوں میں ناچنے لگے اور پھر وہ غیظ و غضب سے بھرا اپنی جانب بڑھتے ہوئے تیروں کی بارش سے بے نیاز نیچے کو جھپٹا۔ اس نے تیروں کی اتنی پروا بھی نہ کی کہ اپنے چانوں سے بھرے پہلو ہی تیروں نیزوں کی جانب موڑ لیتا۔ وہ تو بس اس بستی کو جلا کر خاکستر کر دینا چاہتا تھا۔

اگرچہ بستی کے سارے گھروں کو اس کی آمد سے پہلے ہی پانی سے بھگو دیا گیا تھا لیکن وہ متواتر غوطہ لگاتے ہوئے نیچے آتا اور اس کے ہر چکر کے بعد یکے بعد دیگرے گھروں کی گھاس پھونس کی چھتوں اور شہتیروں سے شعلوں کی لپٹیں اٹھنے لگیں۔ جہاں سے آگ کے شعلے بلند ہوتے وہاں درجنوں افراد پانی پھینکنے لگتے۔ اس کی دیو ہیکل دم کے ایک ہی وار سے بستی کے مرکز میں واقع حاکمِ اعلیٰ کا گھر زمین بوس ہوگیا۔ رات کی تاریکی میں نہ بجھنے والے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے۔ اس کے ایک جھپٹے سے ایک اور گھر آگ کے شعلوں میں بھسم ہوتے ہوئے زمین پر آن گرا، اور پھر ایک اور، اور پھر ایک اور.... کوئی تیر کوئی نیزہ سماگ کو روکنے میں کامیاب نہ ہوا جس کے لیے ان ہتھیاروں کی حیثیت دلدلی مکھی سے زیادہ نہ تھی۔

ہر طرف لوگ پانی میں چھلانگیں لگانے لگے۔ بستی کے وسط میں بازار کے طور پر استعمال ہونے والے پانی کے تالاب میں عورتوں اور بچوں کو کشتیوں میں بٹھایا جانے لگا۔ لوگوں نے ہتھیار پھینک ڈالے۔ جہاں کچھ دن پہلے بونوں کے ہاتھوں جلد ہی آنے والی خوشیوں اور کامرانیوں کے گیت گائے جا رہے تھے وہاں ہر جانب آہ و فغاں کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ اب سبھی بونوں کو لعن طعن کر رہے تھے۔ حاکم اعلیٰ اپنی پُرآسائش کشتی کی جانب لپکا کہ اس شورش میں چپکے سے اپنی جان بچا کر بھاگ نکلے۔ یوں لگتا تھا کہ تھوڑی ہی دیر میں ساری بستی خالی ہو جائے گی اور تمام عمارتیں جھیل کی سطح پر راکھ کی ایک تہ میں تبدیل ہو جائیں گے۔

سماگ یہی چاہتا تھا۔ اسے ان سب کے کشتیوں میں سوار ہونے کی کوئی پروا نہ تھی۔ سماگ یا تو انھیں کشتیوں میں بیٹھے ایک ایک کر کے جلا کر راکھ کرنے کا کھیل کھیل سکتا تھا اور یا

انھیں بھوک اور پیاس سے مرتے دیکھ سکتا تھا۔ اگر وہ کنارے پر پہنچنے کی کوشش کرتے تو سماگ اس کے لیے بھی تیار تھا۔ وہ کناروں پر واقع سب درختوں کو جلا ڈالتا اور ہر کھیت اور کھلیان کو خاکستر کر دیتا۔ فی الحال تو وہ صرف بستی کے لوگوں کے ساتھ چوہے بلی کے کھیل سے اتنا لطف اندوز ہو رہا تھا جتنا سالوں میں نہ ہوا تھا۔

جلتے گھروں کے درمیان تیراندازوں کی ایک ٹولی تھی جو اپنی جگہ جمی تھی۔ اس ٹولی کے تلخ آواز اور سخت چہرے والے کماندار کا نام بارڈ تھا جس کے دوست سیلابوں اور زہر آلود مچھلیوں کے بارے میں پیشین گوئیاں کرنے پر اس سے نالاں رہتے تھے۔ وہ ڈیل کے نواب گیریان کی نسل سے تعلق رکھتا تھا جس کی بیوی اور بچہ ڈیل شہر کی تباہی سے بچنے دریائے رواں کے راستے فرار ہو کر جھیل نگر میں آن بسے تھے۔ وہ سدابہار درخت کی شاخ سے بنی اپنی کمان سے اژدھے پر تیر برسا رہا تھا اور اب اس کے ترکش میں ایک ہی تیر باقی بچا تھا۔ شعلے اس کے قریب پہنچ چکے تھے۔ اس کے ساتھی ایک ایک کر کے فرار ہونے لگے۔ اس نے اپنا آخری تیر کمان میں جوڑا اور اپنی کمان آسمان کی جانب بلند کی۔

یکا یک اندھیرے میں اسے اپنے کاندھے پر کسی چیز کی پھڑ پھڑاہٹ محسوس ہوئی۔ اس نے چہرہ موڑا تو اسے ایک جنگلی چڑیا دکھائی دی۔ چڑیا بے خوفی سے اس کے کاندھے پر آن بیٹھی اور اس کے کان میں چہچہانے لگی۔ بارڈ کو حیرت ہوئی کہ وہ چڑیا کی بولی سمجھ سکتا تھا۔ وہ ڈیل کے باسیوں کی نسل سے تھا۔

چڑیا چہچہائی، ''ٹھہرو! ٹھہرو! چاند نکل رہا ہے۔ جیسے ہی اژدھا تمھارے اوپر سے گزرے تو غور سے دیکھنا اس کے سینے کی بائیں جانب ایک جگہ ہے۔'' بارڈ نے اپنی کمان نیچی کر لی اور اس کی باتیں سننے لگا۔ چڑیا نے اسے پہاڑ پر ہونے والے تمام واقعات سنا ڈالے۔

بارڈ نے پھر کمان اونچی کی۔ اژدھا ایک مرتبہ پھر نچلی پرواز کرتے ہوئے ایک اور حملے کے لیے پلٹ رہا تھا۔ جیسے ہی وہ قریب آیا مشرقی کنارے پر چاند نمودار ہوا اور سماگ کے پَر چاندی میں نہا گئے۔ تیرانداز بارڈ اپنے تیر کو مخاطب کرتے ہوئے بولا، ''اے تیر، اے میرے

سیاہ تیر! میں نے تمھیں آخر تک بچا کر رکھا ہے۔ تم نے مجھے کبھی مایوس نہیں کیا اور میں ہمیشہ تمھیں واپس ڈھونڈ لایا۔ میں نے تمھیں اپنے باپ سے پایا اور اس نے اپنے باپ سے۔ اگر تم نے واقعی پہاڑ پاتال کے بادشاہ کی بھٹیوں میں جنم لیا ہے تو جاؤ اور بجلی کی طرح اپنے نشانے پر بیٹھو۔''

اژدھا ایک مرتبہ پھر مڑا اور پہلے سے کہیں زیادہ نیچے آ گیا۔ جیسے ہی وہ بستی کے عین اوپر پہنچا اس کے پیٹ اور سینے پر جڑے ہیرے جواہرات چاند کی روشنی میں سفید شعلوں کی مانند چمکنے لگے۔ سوائے ایک جگہ کے.... کمان تڑتڑائی۔ کمان کی رسی سے سیاہ تیر بجلی کے کوندے کی طرح لپکا.... سیدھا سینے کے بائیں جانب بڑھا جو اژدھے کے پھیلے ہوئے پَروں کی وجہ سے سامنے آ چکا تھا۔ تیر اس رفتار اور اس طاقت سے اڑا کہ نوک، دستے اور پَروں سمیت پورا کا پورا اژدھے کے جسم میں دھنس گیا۔ اژدھے کی فلک شگاف چیخ سے انسانوں کے کانوں کے پردے پھٹ گئے، درخت زمین پر آن گرے اور پتھر چاک ہو گئے۔ چنگھاڑتا ہوا سماگ اژدھا منہ سے شعلے نکالتا آسمان کی جانب بلند ہوا، گھوما اور آسمان سے زمین کی جانب آ گرا۔

وہ عین بستی کے اوپر آن گرا۔ کربِ نزع کے عالم میں اردگرد کی عمارتیں شعلوں اور چنگاریوں میں اوجھل ہو گئیں۔ جھیل کا پانی ایک ریلے کی صورت میں اندر داخل ہوا۔ چاند کی روشنی میں سفید دکھائی دینے والا بھاپ اور بخارات کا ایک بادل اوپر کو آسمان کی جانب بلند ہوتا گیا۔ ایک سرسراہٹ اور گڑگڑاہٹ سنائی دی اور پھر ہر طرف خاموشی پھیل گئی۔ اس کے ساتھ ہی سماگ اور ایسگاروتھ دونوں ہی صفحہ ہستی سے نیست و نابود ہو گئے.... لیکن بارڈ نہیں۔

بتدریج روشن ہوتا ہوا چاند آسمان پر بلند سے بلند تر ہوتا چلا گیا اور سرد ہوا شور مچانے لگی۔ ہوا کے تھپیڑوں نے سفید دھند کو ستونوں اور بادلوں میں بدل دیا اور جلد ہی دھند مغرب کی جانب دلدلی علاقوں میں ٹکڑیوں میں پھیل گئی۔ دھند چھٹی تو جھیل کی سطح پر کشتیاں سیاہ دھبوں کی مانند دکھائی دینے لگے اور دور ہوا کے دوش پر ایسگاروتھ کے باسیوں کی حسرت و یاس بھری آوازیں سنائی دینے لگیں جو اپنی بستی، مال و اسباب اور گھروں کی تباہی و بربادی پر نوحہ کناں

تھے۔ حالانکہ اگر وہ غور کرتے تو انھیں اپنی خوش قسمتی پر شکر گزار ہونا چاہیے تھا لیکن اس وقت ان سے سوچنے اور سمجھنے کی توقع نہیں کی جانی چاہیے۔ بستی کے کم از کم تین چوتھائی لوگ زندہ بچ گئے تھے۔ ان کے کھیت کھلیان، چراہ گاہیں اور جانور اور ان کی کشتیاں بچ گئی تھیں اور سب سے بڑی بات یہ کہ اژدھا مر چکا تھا۔ اس وقت انھیں اندازہ ہی نہیں تھا کہ اس کا کیا مطلب ہے۔

وہ سب افسردہ اور مغموم سرد ہوا میں کپکپاتے ہوئے مغربی کنارے پر جمع ہوئے۔ ان کا پہلا غم وغصّہ بستی کے حاکم کے خلاف تھا جو اتنی جلدی بستی چھوڑ کر فرار ہونے لگا تھا جبکہ بہت سے باسی بستی کی حفاظت کے لیے تیار تھے۔

کچھ بڑبڑائے، ''کاروبار کے معاملے میں تو وہ بہت تیز ہے اور خصوصاً اپنے کاروبار کے معاملے میں، لیکن جب سنگین خطرہ درپیش ہو تو وہ دم دبا کر بھاگ نکلنے لگا۔'' پھر سب نے بارڈ کی شجاعت اور اس کے آخری نشانے کی تعریف کی۔ ''اگر وہ مارا نہ جاتا تو ہم اسے ہی جھیل نگر کا حاکم بنا دیتے۔ بارڈ اژدھا مار، گیریان کی اولاد! افسوس کہ وہ مارا گیا۔''

وہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ ایک طویل القامت شخص اندھیروں سے نمودار ہوا۔ وہ پانی میں شرابور تھا۔ اس کے سیاہ بال اس کے چہرے اور کاندھوں پر لٹک رہے تھے۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سے شعلے بھڑک رہے تھے۔

وہ چیخا، ''بارڈ مرا نہیں ہے! جب دشمن مارا گیا تو بارڈ ایسگاروتھ سے پانی میں کود گیا تھا۔ میں بارڈ ہوں، گیریان کی اولاد! میں اژدھے کا قاتل ہوں۔''

سارا مجمع خوشی کے عالم میں نعرہ زن ہوا، ''بارڈ بادشاہ! بارڈ بادشاہ۔'' لیکن بستی کا حاکم ایک جانب کھڑا سردی سے دانت کٹکٹاتا رہا۔ وہ بولا، ''گیریان ڈیل کا بادشاہ تھا، ایسگاروتھ کا نہیں! جھیل نگر میں ہم نے ہمیشہ عمر رسیدہ اور دانش مندوں میں اپنے حاکم چنے ہیں اور یہاں کوئی جنگجوؤں کی حکومت پسند نہیں کرتا۔ بارڈ بادشاہ کو اپنی سلطنت کو لوٹ جانا چاہیے۔ اس کی بہادری سے ڈیل اب آزاد ہو چکا ہے اور اس کے واپس جانے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ اگر

کوئی اس کے ساتھ جانا چاہے تو وہ بھی جا سکتا ہے اگر وہ پہاڑ کے سائے میں سرد پتھروں کو جھیل کے سرسبز کناروں پر ترجیح دیتا ہے۔ جو عقل مند ہیں وہ یہیں رہیں گے اور اپنے شہر کی تعمیرِ نو کی امید کریں گے تاکہ ایک مرتبہ پھر اس کے امن وسکون اور فراوانیوں سے لطف اندوز ہو سکیں۔''
اس کے جواب میں قریب کھڑے ہوئے لوگوں نے نعرے لگائے، ''ہمیں بارڈ بادشاہ چاہیے! ہم نے بہت سے بوڑھے اور دولت کے پجاری دیکھ لیے۔'' دور کھڑے ہوئے لوگوں نے بھی شور مچانا شروع کر دیا، ''تیرانداز بارڈ زندہ باد! کاروباری حاکم مردہ باد۔'' حتیٰ کہ کنارے پر ہر جانب نعرے ہی نعرے گونجنے لگے۔

حاکم محتاط لہجے میں بولا (کیونکہ اب بارڈ اس کے عقب میں قریب ہی کھڑا تھا)، ''میں تیرانداز بارڈ کے کارناموں سے انکار کرنے والوں میں نہیں۔ آج رات سے بارڈ کا نام اس شہر کے محسنوں کی فہرست میں سب سے اوپر لکھا جائے گا۔ وہ اس قابل ہے کہ اس کی شان میں ناقابلِ فراموش گیت لکھے جائیں۔ لیکن سنو، اے لوگو۔'' اب حاکم کھڑا ہوا اور بلند آواز میں بولنے لگا ''اے لوگو، تم لوگوں کا سارا غم وغصّہ مجھ پر ہی کیوں؟ مجھے کس غلطی کی بنا پر معزول کیا جا رہا ہے؟ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ اژدھے کو اس کی نیند سے بیدار کس نے کیا؟ وہ کون تھا جس نے ہم سے تحفے تحائف اور فراخدلانہ مدد حاصل کی اور ہمیں یقین دلایا کہ پرانی داستانیں اور گیت سچ ثابت ہو سکتے ہیں؟ وہ کون تھا جو ہمارے جذبات اور ہماری امنگوں سے کھیلتا رہا؟ ہمیں ہماری مدد کے عوض کتنا سونا چاندی بھیجا گیا؟ ہمیں کیا ملا؟ صرف اژدھے کی آگ اور تباہی؟ ہم کس سے اپنے نقصانات کی تلافی مانگیں اور کس سے اپنی بیواؤں اور یتیموں کے لیے امداد مانگیں؟''

اب آپ جان چکے ہوں گے کہ حاکم اپنی اس حیثیت تک یونہی نہیں پہنچ گیا تھا۔ اس کی تقریر کا نتیجہ یہ نکلا کہ فی الوقت لوگ نئے بادشاہ کا خیال بھول گئے اور ان کے غصّے کا دھارا تھورین اور اس کے ساتھیوں کی جانب مڑ گیا۔ ہر جانب سے بونوں کے خلاف دشنام طرازی کا سیلاب امڈ آیا۔ وہ لوگ جو چند دن پہلے تک بونوں کے تعریف میں سب سے بلند آواز میں گیت

گا رہے تھے وہی لوگ اب چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے کہ بونوں نے جان بوجھ کر اژدھے کو ان پر حملہ کرنے کے لیے بیدار کیا۔

بارڈ بول اٹھا، ''بے وقوفو! ان بیچاروں پر الفاظ اور جذبات ضائع کرنے کا کیا فائدہ؟ بے شک سماگ کے یہاں پہنچنے سے کہیں پہلے وہ اس کی آگ میں جل بھن کر کوئلہ بن چکے ہوں گے۔''، لیکن اس دوران اس کے دل میں اس دیومالائی خزانے کا خیال ابھرا جو اب کسی مالک یا محافظ کے بغیر پہاڑ کے نیچے پڑا تھا، اور وہ یکایک خاموش ہو گیا۔ اب وہ حاکم کے الفاظ پر غور کرنے لگا اور اس کے ذہن میں ڈیل شہر کی تعمیرِ نو کا خیال ابھرنے لگا۔ اگر اسے کہیں سے اپنا ساتھ دینے کے لیے کچھ لوگ مل جائیں تو ڈیل میں ایک مرتبہ پھر سنہری گھنٹیاں بجنے لگیں گی۔

کچھ دیر بعد وہ پھر بولا، ''اے حاکمِ اعلیٰ، یہ وقت نہ تو طیش میں آنے کا ہے اور نہ ہی تبدیلی جیسے گھمبیر مسائل پر بحث کرنے کا۔ ابھی ہمیں بہت کام کرنا ہے۔ میں اب بھی تمھارا حکم بجا لاؤں گا۔ بعد ازاں میں تمھارے مشورے پر غور کروں گا اور جو بھی میرے ساتھ جانے پر تیار ہوں گے ان کے ساتھ شمال کی جانب جانے کے بارے میں سوچوں گا۔''

پھر وہ چلا گیا اور بیماروں اور زخمیوں کے لیے خیموں کے احکامات جاری کرنے لگا۔ لیکن حاکم اپنی جگہ بیٹھا خشمگین نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔ وہ سوچ بچار میں گم رہا اور کچھ نہ بولا اور جب چند لمحوں بعد بولا تو آگ جلانے اور اپنے لیے کھانے پینے کا بندوبست کرنے کا حکم دیا۔

بارڈ جہاں بھی گیا اس نے دیکھا کہ پہاڑ کے نیچے پڑے لاوارث خزانے کی باتیں بستی کے لوگوں میں جنگل کی آگ کی مانند پھیل چکی تھیں۔ لوگ اپنے نقصانات کی تلافی کے بارے میں باتیں کر رہے تھے اور یہ کہ اس دولت سے وہ جنوب کے لوگوں سے وافر مقدار میں اشیا خرید سکیں گے۔ ان خیالات نے انھیں مشکل کی اس گھڑی میں تسلی دی۔ اچھا ہی ہوا کیونکہ رات یخ بستہ اور تکلیف دہ تھی۔ کچھ ہی لوگوں کے لیے پناہ کا بندوبست کیا جا سکا جن میں حاکمِ اعلیٰ شامل تھا۔ کھانے پینے کا بھی تھوڑا بہت اہتمام کیا جا سکا، حاکمِ اعلیٰ کو بھی کھانے کو کم ہی ملا۔ اس رات بہت سے لوگ بستی کی تباہی سے تو بچ گئے لیکن وہ پانی میں بھیگنے، یخ بستہ ہوا اور غم واندوہ

سے بیمار پڑ گئے اور موت کے منہ میں اتر گئے۔ آنے والے دنوں میں بستی میں چاروں طرف، موت، بیماری، بھوک اور افلاس کا دور دورہ رہا۔

اس دوران بارڈ حاکم اعلیٰ کے نام پر بڑھ چڑھ کر امدادی سرگرمیوں کی نگرانی کرتا رہا۔ لوگوں کی رہنمائی کرنا اور انھیں اپنی حفاظت اور رہائش کے لیے تیاریوں میں مصروف کرنا مشکل کام تھا۔ اگر انھیں فوری امداد نہ ملتی تو وہ خزاں کے تعاقب میں تیزی سے شدّت اختیار کرتی سردی میں زندہ نہ بچ پاتے۔ لیکن مدد جلد پہنچ گئی کیونکہ بارڈ نے فوراً تیز رفتار ہرکاروں کی ایک ٹولی جنگل باسی پری زادوں کے بادشاہ کی جانب مدد کی درخواست کے ساتھ روانہ کر دی تھی۔ اس ٹولی کی جلد ہی پری زادوں سے مڈبھیڑ ہو گئی جو پہلے ہی ان کی بستی کی جانب روانہ ہو چکے تھے۔ تاہم ان کے پہنچنے تک سماگ کی موت کو تین دن گزر چکے تھے۔

پری زادوں کے بادشاہ کو اپنے ہرکاروں اور اپنے جاسوس پرندوں سے اطلاع مل چکی تھی اور وہ جان چکا تھا کہ یہاں کیا واقعہ پیش آیا۔ سماگ کے ویرانے کے اردگرد رہنے والے تمام اڑنے والے پرندوں میں یہ اطلاع جنگل کی آگ کی مانند پھیل چکی تھی۔ آسمان میں چاروں جانب پرندوں کے غول کے غول اڑ رہے تھے اور ان میں تیز رفتار پرندے ایک جگہ سے دوسری جگہ یہ اطلاع پہنچا رہے تھے۔ جنگل کے کنارے پر آسمان میں سیٹیاں اور چہچہاہٹ پھیل رہی تھیں۔ بن سیاہ کے جنگلوں میں ایک ہی بات سنائی دے رہی تھی، ''سماگ مر گیا۔'' پتّے سرسرائے اور ہر ذی روح نے حیرت سے کان اس اطلاع کی جانب لگائے۔ پری زادوں کے بادشاہ کی روانگی سے پہلے ہی دھندلے پہاڑ کے صنوبر کے جنگلات تک یہ خبر پہنچ چکی تھی۔ بیورن کو اپنے چوبی گھر میں یہ خبر مل گئی اور مشتعل بھتنے اپنے غاروں میں بیٹھے منصوبے بنانے لگے۔

پری زادوں کے بادشاہ نے کہا، ''مجھے خدشہ ہے کہ تھورین اوکن شیلڈ کا قصہ بھی تمام ہوا۔ اس کے لیے بہتر ہوتا اگر وہ یہاں میرا مہمان رہتا۔ بہرحال اب حالات ایسے ہیں کہ کسی کا بھلا نہ ہوگا۔'' وہ بھی تھرور کے خزانے کے قصے کہانیاں سن چکا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب اس

کے ہراول دستے کی بارڈ کے ہرکاروں سے ملاقات ہوئی تو وہ ہزاروں نیزہ بازوں اور تیراندازوں کے ساتھ ان کی جانب روانہ ہو چکا تھا۔ اس کے سروں پر آسمان میں کوؤں کے جھنڈ کے جھنڈ اُڑ رہے تھے کیونکہ انھیں بھی احساس ہو رہا تھا کہ جنگ کے بادل منڈلا رہے ہیں، ایسی جنگ جس کی مثال اس علاقے میں سالوں سے نہ ملی تھی۔

لیکن جب پری زاد بادشاہ کو بارڈ کی درخواست ملی تو اس کے دل میں رحم ابھرا کیونکہ وہ نیک اور رحم دل قوم کا بادشاہ تھا۔ اس لیے اس نے اپنی فوجوں کا رخ پہاڑ کی جانب کرنے کے بجائے تیزی سے طویل جھیل کی جانب موڑ دیا۔ چونکہ اس کے پاس اپنی اس فوج کے لیے کافی کشتیاں یا بیڑے میسّر نہ تھے اس لیے اسے زمینی راستہ اختیار کرنا پڑا۔ تاہم امدادی سامان کی ایک بڑی کھیپ دریائی راستے سے روانہ کر دی گئی۔ پھر بھی پری زاد انتہائی تیزی سے چلنے کے قابل ہوتے ہیں اور اگرچہ انھیں دلدلی علاقوں اور جنگل اور جھیل کے درمیان واقع دشوار گزار راستوں سے گزرنے کی عادت نہ رہی تھی پھر بھی وہ بہت تیز رفتاری سے بڑھتے گئے۔ اژدھے کی موت کے پانچ دن بعد ہی وہ جھیل کنارے پر پہنچ گئے۔ تباہ حال بستی ان کی نگاہوں کے سامنے تھی۔ حسبِ توقع انھیں گرمجوشی سے خوش آمدید کہا گیا اور پری زاد بادشاہ کی امداد کے جواب میں بستی کا حاکمِ اعلیٰ اور باسی پری زادوں کو مستقبل میں تجارتی رعایتیں دینے پر تیار ہوئے۔

جلد ہی منصوبہ بندی کی گئی۔ حاکمِ اعلیٰ کی نگرانی میں عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور معذوروں کو بستی میں چھوڑ دیا گیا۔ بستی کے ہنرمند افراد اور فنِ تعمیر کے ماہر پری زادوں کی ایک بڑی تعداد بھی ان کے ساتھ تھی۔ یہ سب فوراً ہی جنگلات میں درخت کاٹنے، لکڑی چیرنے اور اسے دریا میں بستی کی جانب روانہ کرنے میں جت گئے۔ پھر وہ جھیل کنارے سردی کی آمد سے پہلے بے شمار جھونپڑے تعمیر کرنے میں مصروف ہو گئے۔ حاکمِ اعلیٰ کے احکام کے مطابق انھوں نے ایک نئے شہر کی منصوبہ بندی شروع کی جو پہلے شہر سے کہیں زیادہ وسیع اور خوبصورت تھا لیکن پرانے شہر والی جگہ پر نہ تھا۔ نیا شہر شمال کی جانب اس جگہ سے کافی دور تیار کیا جانا تھا جہاں

پانی میں اژدھے کی لاش پڑی تھی۔انھیں اب بھی اس سے خوف آتا تھا۔اب وہ کبھی اپنی سنہری کچھار میں لوٹ نہ پائے گا بلکہ وہ اتھلے پانیوں میں کسی پتھر کی مانند سرد پڑا تھا۔کئی سالوں تک اس کی دیوہیکل ہڈیاں پرانے شہر کے ملبے کے ساتھ پڑی دکھائی دیتی رہیں۔لیکن کسی کو اس کے قریب جانے کی ہمت نہ ہوتی نہ کسی کو یخ بستہ پانی میں کودنے کی جرأت ہوتی کہ اس کے گلتے سڑتے لاشے سے گرے ہوئے قیمتی ہیرے جواہرات ہی اتار لاتا۔

دوسری جانب بستی کے تمام تنومند افراد اور پری زادوں کی فوج کی اکثریت شمال میں پہاڑ کی جانب پیش قدمی کے لیے تیار ہوئی۔یوں شہر کی تباہی کے گیارہ دن بعد اس فوج کا پہلا سپاہی جھیل کے آخر میں پتھریلے راستے پر پہنچا اور اس ویران بیابان علاقے میں داخل ہوا۔

پندرہواں باب

اڈتے بادل

اب ہم واپس بلبو اور بونوں کی ٹولی کی جانب لوٹتے ہیں۔ ساری رات ان میں ایک پہرہ دیتا رہا لیکن صبح تک انھیں کوئی خطرہ دکھائی یا سنائی نہ دیا۔ البتہ آسمان پر پرندوں کے غول کے غول جمع ہو رہے تھے۔ جنوب کی جانب سے انواع واقسام کے پرندے نمودار ہو رہے تھے۔ پہاڑی کوّے کائیں کائیں کرتے ادھر ادھر اڑ رہے تھے۔

تھورین بول اٹھا، ''عجیب وغریب ماجرا ہے۔ پرندوں کی خزاں کی ہجرت کا وقت تو گزر چکا۔ یہ پرندے تو یوں بھی دور میدانی علاقوں میں پائے جاتے ہیں۔ یہاں تو شارقوں، میناؤں اور چڑیوں کے جھنڈ اڑ رہے ہیں اور وہاں مردار خور پرندے بھی دکھائی دے رہے ہیں جیسے کوئی جنگ ہونے والی ہو۔''

یکا یک بلبو نے ایک جانب اشارہ کیا، ''دیکھو! وہی جنگلی چڑیا دوبارہ آن پہنچی ہے۔ لگتا ہے جب سماگ نے پہاڑ کو تباہ و برباد کیا تھا تو یہ بچ نکلی تھی۔ لیکن گھونگے تو یقیناً بچ نہ پائے ہوں گے۔''

واقعی یہ وہی جنگلی چڑیا تھی اور جیسے ہی بلبو نے اس کی جانب اشارہ کیا تو وہ ان کی جانب

اڑی اور ان کے قریب ایک پتھر پر آن بیٹھی۔ پھر اس نے اپنے پَر پھڑ پھڑائے اور چہچہانے لگی۔ اس نے اپنا سر ایک جانب گھمایا جیسے کچھ سننے کی کوشش کر رہی ہو۔ وہ دوبارہ چہچہائی اور ایک مرتبہ پھر خاموش ہو کر سننے لگی۔

بالین بولا، ''مجھے لگتا ہے کہ جیسے یہ ہمیں کچھ بتانے کی کوشش کر رہی ہے۔ لیکن مجھے پرندوں کی اس نسل کی بولی سمجھ نہیں آتی کیونکہ یہ بہت تیز اور مشکل ہے۔ بلبو، کیا تم اس کی کوئی بات سمجھ سکتے ہو؟''

بلبو نے جواب دیا، ''پوری طرح تو نہیں۔'' (حقیقت تو یہ تھی کہ چڑیا کی بولی کا ایک لفظ بھی اس کے پلے نہ پڑا تھا)، ''لیکن کچھ بھی ہو، یہ بہت مضطرب دکھائی دیتی ہے۔''

بالین بولا، ''کاش یہ پہاڑی کوّا ہوتا۔''

''میں تو سمجھا تھا کہ تمھیں پہاڑی کوّے پسند نہیں ہیں۔ جب ہم پہلے یہاں پہنچے تو تمھیں وہ بہت برے لگتے تھے۔''

''اوہ وہ میدانی کوّے تھے جو بہت مشکوک اور پُراسرار ہوتے ہیں۔ تم نے وہ تمام مغلظات سنی ہوں گی جو وہ ہمارے بارے میں کہہ رہے تھے۔ لیکن یہ پہاڑی کوّے مختلف ہوتے ہیں۔ کسی زمانے میں ان کی نسل اور تھرور کی قوم کے درمیان گہری دوستی ہوا کرتی تھی۔ وہ ہمیں اردگرد کی خفیہ اطلاعات فراہم کیا کرتے تھے اور ہم انھیں چمکدار چیزیں دیا کرتے تھے جنھیں وہ بڑے شوق اور اہتمام سے اپنے گھونسلوں میں چھپایا کرتے تھے۔ ان کی عمریں طویل اور یادداشت زبردست ہوا کرتی تھی۔ وہ اپنی عقل و دانش نسل در نسل اپنے بچوں کو منتقل کرتے ہیں۔ جب میں کمسن بونا ہوتا تھا تو میری پہاڑوں پر رہنے والے کوّوں سے بہت شناسائی ہوتی تھی۔ اس پہاڑی کو بھی کسی زمانے میں ریون ہِل کہتے تھے کیونکہ یہاں میرا دوست پہاڑی کوّا تعارق اور اس کی مادہ یہیں چوکی کے اوپر بسیرا کیا کرتے تھے۔ لیکن اب شاید اس قدیم نسل کا کوئی کوّا یہاں نہیں رہتا۔''

جیسے ہی اس نے اپنا جملہ ختم کیا جنگلی چڑیا زور سے چہچہائی اور تیزی سے ایک جانب اڑ

گئی۔ بالین بولا، ''ہمیں شاید اس کی کوئی بات سمجھ نہ آئی تو لیکن مجھے یقین ہے کہ اسے ہماری سب باتیں سمجھ آ رہی تھیں۔ بہر حال دیکھتے ہیں اب کیا ہوتا ہے۔''

تھوڑی ہی دیر بعد پروں کی پھڑ پھڑاہٹ سنائی دی اور جنگلی چڑیا واپس آتی دکھائی دی۔ اس کے ساتھ پیچھے پیچھے ایک عمر رسیدہ پہاڑی کوّا تھا۔ اسے دکھائی نہ دیتا تھا، وہ بمشکل تمام اڑ پا رہا تھا اور اس کا سر مکمل طور پر گنجا ہو چکا تھا۔ وہ انتہائی بوڑھا کوّا تھا۔ جیسے تیسے وہ ان کے عین سامنے زمین پر اترا، اپنے پر پھڑ پھڑائے اور ہولے ہولے لنگڑاتا ہوا تھورین کی جانب بڑھا۔

''اے تھورین بن تھرین اور اے بالین بن فنڈین۔'' وہ اپنی کمزور لیکن کرخت آواز میں بولا۔ (بلبو کو اس کی ساری بات سمجھ آئی کیونکہ وہ پرندوں کی بولی نہیں بول رہا تھا بلکہ وہ انسانوں کی بولی بول رہا تھا)، ''میں قعارق کا بیٹا روعاق ہوں۔ قعارق مر چکا ہے۔ کسی زمانے میں تم ایک دوسرے کو خوب جانتے تھے۔ مجھے انڈے سے نکلے ایک سو اور تین اور پچاس سال ہو گئے لیکن مجھے ابھی تک یاد ہے جو میرے باپ نے مجھے بتایا تھا۔ اب میں پہاڑ پر رہنے والے تمام پہاڑی کوّوں کا سردار ہوں۔ اب ہم تعداد میں تو کم رہ گئے ہیں لیکن ہمیں پرانے زمانے کے بادشاہ کا وقت اب بھی یاد ہے۔ میرے زیادہ تر ساتھی تو جنوب کی جانب چلے گئے ہیں جہاں سے عجیب و غریب اطلاعات موصول ہو رہی ہیں۔ کچھ اطلاعات تو شاید تمھارے لیے خوشی کا باعث ہوں لیکن کچھ ایسی بھی ہیں جو تمھاری خاطر بہت اچھی خبریں نہ ہوں گی۔''

''ادھر دیکھو! وہاں پرندے ایک مرتبہ پھر پہاڑ کے قریب جمع ہو رہے ہیں اور جنوب مشرق اور مغرب سے ڈیل کی جانب اڑے جا رہے ہیں کیونکہ انھیں اطلاع ملی ہے کہ سماگ مر گیا ہے۔''

بونے چیخ اٹھے، ''مر گیا ہے! سماگ مر گیا ہے! اور ہم یونہی خوفزدہ ہو رہے تھے۔ اب خزانہ ہمارا ہے۔'' وہ سب اچھل کھڑے ہوئے اور خوشی سے ناچنے لگے۔

روعاق بولا، ''ہاں، مر چکا ہے! ہماری دوست چڑیا، اس کے پر ہمیشہ سلامت رہیں، اس نے اسے مرتے دیکھا اور ہمیں اس کی بات پر اعتبار ہے۔ اس کی موت آج سے تین راتیں

پہلے چاند کی روشنی میں ایسگاروتھ کے باسیوں کے ساتھ لڑائی میں ہوئی۔''

تھورین کافی دیر بعد جوش وخروش میں اچھلتے کودتے بونوں کو پُرسکون کرنے میں کامیاب ہوا تاکہ کوّے کی پوری دستان سنی جاسکے۔ روعاق نے جنگ کی لمحہ بہ لمحہ روداد بیان کی اور پھر آخر میں بولا، ''تھورین اوکن شیلڈ، یہ تو ہوئی خوشخبری.... اب تم سکون سے واپس اپنے محل میں جاسکتے ہو۔ تمام خزانہ اب تمھاری ملکیت ہے.... کم از کم وقتی طور پر! لیکن یہاں پرندوں کے علاوہ اور بھی بہت لوگ جمع ہورہے ہیں۔ خزانے کے قابض کی موت کی خبر چاروں جانب پھیل چکی ہے اور صدیاں گزرنے کے باوجود تھرور کے خزانے کی داستانیں آج تک زبان زدِ عام ہیں۔ اس میں اپنے حصے کے دعوے دار بھی بہت ہیں۔ پری زادوں کی ایک فوج اس جانب پیش قدمی کررہی ہے اور ان کے ساتھ ساتھ لاتعداد مردار خور پرندے بھی ہیں جو جنگ وجدل اور خون خرابے کی توقع لگائے ہیں۔ جھیل نگر کے سبھی باسی سرگوشیاں کررہے ہیں کہ ان کی تباہی اور بربادی کی ذمہ داری بونوں پر ہے۔ وہ بے گھر ہوچکے ہیں، ان میں بہت سے موت کے گھاٹ اتر چکے ہیں اور سماگ نے ان کی بستی بھی اجاڑ ڈالی ہے۔ چاہے تم زندہ ہو یا مردہ، وہ سب بھی تمھارے خزانے سے اپنے نقصانات کی تلافی کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔''

''اب تمھاری حکمتِ عملی کا دارومدار تمھاری اپنی دانش پر ہے۔ لیکن ڈیورن بونوں کی عظیم نسل جو کبھی یہاں بستی تھی اور جواب دور دراز بکھر چکی ہے اس میں صرف تیرہ بونے موجود ہیں جو انتہائی قلیل تعداد ہے۔ اگر تم میرا مشورہ مانو تو تم جھیل نگر کے حاکمِ اعلیٰ پر کبھی اعتبار نہ کرنا۔ اس پر اعتماد کرنا جس نے اپنی کمان سے اژدھے کو مار گرایا۔ اس کا نام بارڈ ہے، وہ ڈیل سے تعلق رکھنے والا اور گیریان کی نسل سے ہے۔ اگرچہ وہ سخت گیر شخص ہے لیکن سچا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ اس تباہی و بربادی کے بعد انسانوں اور بونوں کے درمیان ایک مرتبہ پھر امن قائم ہو جائے لیکن اس کے لیے تمھیں سونے چاندی کی صورت میں بھاری قیمت ادا کرنی پڑے گی۔ بس مجھے یہی کہنا ہے۔''

تھورین طیش میں بول اٹھا، ''روعارق بن قعارق، تمھارا شکریہ! میں تمھیں اور تمھارے ساتھیوں کی مدد کو نہیں بھولوں گا۔ لیکن جب تک میں زندہ ہوں کوئی چور یا اُچکّا ہمارا سونا نہیں لے جا سکتا۔ اگر تم ہم پر مزید احسان کرنا چاہتے ہو تو جاؤ اور ہمیں اس جانب آنے والوں کی خبر دو۔ میری ایک اور درخواست ہے کہ اگر تمھاری نسل میں کوئی ایسے ہیں جو ابھی تک جوان ہیں اور جن کے پَر طاقتور ہیں تو انھیں یہاں سے مغرب اور مشرق کے پہاڑوں میں روانہ کر دو تا کہ وہ میری نسل کے لوگوں تک ہماری صورتِ حال کی اطلاع پہنچائیں۔ لیکن خصوصاً میرے عم زاد ڈین آہن قدم تک ضرور اطلاع پہنچانا جس کے پاس بڑی تعداد میں مسلح جنگجو بونے ہیں اور جس کی رہائش گاہ فولادی پہاڑی یہاں سے قریب ترین ہے۔ اسے کہنا کہ وہ یہاں فوراً پہنچے۔''

روعارق اپنی کرخت آواز میں بولا، ''میں یہ نہیں کہتا کہ یہ فیصلہ درست ہے یا غلط۔ لیکن مجھ سے جو کچھ بن پڑا ضرور کروں گا۔'' یہ کہتے ہوئے وہ ہولے ہولے اڑ گیا۔

تھورین اپنے ساتھیوں سے چیخ کر بولا، ''سب واپس پہاڑ میں داخل ہو جاؤ! ہمارے پاس ضائع کرنے کو وقت نہیں ہے۔''

بلبو بول اٹھا، ''ہمارے پاس کھانے کو کھانا بھی نہیں ہے۔'' ایسے معاملات میں بلبو عموماً بہت عملیت پسند ہوا کرتا تھا۔ یوں بھی اصولی طور پر سماگ کے مرنے کے بعد اس کی مہم تو ختم ہو چکی تھی (یہاں وہ غلطی پر تھا) اب وہ اس معاملے کے پُرامن حل کے لیے اپنے حصے کا بڑا حصّہ دینے پر بھی تیار تھا۔

سارے بونے یوں چلّائے جیسے کسی نے اس کی بات ہی نہ سنی ہو، ''واپس پہاڑ میں۔'' یوں اسے بھی ان کے ساتھ اندر داخل ہونا پڑا۔

جیسا کہ آپ ان واقعات کے بارے میں جان چکے ہیں تو آپ کو علم ہو گا کہ بونوں کے پاس تیاری کرنے کے لیے ابھی چند دن تھے۔ انھوں نے ایک مرتبہ پھر غار کا تفصیلی جائزہ لیا اور حسبِ توقع انھیں اندازہ ہوا کہ غار میں آمد رفت کے لیے صرف ایک ہی راستہ کھلا تھا جو بیرونی دروازہ تھا۔ سوائے چھوٹے خفیہ دروازے کے تمام دوسرے راستے اور دروازے عرصہ

ہوا سماگ کے ہاتھوں تباہ ہو چکے تھے اور مکمل طور پر بند ہو چکے تھے اور اب ان کا نام ونشان بھی باقی نہ تھا۔ بس وہ اسی واحد دروازے کو مضبوط کرنے اور یہاں سے ایک ہی تنگ راستہ بنانے میں جت گئے۔ پرانے زمانے میں یہاں کام کرنے والے کان کنوں، مزدوروں اور محنت کشوں کے چھوڑے ہوئے لاتعداد اوزار ابھی تک موجود تھے۔ یوں بھی ایسے تعمیراتی کاموں میں بونے خصوصاً مہارت کے حامل ہوتے ہیں۔

جیسے جیسے وہ اپنے کام میں مصروف رہے تو کوّے لگا تار انھیں اطلاعات فراہم کرتے رہے۔ یوں انھیں معلوم ہوا کہ بن باسی پری زادوں کا بادشاہ اب جھیل نگر کی جانب چلا گیا ہے اور انھیں مزید کچھ وقت مل گیا۔ اس سے بھی بہتر خبر یہ تھی کہ ان کے خچروں میں سے تین بچ نکلے تھے دریائے رواں کے کنارے کے قریب پھر رہے تھے اور اس مقام سے بہت دور نہ تھے جہاں انھوں نے اپنا سامان چھوڑا تھا۔ باقی جب اپنے کام میں لگے رہے تو فیلی اور کیلی کو کوّوں کی نشاندہی میں خچروں اور بچے کھچے سامان کو لانے بھیج دیا گیا۔

اب انھیں چار دن ہو چلے تھے اور انھیں اطلاع ملی کہ جھیل نگر کے باسیوں اور پری زادوں کی فوجیں پہاڑ کی جانب روانہ ہو گئی ہیں۔ لیکن اب ان کے حوصلے قدرے بلند تھے کیونکہ اب ان کے پاس مزید چند ہفتوں کا کھانے پینے کا سامان پہنچ چکا تھا۔ اگرچہ اس میں زیادہ تر ''کرام'' ہی تھا جس پر انھوں نے ناک بھوں چڑھائی۔ بہرحال کچھ نہ ہونے سے ''کرام'' ہی بہتر تھا۔ دوسری جانب بیرونی دروازہ کے عین سامنے بھاری چوکور پتھروں کی ایک بلند اور مضبوط دیوار کھڑی ہو چکی تھی۔ دیوار میں تنگ سوراخ چھوڑے گئے تھے جن میں دشمنوں کو دیکھا اور ان پر تیر برسائے جا سکتے تھے لیکن گزرنے کی جگہ نہ تھی۔ اندر اور باہر جانے کے لیے وہ سیڑھیاں اور سامان لانے لے جانے کے لیے رسیاں استعمال کرتے رہے۔ پہاڑ کے اندر سے برآمد ہوتے ہوئے دریا کے لیے نئی دیوار کے نیچے ایک تنگ محراب بنائی گئی۔ دروازے کے سامنے پہاڑ کی دیوار اور ڈیل کی جانب گرنے والے آبشار کے درمیان ایک وسیع اور گہرا تالاب بنا دیا گیا۔ اب دروازے کے طرف جانے کے لیے پانی بھری خندق میں تیرنے اور

پہاڑ کی دیوار کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے ایک تنگ چھجے سے گزرنے کے علاوہ اور کوئی راستہ نہ تھا۔ خچروں کو پرانے پل کے ساتھ بھی سیڑھیوں تک ہی لایا گیا اور پھر انھیں جنوب میں اپنے مالکوں کے پاس جانے کے لیے چھوڑ دیا گیا۔

پھر ایک رات انھیں جنوب میں ڈیل کی جانب سے روشنی دکھائی دی جیسے کسی نے لاتعداد مشعلیں اور الاؤ روشن کر رکھے ہوں۔ بالین بولا، ''وہ آن پہنچے ہیں اور ان کی فوجوں کا پڑاؤ بہت بڑا ہے۔ لگتا ہے وہ شام کے دھندلکے کی آڑ میں دریا کے دونوں کناروں کی اوٹ میں چھپتے چھپتے وادی میں آن پہنچے ہوں گے۔''

اس رات بونے بہت کم سوئے۔ دوسرے دن ابھی صبح پوری طرح نہ چڑھی تھی کہ انھیں اپنی جانب ایک جماعت آتی دکھائی دی۔ دیوار کی اوٹ سے وہ انھیں آہستہ آہستہ وادی سے پہاڑی پر چڑھتے دیکھتے رہے۔ جب وہ قریب پہنچے تو بونوں نے دیکھا کہ جھیل نگر کے باسی جنگی لباس میں ملبوس تھے اور ان کے درمیان بن باسی پری زادوں کے تیر انداز بھی تھے۔ بالآخر ان میں اگلے سپاہی ساگ کے حملے سے ٹوٹے پھوٹے پتھروں سے گزرتے ہوئے دروازے کے سامنے آن پہنچے۔ ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب انھوں نے دیکھا کہ ان کے راستے میں ایک گہرا تالاب تھا اور دروازے کے سامنے تازہ تراشیدہ پتھروں کی ایک اونچی دیوار کھڑی تھی۔

وہ وہیں کھڑے ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے اور اشارے کر رہے تھے کہ تھورین بلند آواز میں پکار اٹھا، ''کون ہو تم لوگ جو تھورین بن تھرین، پہاڑ پاتال کے بادشاہ کی دہلیز پر یوں جنگ کے لیے تیار کمر بستہ آ کھڑے ہو؟ تم کیا چاہتے ہو؟''

لیکن ان کی جانب سے کوئی جواب نہ آیا۔ کچھ تو فوراً الٹے پاؤں لوٹ گئے اور کچھ تھوڑی دیر تک کھڑے دروازے اور اس کے سامنے کیے گئے حفاظتی اقدامات کا جائزہ لیتے رہے اور پھر وہ بھی لوٹ گئے۔ اس دن فوجوں کا پڑاؤ دریا کے مشرق کی جانب پہاڑ کے پہلو میں دو پہاڑیوں کے عین درمیان منتقل کر دیا گیا۔ رات کو بہت عرصہ بعد پہاڑ کی چٹانیں آوازوں اور

گیتوں سے گونج اٹھیں۔ انھیں پری زادوں کے بربطوں کی مترنّم موسیقی بھی سنائی دینے لگی۔ جیسے ہی گیتوں اور موسیقی کی آوازیں ان تک پہنچیں انھیں یوں لگا جیسے سرد ہوا میں گرمی پیدا ہو رہی ہو اور بہار میں پھوٹنے والے پھولوں اور کلیوں کی بھینی بھینی مہک بھی ان تک پہنچ رہی ہو۔

اس وقت بلبو کا جی چاہا کہ وہ اس تاریک قلعے سے نکل کر نیچے وادی میں اتر جائے اور وہاں روشن الاؤ کے گرد ناچنے گانے اور کھانے پینے میں شریک ہو جائے۔ اس کے ساتھیوں میں کچھ کم عمر بونے بھی دل میں ایسا ہی محسوس کر رہے تھے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ کاش حالات مختلف ہوتے اور وہ وادی میں بیٹھے لوگوں کو دوستوں میں شمار کر سکتے۔ لیکن تھورین قہر آلود نگاہیں لیے بیٹھا رہا۔

پھر بونے خود بھی خزانے سے ڈھونڈے گئے بربط اور دیگر آلاتِ موسیقی اٹھا لائے اور تھورین کے مزاج کو خوشگوار بنانے کے لیے انھیں بجانے لگے۔ لیکن ان کا گیت پری زادوں کے گیتوں جیسا نہ تھا بلکہ اس گیت جیسا ہی تھا جو انھوں نے بہت عرصہ ہوا بلبو کے زمین دوز گھر میں گایا تھا...

تاریک بلند پہاڑ کے پاتال میں، لوٹ آیا شاہ اپنے دربار میں
اس کا دشمن موت کا کیڑا ختم ہوا، جیسے گریں گے سارے دشمن
تلوار اور بھالا لمبا، بجلی جیسا تیر اور پتھر جیسا دروازہ
سونا دیکھ کر جی ہو کڑا، کبھی نہ ہو گا اب بونوں کا برا
جادو بنائے بونوں نے، ہتھوڑے گریں گھنٹوں کی طرح
خالی ہالوں میں گہرے کالے غاروں کی طرح
چاندی کے ہاروں میں تاجوں میں ستاروں کی چمک
ٹیڑھی میڑھی تاروں سے اژدھے کی ناک کے شعلوں سے
بربط کی تال بناتے ہیں

آزاد ہوا اک بار پھر پاتال پہاڑ کا تخت

اے دشت نوردو، سنو پکار ہماری

جلدی آؤ، جلدی آؤ، ویرانے پار سے،

دوستوں کے شاہ کی مدد ہے لازم

سرد پہاڑوں سے بلاتے ہیں، پرانے غاروں میں لوٹ آؤ

منتظر بیٹھا ہے یہاں شاہ، ہاتھ بھرے سونے چاندی سے

تاریک بلند پہاڑ کے پاتال میں، لوٹ آیا شاہ اپنے دربار میں

اس کا دشمن موت کا کیڑا ختم ہوا، جیسے گریں گے سارے دشمن

اس گیت کا تھورین پر کچھ خوشگوار اثر ہوا کیونکہ اب وہ مسکرانے لگا اور ان کے ساتھ ہنسنے گانے لگا۔ وہ یہاں سے فولاد پہاڑی کے فاصلے کا اندازہ لگانے لگا اور سوچنے لگا اگر پیغام ملنے پر ڈین آہن قدم فوری طور پر کوہِ یکتا کی جانب روانہ ہو جائے تو اسے یہاں تک پہنچنے میں کتنا وقت لگے گا۔ لیکن بلبو کے چہرے پر مایوسی کے سائے لہرانے لگے کیونکہ گیت اور گفتگو کا موضوع جنگ و جدل تھا۔

دوسرے دن انھیں نیزہ بازوں کی ایک ٹولی دریا پار کرتے اور پہاڑ کی جانب آتی دکھائی دی۔ ان کے ہاتھ میں بن باسی پری زادوں کے بادشاہ کا سبز جھنڈا اور جھیل نگر کے باسیوں کا نیلا پرچم تھا اور وہ چلتے چلتے بیرونی دروازے کے عین سامنے آن پہنچے۔

تھورین ایک مرتبہ پھر پکار کر ان سے مخاطب ہوا، ”کون ہو تم جو جنگ کی تیاریاں کیے تھورین بن تھرین، پہاڑ پاتال کے بادشاہ کی دہلیز پر آن کھڑے ہوئے ہو؟“ اس مرتبہ اسے جواب دیا گیا۔

ایک طویل القامت، سیاہ بالوں اور درشت چہرے والا شخص آگے بڑھا اور بلند آواز میں بولا، ”سلام تھورین! تم کسی چور کی طرح کیوں چھپ کر بیٹھے ہو؟ ہمارے درمیان ابھی تک کوئی

دشمنی نہیں ہے اور ہم تمھیں زندہ دیکھ کر خوش ہوئے کیونکہ ہمیں تمھاری زندگی کی کوئی امید نہ تھی۔ ہم توقع کر رہے تھے کہ ہمیں یہاں کوئی زندہ سلامت نہ ملے گا۔ اب چونکہ ہم مل چکے ہیں تو گفت وشنید اور مذاکرات کا معاملہ باقی ہے۔''

''تم کون ہو اور کس معاملے کے بارے میں مذاکرات کرنا چاہتے ہو؟''

''میرا نام بارڈ ہے اور اژدھے کی موت اور تمھارے خزانے کی آزادی میرے ہی ہاتھوں ممکن ہوئی۔ کیا اس معاملے سے تمھارا کوئی تعلق نہیں ہے؟ میں ڈیل کی گیریان نسل کا وارث ہوں جس کے شہروں اور گھروں کی دولت بھی اس خزانے میں شامل ہے جو سماگ لوٹ لایا تھا۔ کیا ہمیں اس معاملے پر بات چیت نہیں کرنی چاہیے؟ اس کے علاوہ اپنی آخری تباہ کاری میں سماگ نے ایسگاروتھ کے باسیوں کے گھر بار تباہ کر دیئے ہیں اور میں ابھی تک اس بستی کے حاکمِ اعلیٰ کا سپاہی ہوں۔ اس کے نام پر میں تم سے پوچھتا ہوں کہ کیا تمھارے دل میں جھیل نگر کے باسیوں کے رنج والم کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے؟ انھوں نے مشکل کے وقت میں تمھاری مدد کی جس کے جواب میں تم نے انھیں ابھی تک تباہی وبربادی کے علاوہ کچھ نہ دیا ہے، اگرچہ ہم سب خوب جانتے ہیں کہ ایسا کرنا تمھارا ارادہ نہ تھا۔''

اگرچہ لہجہ سخت اور رعب دار تھا لیکن بارڈ کی باتیں درست اور مناسب تھیں اور بلبو کا خیال تھا کہ تھورین ان کی سچائی اور درستی کو فوراً بھانپ جائے گا۔ اسے البتہ اس بات کی توقع نہ تھی کہ کوئی یہ بات بھی یاد رکھے گا کہ یہ بلبو ہی تھا جس نے تن تنہا سماگ کی یہ کمزوری ڈھونڈ نکالی تھی۔ بہرحال کسی نے اس بات کا ذکر نہ کیا۔ اسے اس بات کا اندازہ بھی نہ تھا کہ اتنے عرصے تک سونے چاندی کے ڈھیروں پر کنڈلی جمائے اژدھے کے دل پر ایک خزانے کا کیا اثر ہوتا ہے یا کسی بونے کے دل پر.... اس کیفیت کو ''اژدھے کا روگ'' کہتے ہیں۔ پچھلے چند دنوں سے تھورین ہیرے جواہرات کے ڈھیروں کے درمیان گھومتا پھرتا تھا اور اس مال ودولت کی حرص اب اس کے دل میں رچ بس چکی تھی۔ اگرچہ اس کی نگاہیں آرکن سٹون کی متلاشی رہیں لیکن اس کے ذہن میں لاتعداد دیگر ایسی حیرت انگیز اور شاندار چیزیں بھی تھیں جن سے اس کی نسل

کی محنت و مشقت اور تکالیف کی یادیں منسلک تھیں۔

تھورین نے جواب دیا، ''تم نے اپنی سب سے بڑی مشکل سب سے آخر میں پیش کی ہے اور بہترین انداز میں پیش کی ہے۔ میری قوم کے خزانے پر کسی اور شخص کا کوئی حق نہیں ہے کیونکہ سماگ نے جس شخص سے یہ خزانہ چرایا تھا اس نے ساتھ ساتھ اس سے اس کی زندگی اور گھر بار بھی چھین لیا تھا۔ یہ خزانہ سماگ کا نہ تھا کہ اس کی قتل و غارت گری کی تلافی کے طور پر اس کی تقسیم کی جائے۔ جھیل نگر کے باسیوں کی فراہم کردہ اشیا اور امداد کا مکمل اور منصفانہ معاوضہ ہم وقت آنے پر ضرور پیش کریں گے۔ لیکن طاقت کی دھونس اور دھمکی پر ہم کچھ نہیں دیں گے چاہے اس کی وقعت روٹی کے ایک ٹکڑے کے برابر ہی کیوں نہ ہو۔ جب تک ایک مسلح فوج ہمارے دروازوں کے سامنے موجود رہے گی ہم تمھیں خود پر حملہ آور اپنا دشمن تصور کریں گے۔ میں یہ جاننا چاہوں گا کہ اگر تمھیں یہ خزانہ یونہی لاوارث ملا ہوتا اور ہم سب مر چکے ہوتے تو تم اپنے شہر کے باسیوں کے حصے میں سے ہمارے وارثوں کو کتنا حصّہ ادا کرنے پر تیار ہوتے؟''

بارڈ بولا، ''تمھارا سوال جائز ہے۔ لیکن تم زندہ ہو اور ہم چور نہیں ہیں اور خزانوں کے مالکوں کو ان ضرورت مندوں پر ان کے حق سے زیادہ رحم کرنا چاہیے جنھوں نے ان کی مشکل کے وقت ان کی جانب دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا اور میرے دوسرے دلائل کا ابھی تک تم نے کوئی جواب نہیں دیا۔''

''میں کہہ چکا ہوں کہ میں اپنے دروازے پر کھڑے مسلح جتھوں سے مذاکرات نہیں کروں گا اور نہ ہی پری زادوں سے جن کے لیے میرے دل میں کوئی نرم گوشہ نہیں ہے۔ اس بحث میں ان کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ اب اس سے پیشتر کہ ہمارے تیر ہماری کمانوں سے نکل جائیں یہاں سے چلے جاؤ اور اگر تم مجھ سے بات چیت کرنا چاہتے ہو تو پہلے پری زاد بادشاہ کی فوج کو واپس جنگل میں بھیجو جو ان کی اصلی جگہ ہے اور پھر یہاں لوٹنا اور اس دروازے کی دہلیز کے قریب آنے سے پہلے اپنے ہتھیار پھینک کر آنا۔''

بارڈ نے جواب دیا، ''پری زاد بادشاہ میرا دوست ہے جس نے مصیبت کی اس گھڑی

میں جھیل نگر کے باسیوں کی مدد کی ہے حالانکہ ہمارا ان کے ساتھ تجارت کے علاوہ اور کوئی تعلق نہ تھا۔ ہم تمھیں اپنے الفاظ پر غور کرنے کا وقت دیتے ہیں۔ ہماری واپسی سے پہلے سوچ سمجھ کر فیصلہ کرلو۔"

یہ کہتے ہوئے وہ مڑا اور اپنے پڑاؤ کی جانب چلا گیا۔

کچھ گھنٹوں کے بعد علم بردار واپس لوٹے اور نقارچیوں نے نقارے بجاتے ہوئے پکار لگائی، "ایسگا روتھ اور بن باسی پری زادوں کے نام پر ہم تھورین ولد تھرین ولد اوکن شیلڈ سے مخاطب ہیں جو خود کو پہاڑ پاتال کا بادشاہ مانتا ہے اور ہم درخواست کرتے ہیں کہ وہ پیش کردہ مطالبات پر غور کرے یا ہمارا دشمن ٹھہرے۔ اسے اس خزانے کا کم از کم بارہواں حصّہ بارڈ تیرانداز کو دینا ہوگا جو اژدھے کا قاتل اور گیریان نسل کا وارث ہے۔ بارڈ اپنے حصے سے ایسگا روتھ کی بحالی کے کام میں حصّہ ڈالے گا۔ لیکن اگر تھورین ولد تھرین کے دل میں اپنے آباؤاجداد کی طرح اس علاقے کے باسیوں کے لیے خیر سگالی اور بھائی چارے کے احساسات ہیں تو وہ اپنی مرضی سے جھیل نگر کے باسیوں کی امداد میں شریک ہوگا۔"

تھورین نے اپنے قریب پڑی کمان اٹھائی اور نقارچی کی جانب ایک تیز چلا دیا۔ تیر نقارچی کی چوبی ڈھال میں جا کر پیوست ہوگیا اور لرزنے لگا۔

نقارچی نے جواب میں پکار کر کہا، "اگر تمھارا یہی جواب ہے تو میں پہاڑ کے محاصرے کا اعلان کرتا ہوں۔ تم یہاں سے اس وقت تک نکل نہ پاؤ گے جب تک کہ تمھاری جانب سے مذاکرات اور مشاورت کی درخواست نہ کی جائے۔ ہم تمھارے خلاف ہتھیار نہیں اٹھائیں گے اور ہم تمھیں اپنے خزانے کے ساتھ چھوڑے جاتے ہیں۔ تم چاہو تو اندر موجود سونے چاندی سے اپنا پیٹ بھر سکتے ہو۔"

اس کے ساتھ ہی ایلچی روانہ ہو گئے اور بونے اس صورتِ حال پر غور کرنے لگے۔ تھورین اتنی طیش میں تھا کہ چاہتے ہوئے بھی اس کے کسی ساتھی میں اس سے بحث کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ یوں بھی سوائے بومبور اور فیلی اور کیلی کے ان میں اکثر تھورین سے متفق تھے۔

بلبوتو یقیناً حالات کے اس نئے موڑ سے خوش نہ تھا۔ وہ اب اس پہاڑ سے تنگ آ چکا تھا اور اسی پہاڑ میں محصور رہ جانا اسے قطعی پسند نہ تھا۔

وہ بڑبڑایا، ''سارے پہاڑ سے ابھی تک اژدھے کی سرانڈ اٹھ رہی ہے اور مجھے ابکائی آ رہی ہے اور یہ ''کرام'' تو میرے حلق میں پھنسنے لگا ہے۔''

سولھواں باب
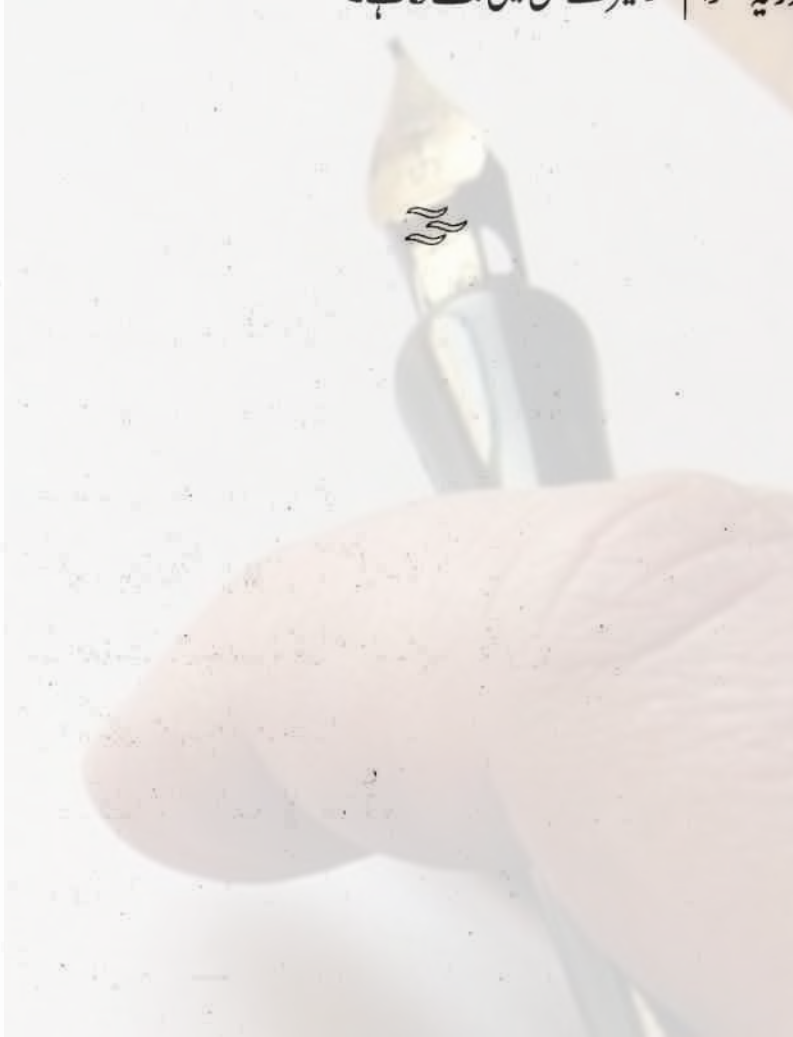
رات میں چور

اب لمبے بوجھل دن مزید آہستگی سے گزرنے لگے۔ بیشتر بونے اب خزانے کی گنتی کرنے اور اسے ترتیب دینے میں مصروف ہوئے۔ تھورین نے بھی تھرین کے آرکن سٹون کا ذکر کیا اور انھیں ہدایت دی کہ اسے ہر صورت میں تلاش کیا جائے۔

وہ کہنے لگا، ''میرے لیے اپنے باپ کا آرکن سٹون سونے کے پہاڑ سے بھی زیادہ قیمتی ہے اور میری نظر میں دنیا بھر میں اس سے زیادہ بیش قیمت کوئی چیز نہیں ہے۔ اس خزانے میں صرف وہی ایک چیز ہے جو میں اپنے نام کرتا ہوں اور اگر وہ کسی کو ملا اور اس نے اسے مجھ سے چھپایا تو وہ میرا دشمن ہوگا۔''

بلبو نے یہ الفاظ سنے تو اسے خدشہ لاحق ہوا کہ اگر یہ معلوم ہو گیا کہ وہ ہیرا کپڑوں کی تھیلی میں لپٹا بلبو کے پاس موجود ہے جسے وہ تکیے کے طور پر استعمال کرتا ہے تو نجانے تھورین کیا کرے گا۔ پھر بھی اس نے کسی سے ہیرے کا ذکر نہ کیا کیونکہ جیسے جیسے دن گزرتے گئے اس کے ذہن میں ایک منصوبہ تشکیل پانے لگا۔

حالات چند دن مزید ایسے ہی چلتے رہے کہ پہاڑی کوؤں نے خبر دی کہ ڈین آہن قدم

اپنے پانچ سو جنگجوؤں کے ساتھ فولاد پہاڑی سے روانہ ہو چکا ہے اور شمال مشرق کی سمت سے آتے ہوئے اب ڈیل سے صرف دو دن کی مسافت پر تھا۔

روعاق نے بتایا، ''لیکن وہ پہاڑ تک بلا رکاوٹ نہیں پہنچ سکتا اور مجھے خدشہ ہے کہ وادی میں جنگ چھڑ جائے گی۔ میرے خیال میں یہ کوئی مناسب لائحہ عمل نہیں ہے۔ اگرچہ ڈین آہن قدم کے جنگجو بونے لڑاکے اور مسلح ہیں لیکن پھر بھی تمھارا محاصرہ کرنے والی فوج پر غلبہ حاصل نہ کر پائیں گے اور اگر وہ فتح حاصل کر بھی لیں تو تمھیں کیا ملے گا؟ سردی اور برفباری ان کے ساتھ ساتھ بڑھ رہی ہے۔ اس علاقے کے لوگوں کے ساتھ دوستی اور مفاہمت کے بغیر تم کھانے پینے کا کیا انتظام کرو گے؟ اژدھا تو مر گیا لیکن اس کا خزانہ بھی تمھاری موت کا سامان بن جائے گا۔''

لیکن تھورین کی ہٹ دھرمی قائم رہی۔ وہ کہنے لگا، ''سردی اور برف انسانوں اور پری زادوں کو بھی کاٹے گی اور اس ویرانے میں پڑاؤ ڈالے رہنا ان کے لیے بھی نا قابلِ برداشت ہوگا۔ جب سردی آن پہنچے گی اور میرے دوست ان کے عقب میں پہنچ چکے ہوں گے تو یقیناً وہ مذاکرات کے لیے تیار ہو جائیں۔''

اس رات بلبو نے فیصلہ کر لیا۔ آسمان سیاہ اور چاند بھی غائب تھا۔ جیسے ہی تاریکی مکمل ہوئی تو وہ دروازے کے قریب ایک چھوٹے کمرے میں جا پہنچا اور اپنی تھیلی سے ایک رسّی اور چیتھڑے میں لپٹا آرکن سٹون اٹھایا۔ پھر وہ دیوار کے اوپر جا چڑھا جہاں بومبور پہرہ دے رہا تھا۔ اب اس کی باری تھی اور ایک وقت میں ایک ہی بونا پہرہ دیتا تھا۔

بومبور بولا، ''بہت سردی ہو رہی ہے! کاش میں بھی یہاں آگ روشن کر سکتا جیسے انھوں نے اپنے پڑاؤ میں جلا رکھی ہے۔''

بلبو بولا، ''اندر تو اتنی سردی نہیں ہے۔''

موٹا بونا بڑبڑایا، ''کہنا تو نہیں چاہیے لیکن میں تو یہاں آدھی رات تک پھنسا بیٹھا ہوں۔ جو کچھ ہو رہا ہے ٹھیک نہیں ہو رہا۔ یہ بات نہیں کہ میں تھورین کے فیصلے سے اتفاق نہیں کرتا لیکن، کاش اس کی داڑھی مزید لمبی ہو، سچ یہ ہے کہ اس سے ضدی بونا سردار میں نے آج تک

نہیں دیکھا۔ لگتا ہے اس کی گردن میں لوہے کی سلاخ رکھی ہے۔"

بلبو بولا، "مجھے اپنی ٹانگوں میں بھی لوہے کی سلاخ محسوس ہو رہی ہے۔ میں تو سیڑھیاں چڑھنے اترنے اور ان تاریک راہداریوں میں پھرنے سے عاجز آ گیا ہوں۔ میں تو اب اپنے پیروں کے نیچے تازہ گھاس کی پتیاں محسوس کرنے کے لیے منہ مانگی قیمت دینے کے لیے بھی تیار ہوں۔"

"اور میں اپنے حلق میں اچھی شراب کا ایک گھونٹ انڈیلنے کے لیے منہ مانگی قیمت دینے کے لیے تیار ہوں اور پیٹ بھر کر کھانے کے بعد ایک نرم بستر کے لیے...."

"جب تک یہ محاصرہ جاری ہے میں ان میں کوئی بھی چیز تمھیں فراہم نہیں کر سکتا۔ لیکن مجھے پہرہ دیئے کافی وقت ہو گیا اور اگر تم چاہو تو میں تمھاری جگہ پہرہ دے سکتا ہوں۔ آج رات نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور ہے۔"

"اوہ مسٹر بیگنز، تم بہت اچھے دوست ہو۔ میں بصد شکریہ تمھاری پیش کش قبول کرتا ہوں اور ہاں اگر کچھ بھی ہو تو دھیان رہے مجھے پہلے جگا دینا۔ میں اندر قریب ہی بائیں ہاتھ والے کمرے میں لیٹا ہوں گا۔"

بلبو بولا، "چلو اب جا بھی چکو! میں آدھی رات کو تمھیں جگا دوں گا اور پھر تم اگلے پہریدار کو جگا دینا۔"

جیسے ہی بومبور گیا تو بلبو نے اپنی انگوٹھی پہنی، ایک چٹان کے گرد رسّی باندھی، دیوار سے نیچے اترا اور تاریکی میں غائب ہو گیا۔ اس کے پاس تقریباً پانچ گھنٹے تھے۔ بومبور سوتا رہے گا (ویسے تو وہ ہر وقت سونے پر تیار رہتا تھا لیکن جنگل میں ہونے والے واقعے کے بعد تو سونے کے موقع کی تلاش میں رہتا تا کہ وہی خواب دوبارہ دیکھ سکے جو اس نے جنگل میں اپنی بے ہوشی میں دیکھے تھے) باقی سارے بونے تھورین کے کاموں میں مصروف تھے۔ اس بات کا کوئی امکان نہ تھا کہ اپنی باری آنے سے پہلے ان میں کوئی بھی، کیلی اور فیلی بھی، دیوار کی طرف آئے گا۔

باہر ہر جانب تاریکی کا راج تھا اور جب وہ نئے راستے سے آگے بڑھتے ہوئے دریا کے

قریب پہنچا تو یہاں سڑک اس کے لیے انجانی تھی۔ آخر کار وہ اس موڑ پر آن پہنچا جہاں اسے دریا پار کرنا تھا اور اپنے منصوبے کے مطابق فوجوں کے پڑاؤ تک پہنچنا تھا۔ یہاں دریا میں پانی کی گہرائی تو کم تھی لیکن پاٹ کافی چوڑا تھا اور اس تاریکی میں دریا پار کرنا پستہ قد ہابٹ کے لیے آسان نہ تھا۔ وہ دوسرے کنارے کے قریب پہنچا ہی چاہتا تھا کہ ایک گول پتھر پر اس کا پاؤں پھسلا اور وہ ایک چھپاکے کے ساتھ پانی میں جا گرا۔ پانی میں شرابور کپکپاتے ہوئے اس نے کنارے پر قدم رکھا ہی تھا کہ ہاتھوں میں مشعلیں اٹھائے پری زادوں کی ایک ٹولی وہاں آن پہنچی اور اس چھپاکے کی آواز کی وجہ تلاش کرنے لگے۔

ایک بولا، ''میں کہتا ہوں یہ کسی مچھلی کی آواز نہیں تھی۔ یہاں ضرور بونوں کا کوئی جاسوس آیا ہے۔ اپنی روشنیاں گل کر دو! اگر یہ وہی عجیب سی مخلوق ہے جس کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ بونوں کا نوکر ہے تو ہمارے بجائے ان روشنیوں کا اس کو زیادہ فائدہ ہوگا۔''

بلبو بڑبڑایا، ''بونوں کا نوکر؟ بہت خوب۔'' لیکن اسی دوران اسے بہت زور سے چھینک آئی۔ پری زادوں کی ٹولی فوراً اس کے قریب پہنچ گئی۔

بلبو زور سے بول اٹھا، ''روشنی جلاؤ! اگر تم مجھے ڈھونڈ رہے ہو تو میں یہاں ہوں۔'' یہ کہہ کر اس نے اپنی انگوٹھی اتاری اور ایک پتھر کی اوٹ سے سامنے آیا۔

اپنی حیرت کے باوجود پری زادوں نے فوراً اسے پکڑ لیا۔ ''کون ہو تم؟ کیا تم بونوں کے ہابٹ ہو؟ تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ ہمارے پہریداروں کے ہوتے ہوئے تم یہاں تک کیسے آن پہنچے؟'' یکے بعد دیگرے انھوں نے اس پر سوالوں کی بوچھاڑ کر دی۔

اس نے جواب دیا، ''میرا نام مسٹر بلبو بیگنز ہے اور اگر آپ جاننا چاہتے ہیں تو میں تھورین کا ساتھی ہوں۔ میں تمھارے بادشاہ کو اچھی طرح جانتا ہوں اگر چہ وہ مجھے دیکھ کر پہچان نہ سکے گا۔ لیکن بارڈ مجھے جانتا ہے اور میں خصوصاً بارڈ ہی سے ملنا چاہتا ہوں۔''

وہ بولے، ''اچھا؟ بارڈ سے تمھارا کیا کام ہے؟''

بلبو کپکپاتے ہوئے بولا، ''جو کام بھی ہے وہ میرا اپنا کام ہے، میرے دوستو! اور اگر تم

اس یخ بستہ ویرانے سے واپس جنگل میں اپنے گھروں کو لوٹنا چاہتے ہو تو تم فوراً مجھے کسی الاؤ کے پاس لے جاؤ جہاں میں اپنے کپڑے خشک کرسکوں اور پھر تم مجھے جتنی جلدی ہو سکے اپنے بادشاہ اور بارڈ تک لے جاؤ۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔''

تو یوں ہوا کہ دروازے سے نکلنے کے تقریباً دو گھنٹے کے بعد ایک بڑے خیمے کے باہر روشن الاؤ کے سامنے بلبو بیٹھا تھا اور اس کے قریب ہی بن باسی پری زادوں کا بادشاہ اور بارڈ متجسس نگاہوں سے اسے گھور رہے تھے۔ ان دونوں نے آج سے پہلے کسی ہابٹ کو پری زادوں کی زرّہ بکتر میں ملبوس اور ایک پرانے کمبل میں لپٹے بیٹھے نہیں دیکھا تھا۔

بلبو سنجیدہ اور متانت بھرے لہجے میں بولنے کی کوشش کر رہا تھا، ''دیکھیں، حالات بہت گمبھیر ہو گئے ہیں۔ ذاتی طور پر میں تو اس سارے معاملے سے تنگ آ چکا ہوں۔ میری تو بس یہی خواہش ہے کہ میں واپس مغرب میں اپنے گھر پہنچ جاؤں جہاں لوگ بات چیت کے ذریعے معاملات حل کرتے ہیں۔ لیکن اس معاملے سے میرا مفاد بھی وابستہ ہے۔ ایک معاہدے کے مطابق جو خوش قسمتی سے میرے پاس موجود ہے، خزانے میں میرا حصّہ ایک چودھواں متعین کیا گیا ہے۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی پرانی واسکٹ (جو اس نے اپنی زرّہ بکتر کے اوپر پہن رکھی تھی) کی اندرونی جیب سے ایک مڑا تڑا خط نکالا جو تھورین نے لکھا تھا اور جو مئی کے مہینے میں اس کے کارنس پر رکھ دیا گیا تھا۔

وہ بولتا گیا، ''یاد رہے کہ میرا حصّہ منافع میں سے ایک چودھواں ہے۔ میں جانتا ہوں۔ ذاتی طور پر میں آپ کے سارے مطالبات پر غور کرنے کو تیار ہوں اور ساری مالیت میں سے آپ کی مناسب کٹوتی کے بعد میں اپنا مطالبہ پیش کروں گا۔ تاہم آپ تھورین اوکن شیلڈ کو اتنا نہیں جانتے جتنا میں اب اسے جانتا ہوں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جب تک آپ یہاں بیٹھے رہیں گے وہ سونے کے اس ڈھیر پر بیٹھا بھوک پیاس سے مرنے پر تیار رہے گا۔''

بارڈ بولا، ''تو ٹھیک ہے مرنے دو۔ ایسے احمق کو بھوک سے ہی مر جانا چاہیے۔''

بلبو بولا، ''بالکل ٹھیک! میں آپ کا نقطۂ نظر سمجھ سکتا ہوں۔ لیکن دوسری جانب سردیوں کی

آمد آمد ہے۔ جلد ہی برفباری ہونے لگے گی اور دیگر معاملات اور رسد کی نقل وحمل مشکل ہو جائے گی، میرا خیال ہے پری زادوں کے لیے بھی ایسا ہی ہوگا۔ پھر دوسری مشکلات بھی ہوں گی۔ آپ نے ڈین آہن قدم اور فولاد پہاڑی کے بونوں کے بارے میں نہیں سنا؟''

بادشاہ بولا، ''ہم نے اس کے بارے میں بہت عرصہ پہلے سنا تھا۔ لیکن اس کا موجودہ صورتِ حال سے کیا تعلق ہے؟''

''میرا ابھی یہی خیال تھا۔ دیکھیں، میرے پاس کچھ اطلاعات ہیں جو آپ کے پاس نہیں ہیں۔ میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ ڈین آہن قدم یہاں سے صرف دو دن کی مسافت پر پہنچ چکا ہے اور اس کے ساتھ پانچ سو لڑاکے جنگجو بھی ہیں جن میں بہت سے بونے اور بھتنوں کے درمیان ہونے والی خوفناک جنگوں میں بھی لڑ چکے ہیں جن کے بارے میں تو آپ یقیناً جانتے ہوں گے۔ جب وہ یہاں پہنچ جائیں گے تو معاملات سنگین ہو جائیں گے۔''

بارڈ سخت لہجے میں بولا، ''تم ہمیں یہ سب کیوں بتا رہے ہو؟ کیا تم اپنے ساتھیوں سے غداری کر رہے ہو یا ہمیں دھمکا رہے ہو؟''

بلبو ممنایا، ''میرے دوست بارڈ، نتائج اخذ کرنے میں اتنی جلدی نہ کرو۔ میں نے آج تک اتنے شکی لوگ نہیں دیکھے۔ میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ سب لوگ جنگ وجدل سے بچے رہیں۔ اب میں آپ کو ایک پیش کش کرنا چاہتا ہوں۔''

وہ بولے، ''کہو، ہم سن رہے ہیں۔''

بلبو بولا، ''آپ کو سننا نہیں دیکھنا ہوگا۔ یہ دیکھیں۔'' یہ کہتے ہی اس نے جیب سے آرکن سٹون نکالا اور اس پر سے کپڑے کا چیتھڑا اُتار پھینکا۔

پری زادوں کا بادشاہ جس کی نگاہیں خوبصورت اور حیرت انگیز چیزیں دیکھنے کی عادی تھیں، ششدر ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔ بارڈ بھی خاموشی میں بیٹھا پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتا رہ گیا۔ انھیں یوں لگا جیسے اس پتھر میں پورے چاند کی چاندی بھر دی گئی ہو اور اسے ستاروں کی کرنوں کے جال میں لپیٹ کر ان کے سامنے معلق کر دیا گیا ہو۔

بلبو بولا، ''یہ آرکن سٹون ہے، پہاڑ پاتال کا دل، اور تھورین کا دل بھی! اس کے لیے اس کی قیمت سونے کے بہتے دریا سے بھی زیادہ ہے۔ میں یہ آپ کو دیتا ہوں۔ یہ آپ کو تھورین کے ساتھ مذاکرات کرنے میں مدد دے گا۔'' اور پھر بلبو نے، ایک جھرجھری اور حسرت بھری نگاہ کے ساتھ، وہ شاندار ہیرا بارڈ کے ہاتھ میں تھما دیا جو اسے یوں دیکھتا رہا جیسے اس کی آنکھیں خیرہ ہوگئی ہوں۔

کچھ دیر بعد تک بارڈ خاموشی سے اسے تکتا رہا پھر وہ مشکل سے بولا، ''لیکن ہمیں دینے کے لیے یہ تمھارے پاس کیسے آیا؟''

ہابٹ نے بے اعتنائی سے جواب دیا، ''اوہ! یہ آپ کو دینے کے لیے میرے پاس نہیں تھا۔ لیکن میں خزانے میں اپنے حصے سے اس کا معاوضہ دینے کو تیار ہوں۔ میں چور تو ہوں، سارے یہی کہتے ہیں اگرچہ مجھے ذاتی طور پر کبھی یہ احساس نہیں ہوا، پھر بھی شاید میں ایک ایماندار چور ہوں۔ اب میں واپس جاتا ہوں۔ مجھے پروا نہیں کہ بونے میرے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔ مجھے صرف یہی امید ہے کہ تھورین کے ساتھ مذاکرات میں یہ آپ کے کام آئے۔''

پری زادوں کا بادشاہ اب بلبو کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ وہ بولا، ''بلبو بیگنز، پری زاد شہزادوں کی یہ جو زرّہ بکتر تم نے پہن رکھی ہے یہ ان شہزادوں کی نسبت کہیں زیادہ تمھارے شایانِ شان ہے جو اسے پہن کر اتراتے پھرتے تھے۔ لیکن شاید تھورین اوکن شیلڈ ایسا نہ سمجھتا ہو۔ میں بونوں کو تم سے کہیں زیادہ بہتر جانتا ہوں۔ میں تمھیں مشورہ دیتا ہوں کہ یہاں ہمارے ساتھ رہو جہاں تمھارے ساتھ عزّت و اعزاز اور سات گنا گرمجوشی کا سلوک روا رکھا جائے گا۔''

بلبو جھک کر سلام کرتے ہوئے بولا، ''میں آپ کا بہت شکر گزار ہوں۔ لیکن اتنی مشکلات سے گزرنے کے بعد مجھے اپنے دوستوں کو یوں چھوڑنا درست نہ ہوگا اور میں نے بومبور کو آدھی رات کو جگانے کا وعدہ بھی کیا تھا۔ اب مجھے فوراً روانہ ہونا چاہیے۔''

وہ دونوں بہت اصرار کرتے رہے لیکن بلبو ٹس سے مس نہ ہوا۔ اس کے لیے ایک حفاظتی دستے کا بندوبست کیا گیا۔ جب وہ روانہ ہوا تو بادشاہ اور بارڈ دونوں نے انتہائی تعظیم سے اسے رخصت کیا۔ جیسے وہ پڑاؤ سے گزرنے لگے تو ایک خیمے کے سامنے بیٹھا سیاہ لبادے میں لپٹا ہوا

ایک بلند قامت بوڑھا اٹھ کھڑا ہوا اور ان کی جانب بڑھا۔

''بہت خوب مسٹر بیگنز!'' اس نے بلبو کے کاندھے کو تھپتھپایا، ''تمھاری صلاحیتیں ہمیشہ لوگوں کی توقعات سے کہیں بڑھ کر ہیں۔''

یہ گنڈالف تھا!

بہت دنوں بعد یہ لمحہ تھا کہ بلبو واقعی خوش ہوا۔ اس کے ذہن میں اتنے سوالات تھے جو وہ عین اسی وقت گنڈالف سے پوچھنا چاہتا تھا لیکن اس کے پاس وقت نہ تھا۔

گنڈالف بولا، ''سب کچھ مناسب وقت پر! اگر میں غلطی پر نہیں ہوں تو معاملات اپنے اختتام کی جانب بڑھ رہے ہیں۔ ابھی تمھیں ناخوشگوار صورتِ حال کا سامنا ہے۔ لیکن اپنا حوصلہ بلند رکھنا۔ ہوسکتا ہے تم بچ نکلو۔ کچھ ایسے حالات پیش آنے کو ہیں جن کی خبر پہاڑی کوؤں کو بھی نہیں ہے۔ الوداع اور شب بخیر۔''

بلبو بہ یک وقت حیرت اور خوشی کے عالم میں تیزی سے چل دیا۔ اسے ایک مناسب جگہ سے بھیگے بنا دریا پار کرایا گیا اور پھر وہ پری زادوں کو الوداع کہتے ہوئے احتیاط سے پہاڑ پاتال کے بیرونی دروازے کی جانب چڑھنے لگا۔ اب اسے تکان کا احساس ہونے لگا تھا۔ لیکن ابھی آدھی رات ہونے میں کافی وقت تھا کہ وہ واپس رسّی سے لٹک کر دیوار پار کرنے لگا جو ابھی تک وہیں لٹکی تھی جہاں اس نے چھوڑا تھا۔ اس نے رسّی کھولی اور اسے چھپا دیا پھر وہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور متفکر انداز میں آنے والے حالات کے بارے میں سوچنے لگا۔

آدھی رات کو اس نے بومبور کو جگایا اور پھر منہ لپیٹ کر اپنی جگہ پر جا لیٹا۔ اس نے موٹے بونے کا اظہارِ تشکر بھی نظر انداز کر دیا (یوں بھی اس کے خیال میں بونے کا شکر یہ برمحل نہ تھا)۔ جلد ہی وہ نیند کی وادیوں میں کھو گیا اور صبح تک اپنی تمام پریشانیں بھول گیا۔ حقیقت تو یہ تھی کہ ساری رات اسے انڈوں اور گوشت کے تلے ہوئے پارچوں کے خواب دکھائی دیتے رہے۔

سترہواں باب

بادلوں کی گھن گرج

دوسرے دن علی الصباح وادی میں فوجوں کے پڑاؤ سے نقاروں کی آواز بلند ہوئی۔ جلد ہی ایک اکیلا ایلچی پتلے پہاڑی راستے پر بھاگتا دکھائی دیا۔ کچھ فاصلے پر رک کر اس نے بونوں کو پکارا اور پوچھا کہ کیا تھورین ایک اور وفد سے بات کرنے پر تیار ہے کیونکہ نئی خبریں سامنے آئی ہیں اور صورتِ حال بدل چکی ہے۔

تھورین نے جب یہ سنا تو بول اٹھا، ''یہ ڈین آہن قدم ہی ہوگا! انھیں اس کے آن پہنچنے کی اطلاع مل گئی ہوگی۔ میں جانتا تھا کہ اس کے آنے پر ان کا رویہ بدل جائے گا۔'' اس نے ایلچی کو پکار کر کہا، ''انھیں کہو کہ اگر صرف چند لوگ غیر مسلح حالت میں آئیں تو میں ان سے بات کرنے پر تیار ہوں۔''

دوپہر کے قریب دوبارہ بن باسی پری زادوں اور جھیل نگر کے جھنڈے نمودار ہوئے۔ تقریباً بیس افراد کی ایک ٹولی قریب آ رہی تھی۔ پتلے پہاڑی راستے کی ابتدا میں ہی انھوں نے اپنے نیزے اور تلواریں ایک جانب رکھ دیں اور دروازے کی جانب بڑھے۔ بونوں کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ ان میں بارڈ اور پری زادوں کا بادشاہ بھی شامل تھے اور ان دونوں کے آگے

لبادے اور کنٹوپ میں ملبوس ایک بوڑھا ہاتھ میں آہنی پٹوں والی لکڑی کی صندوقچی تھامے چل رہا تھا۔

بارڈ بولا، ''اے تھورین! کیا تمھارا اب بھی وہی ارادہ ہے؟''

تھورین نے جواب دیا، ''میرا ارادہ سورج کے چند مرتبہ طلوع اور غروب ہونے سے نہیں بدلتا۔ کیا تم مجھ سے ایسے ہی بے کار سوال پوچھنے آئے ہو؟ میں دیکھ رہا ہوں کہ میرے کہنے کے باوجود پری زادوں کی فوج ابھی تک یہیں ہے۔ جب تک یہ یہاں ہے تمھارا مذاکرات کے لیے آنا بے سود ہے۔''

''یعنی کوئی بھی ایسی چیز نہیں ہے جس کے عوض تم اپنا سونا دینے پر تیار ہو؟''

''ہاں، تم یا تمھارے دوست کسی بھی ایسی چیز کی پیش کش نہیں کر سکتے۔''

بارڈ بولا، ''تھرین کا آرکن سٹون بھی نہیں؟'' اسی لمحے بوڑھے نے صندوقچی کا ڈھکن اٹھایا اور ہیرا فضا میں بلند کر دیا۔ صبح کی ہلکی دھوپ کے باوجود ہیرے کی تیز سفید روشنی چاروں جانب پھیل گئی۔

تھورین حیرت اور پریشانی سے گنگ ہو گیا۔ چند لمحوں کے لیے چاروں جانب سناٹا چھا گیا۔

بالآخر تھورین نے خود ہی سکوت توڑا۔ وہ اپنی آواز میں بھرے غیظ و غضب کو چھپا نہ سکا تھا۔ ''یہ میرے باپ کا ہیرا ہے اور اب میرا ہے۔ مجھے اپنی ہی ملکیت خریدنے کی کیا ضرورت ہے؟'' لیکن پھر وہ اپنی حیرت پر قابو نہ پا سکا، ''چوروں سے ایسا سوال پوچھنے کی ضرورت تو نہیں لیکن پھر میں تم سے پوچھتا ہوں کہ میری نسل کی یہ نشانی تمھارے ہاتھ کیسے لگی؟''

بارڈ نے جواب دیا، ''ہم چور نہیں ہیں۔ جو ہمارا ہے ہم اس کے عوض جو تمھارا ہے تمھیں لوٹانے پر تیار ہیں۔''

تھورین کا غصّہ بڑھتا چلا گیا، ''یہ تمھیں کیسے ملا؟''

بلبو جو دیوار کی اوٹ سے خوف کے عالم میں جھانک رہا تھا، آگے بڑھ کر بول اٹھا، ''یہ میں نے انھیں دیا تھا۔''

''تم نے؟ تم نے؟'' تھورین اس کی جانب مڑا اور اسے دونوں کاندھوں سے پکڑ لیا، ''تم منحوس ہابٹ! تم پستہ قامت..... چور۔'' اس کے غصّے کا یہ عالم تھا کہ اسے بولنے کے لیے الفاظ نہیں مل رہے تھے اور وہ بلبو کو کسی خرگوش کی طرح جھنجھوڑ رہا تھا۔

''ڈیورین کی داڑھی کی قسم! کاش گنڈالف یہاں ہوتا! لعنت ہو اس پر کہ اس نے تمھیں ہمارے ساتھ کیا! آگ لگے اس کی داڑھی میں! اور تم..... تمھیں تو میں پہاڑ سے نیچے پھینک دوں گا۔'' یہ کہتے ہی اس نے بلبو کو زمین سے اٹھالیا۔

''ٹھہرو! تمھاری خواہش پوری ہو گئی۔'' نیچے سے ایک آواز بلند ہوئی۔ صندوقچی والے بوڑھے نے اپنا کنٹوپ اور لبادہ اتار پھینکا۔ ''میں ہوں گنڈالف! اور عین وقت پر! اگر تمھیں میرا ماہر چور پسند نہیں ہے تو براہِ کرم اسے گزند بھی نہ پہنچاؤ۔ اسے چھوڑ دو اور سنو کہ اسے کیا کہنا ہے۔''

تھورین نے بلبو کو ایک جانب دھکیل دیا اور چلّایا، ''تم سب آپس میں ملے ہو! آج کے بعد میں کبھی کسی جادوگر یا اس کے کسی دوست سے کوئی واسطہ نہ رکھوں گا۔ اب کہو، تمھیں کیا کہنا ہے، چوہے کی اولاد۔''

بلبو بولا، ''بہت خوب! بہت خوب! صورتِ حال بہت ہی بگڑ چکی ہے۔ تمھیں یاد ہوگا کہ تم ہی نے کہا تھا کہ میں اپنا چودھواں حصّہ خود منتخب کر سکتا ہوں۔ شاید مجھ سے ہی سمجھنے میں غلطی ہوئی۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ بونے قول کے بجائے فعل میں زیادہ قابلِ اعتبار ہوتے ہیں۔ بہرحال یہ اس وقت کی بات ہے جب تمھارے خیال میں میں نے تمھاری بہت مدد کی تھی، تمھاری جان بچائی تھی۔ ''چوہے کی اولاد'' یہ بھی خوب رہی! تھورین، کیا تمھارا یہی اظہارِ تشکر تھا جس کا وعدہ تم نے اپنے اور اپنی آنے والی نسل کی جانب سے کیا گیا تھا؟ تو ٹھیک ہے، یوں سمجھو کہ میں نے خزانے میں اپنا حصّہ اپنی مرضی کے مطابق چن لیا اور معاملہ ختم سمجھو۔''

تھورین کرخت لہجے میں بولا، ''ٹھیک ہے۔ میں معاملہ یہیں ختم سمجھتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ مجھے آیندہ کبھی تمھاری شکل بھی دکھائی نہ دے۔'' یہ کہتے ہوئے وہ مڑا اور دیوار کے اوپر سے پکار کر بولا، ''مجھے دھوکا دیا گیا ہے۔ تمھارا اندازہ درست تھا کہ میں آرکن سٹون کے بدلے

میں اپنے خاندان کا پورا خزانہ دینے پر تیار نہ ہوں گا۔ اس کے بدلے میں میں تمھیں خزانے کا چودھواں حصّہ دیتا ہوں، ہیرے جواہرات کے علاوہ۔ لیکن یہ حصّہ اس غدار کا حصّہ سمجھا جائے گا اور وہ صرف اسی حصے کے ساتھ یہاں سے جائے گا۔ تم لوگ اسے جیسے چاہو تقسیم کرلو۔ مجھے کوئی شک نہیں ہے کہ پھر بھی اسے کچھ نہ کچھ ضرور ملے گا۔ لے جاؤ اسے یہاں سے اگر تم اسے زندہ دیکھنا چاہتے ہو۔ لیکن یہ یہاں سے میری دوستی اور خیر سگالی کے ساتھ نہیں جائے گا۔"

پھر وہ بلبو سے مخاطب ہوا، "چلے جاؤ اپنے دوستوں کے پاس اس سے پہلے کہ میں تمھیں اٹھا کر نیچے پھینک دوں۔"

بلبو بولا، "اور خزانے میں میرا حصّہ؟"

تھورین نے جواب دیا، "اس کے پہنچانے کا بھی بندوبست کر دیا جائے گا۔"

بارڈ چیخ کر بولا، "تب تک ہم یہ ہیرا اپنے پاس ہی رکھیں گے۔"

گنڈالف بول اٹھا، "تمھارا یہ برتاؤ پہاڑ پاتال کے بادشاہ کے شایانِ شان نہیں ہے۔ لیکن حالات کسی بھی لمحے بدل سکتے ہیں۔"

تھورین نے جواب دیا، "ہاں، ضرور بدل سکتے ہیں۔" خزانے کی چکا چوند نے اسے کے ذہن پر اتنا اثر کر ڈالا تھا کہ وہ ابھی سے سوچنے لگا تھا کہ اگر ڈین آہن قدم وقت پر پہنچ گیا تو وہ نہ صرف آرکن سٹون واپس چھین سکتا ہے بلکہ بلبو کے حصے کا خزانہ دینے سے بھی انکار کر سکتا ہے۔

بہر حال بلبو کو رسّی کے ذریعے پتھروں کی دیوار سے نیچے لٹکایا گیا اور ان تمام مشکلات کے باوجود وہ خالی ہاتھ وہاں سے روانہ ہوا سوائے اس زرّہ بکتر کے جو تھورین پہلے ہی اسے دے چکا تھا۔ کچھ بونوں کے دل میں اس کے یوں بھیج دیئے جانے پر ندامت اور ہمدردی کے جذبات پیدا ہوئے۔

بلبو مڑ کو پکار اٹھا، "الوداع! شاید ہم ایک مرتبہ پھر دوستوں کی طرح مل سکیں۔"

تھورین چیخا، "دفعان ہو جاؤ! تم نے جو زرّہ بکتر پہن رکھی ہے وہ میری نسل کے لوگوں نے بنائی ہے لیکن تم اس کے قابل نہیں ہو۔ اس پر تیروں کا اثر نہیں ہوتا۔ لیکن اگر تم نے جلدی

نہ کی تو میں تمھارے بھدے پیروں کو تیروں سے چھلنی کر دوں گا۔فوراً دفع ہو جاؤ یہاں سے۔''

بارڈ بول اٹھا،''اتنی جلدی کی ضرورت نہیں ہے! ہم تمھیں کل تک کی مہلت دیتے ہیں۔ کل دوپہر کو ہم پھر آئیں گے اور دیکھیں گے کہ تم نے آرکن سٹون کے بدلے میں خزانے کا حصّہ باہر نکال کر رکھا ہے یا نہیں۔ اگر کسی دھوکے بازی کے بغیر ایسا ہوا تو ہم لوٹ جائیں گے اور پری زادوں کی فوج بھی واپس اپنے جنگل کو روانہ ہو جائے گی۔کل تک کے لیے الوداع۔''

یہ کہتے ہوئے جھیل نگر کے باسی واپس چلے گئے اور تھورین نے فوراً روعاق کے ذریعے ڈین آہن قدم کو پیغام بھجوایا اور اسے حالات سے آگاہ کرتے ہوئے تیزی لیکن احتیاط کے ساتھ پہنچنے کو کہا۔

وہ دن بھی گزر گیا اور رات بھی۔ دوسرے دن ہوا کا رخ مغرب کی جانب ہوا اور آسمان پر تاریکی سی چھا گئی۔ ابھی صبح ہی تھی کہ پڑاؤ میں شور مچا۔جھیل نگر کے ہرکاروں نے خبر پہنچائی کہ پہاڑ کے مشرقی پہلو کے پار بونوں کی ایک فوج پہنچ چکی ہے اور تیزی سے ڈیل کی جانب بڑھ رہی ہے۔ ڈین آہن قدم آن پہنچا تھا۔ وہ ساری رات بنا رکے تیزی سے پیش قدمی کرتا رہا اور ان کی توقع سے کہیں پہلے ان تک آن پہنچا تھا۔ اس کی فوج کا ہر ایک سپاہی گھٹنوں تک فولادی زرّہ بکتر میں ملبوس تھا اور اس کی ٹانگیں انتہائی مضبوط لیکن باریک فولادی جالی میں لپٹی تھیں جسے بنانے کے راز سے صرف ڈین آہن قدم کے شہر کے لوگ ہی آگاہ تھے۔ اپنے قد کے حساب سے بونے بہت طاقتور ہوتے ہیں لیکن ڈین آہن قدم کے سپاہی تو بونوں کے حساب سے بھی انتہائی طاقتور تھے۔ جنگ میں وہ بھاری کلہاڑے استعمال کرتے اور ان کی پیٹی میں ایک چوڑی تلوار اور کمر پر بھاری گول ڈھال موجود ہوتی۔ وہ اپنی لمبی داڑھیوں کو دو مینڈھیوں میں گوندھ کر اپنی پیٹی میں اڑس لیا کرتے۔ ان کے سروں پر آہنی خود، پیروں میں آہنی جوتے اور چہروں پر خونخواری پائی جاتی تھی۔

نقاروں کی آواز پر انسان اور پری زاد فوراً ہتھیار بند ہوئے۔ تھوڑی ہی دیر بعد وادی کے ایک جانب سے بونے تیزی سے بڑھتے ہوئے نمودار ہوئے۔ وہ دریا اور پہاڑ کے مشرقی

پہلو کے درمیان رک گئے۔ لیکن ان میں سے ایک ٹولی چلتی گئی اور دریا پار کرتے ہوئے پڑاؤ کے سامنے پہنچ گئی۔ وہاں انھوں نے اپنے ہتھیار رکھ دیئے اور امن کی علامت کے طور پر اپنے ہاتھ فضا میں بلند کر دیئے۔ بارڈ اور بلبو چند افراد کے ساتھ ان کی جانب روانہ ہوئے۔

قریب پہنچنے پر وہ بولے، ''ہمیں ڈین آہن قدم ولد نین نے بھیجا ہے۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ ہماری بادشاہت دوبارہ سے قائم ہو چکی ہے اس لیے ہم جلد از جلد پہاڑ پاتال تک پہنچنا چاہتے ہیں۔ لیکن آپ کون لوگ ہیں جو کھلے آسمان میں حفاظتی دیواروں کے سامنے دشمنوں کی طرح بیٹھے ہیں؟'' پرانے زمانے میں ایسے مواقع پر استعمال کی جانے والی شائستہ زبان میں اس کا مطلب کچھ یوں تھا، ''تمھارا یہاں کوئی کام نہیں ہے۔ ہمیں ادھر جانا ہے اور تم ہمارے راستے سے ہٹ جاؤ ورنہ ہمیں تم سے جنگ کرنا پڑے گی۔'' وہ پہاڑ اور دریا کے موڑ کے درمیان سے گزرنا چاہتے تھے جہاں بظاہر کم حفاظتی اقدامات کیے گئے تھے۔

صاف ظاہر تھا کہ بارڈ نے بونوں کو پہاڑ تک جانے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ اس نے آرکن سٹون کے بدلے میں دیئے جانے والے سونے چاندی کا انتظار کرنے کا تہیہ کر رکھا تھا۔ اسے یقین تھا کہ اگر بونوں کی یہ بڑی اور خونخوار فوج ایک مرتبہ پاتال پہاڑ میں جا بیٹھی تو تھورین اپنے وعدے سے مکر جائے گا۔ یہ فوج اپنے ساتھ بڑی مقدار میں کھانے پینے کا سامان بھی لائی تھی۔ یوں بھی بونے بھاری سامان اٹھانے کے قابل ہوتے ہیں۔ تیزی سے پیش قدمی کرنے کے باوجود ڈین آہن قدم کے سپاہیوں کی اکثریت نے اپنے ہتھیاروں کے ساتھ ساتھ کاندھوں پر بھاری تھیلے بھی اٹھائے تھے۔ اس صورت میں وہ ہفتوں تک محاصرے میں رہ سکتے تھے اور اس دوران مزید بونے بھی آن پہنچتے اور پھر مزید کیونکہ تھورین کا خاندان بہت وسیع تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ پہاڑ پاتال کے دوسرے دروازے بھی کھول سکتے تھے اور ان پر پہریدار متعین کر سکتے تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو محاصرین کو پورے پہاڑ کا محاصرہ کرنا پڑتا جس کے لیے ان کے پاس مطلوبہ تعداد میں افراد نہ تھے۔

حقیقت میں بونوں کا یہی منصوبہ تھا (کیونکہ پہاڑی کوّے تھورین اور ڈین آہن قدم

کے درمیان پیغام رسانی کرتے رہے تھے) لیکن فی الحال ان کا راستہ بند تھا۔ یوں چند تیز و تند الفاظ کے بعد بونے اپنی داڑھیوں میں بڑبڑاتے واپس لوٹ گئے۔ بارڈ نے فوراً ایک پیغام رساں پہاڑ کے دروازے تک بھجوایا لیکن انھیں کسی خزانے یا ادائیگی کا نام ونشان تک دکھائی نہ دیا۔ جیسے ہی وہ قریب پہنچے تو ان پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی گئی اور وہ مایوسی کے عالم میں واپس لوٹ آئے۔ اب پڑاؤ میں ہلچل مچ چکی تھی جیسے جنگ کی تیاریاں کی جا رہی ہوں کیونکہ ڈین آہن قدم کی فوج اب مشرقی کنارے کی جانب بڑھنے لگی تھی۔

بارڈ قہقہہ لگا کر ہنسا، ''بے وقوف! یہ پہاڑ کے پہلو کے عین نیچے پہنچ رہے ہیں۔ انھیں زیرِ زمین کانوں میں جنگوں کا تجربہ ضرور ہوگا لیکن انھیں کھلے میدانوں میں لڑنے کی کوئی سمجھ نہیں ہے۔ ان کے دائیں جانب چٹانوں کے پیچھے ہمارے تیرانداز اور نیزہ باز چھپے بیٹھے ہیں۔ بونوں کی زرّہ بکتر عمدہ ہوگی لیکن انھیں مشکل کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس سے پہلے کہ انھیں ستانے کا موقع ملے ہمیں دونوں جانب سے ان پر حملہ کر دینا چاہیے۔''

لیکن بادشاہ پری زاد کہنے لگا، ''سونے چاندی کی خاطر یہ جنگ شروع کرنے سے پہلے جب تک ہو سکا میں انتظار کرنا چاہوں گا۔ بونے یہاں سے اس وقت تک نہیں گزر سکتے جب تک ہم نہ چاہیں یا وہ کوئی ایسی چال نہ چلیں جو ہمارے علم میں نہ ہو۔ ہمیں ابھی بھی کسی ایسی صورتِ حال کا انتظار کرنا چاہیے جس سے مفاہمت کی کوئی صورت نکل آئے۔ پھر بھی اگر بات لڑائی تک پہنچ گئی تو ہماری عددی برتری ہی کافی ہوگی۔''

لیکن بونوں کے بارے میں اس کا بھی اندازہ غلط تھا۔ جب سے انھیں معلوم ہوا کہ آرکن سٹون محاصرین کے قبضے میں ہے، ان کا غیظ و غضب اپنی انتہا کو چھونے لگا۔ اس کے ساتھ ساتھ انھیں اندازہ ہو گیا تھا بارڈ اور اس کے ساتھی ہچکچاہٹ کا شکار ہیں اور اسی شش و پنج کے عالم میں وہ ان پر حملہ آور ہونے پر تیار تھے۔

پھر بغیر کسی اعلان کے وہ یکا یک خاموشی سے ان پر پل پڑے۔ کمانیں چرچرانے لگیں اور تیر ہوا میں اڑنے لگے۔ جنگ چند لمحوں کے فاصلے پر تھی۔

پھر اس سے بھی تیزی سے چاروں جانب تاریکی پھیلنے لگی۔ آسمان پر ایک سیاہ بادل چھاتا گیا۔ سرد ہواؤں کے ساتھ بادل گرجنے لگے اور بجلی کی کڑک سے پہاڑ پاتال کی چوٹی چمکنے لگی۔ اس گہرے بادل کے نیچے ایک اور تاریکی پھیلتی دکھائی دینے لگی۔ لیکن یہ ہوا کے ساتھ نہیں تھی، یہ شمال کی جانب سے بڑھ رہی تھی، جیسے ہزاروں چمگادڑوں کا ایک غول اڑتا چلا آ رہا ہو جن کی تعداد اتنی تھی کہ ان کے پَروں کے درمیان آسمان بھی دکھائی نہ دے رہا تھا۔

''ٹھہرو!'' گنڈالف چیخا اور دونوں ہاتھ بلند کیے بڑھتی ہوئی بونوں کی فوج اور ان کے انتظار میں کھڑی پری زاد سپاہیوں کی قطاروں کے عین درمیان آن کھڑا ہوا، ''ٹھہرو'' اس کی آواز کسی بادل کی گرج کی مانند گونجی اور اس کے ہاتھ میں تھامے عصا سے روشنی کا ایک جھماکا یوں برآمد ہوا جیسے کہیں بجلی گری ہو۔ ''تم سب پر بہت بڑی مصیبت آن پڑی ہے۔ افسوس کہ یہ میری توقع سے کہیں پہلے آن پہنچی ہے۔ بھتنے پہنچ گئے ہیں! اے ڈین، بالگ شمال سے آ رہا ہے جس کے باپ آزوگ کو موریا کی کانوں میں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا۔ دیکھو، ان کی فوج کے اوپر چمگادڑیں ٹڈی دل کے سمندر کی مانند اڑتی چلی آتی ہیں۔ وہ بھیڑیوں پر سوار ہیں اور وارگ بھیڑیئے بھی ان کے ساتھ ہیں۔''

چاروں طرف حیرت اور اضطراب پھیل گیا، ابھی گنڈالف بول ہی رہا تھا کہ تاریکی بڑھتی گئی۔ بونوں کی پیش قدمی رک گئی اور وہ آسمان کی جانب دیکھنے لگے۔ پری زاد بھی یک زبان ہو کر چیخنے چلّانے لگے۔ گنڈالف پھر بلند آواز سے بولا، ''چلو! اب بھی صلح صفائی کا وقت ہے۔ ڈین آہن قدم ولد نین کو فوراً ہمارے پاس پہنچایا جائے۔''

یوں وہ جنگ شروع ہوئی جس کی کوئی توقع نہ کر رہا تھا۔ اسے پانچ لشکروں کی جنگ کہا گیا اور یہ ایک خوفناک جنگ تھی۔ ایک جانب بھتنے اور خونخوار وارگ بھیڑیئے تھے اور دوسری جانب پری زاد، انسان اور بونے تھے۔ یہ جنگ کیسی ہوئی اس کا حال حسبِ ذیل ہے۔ دھندلے پہاڑوں کے شاہ بھتنے کی موت کے بعد بھتنوں کے دل میں پری زادوں کے لیے نفرت خوفناک حد تک بڑھ چکی تھی۔ انھوں نے اپنے تمام شہروں، آبادیوں اور قلعوں کے

درمیان ہرکارے دوڑا دیئے تھے۔ اب وہ جنوب کے تمام علاقوں پر قبضہ کرنے پر تلے بیٹھے تھے۔ وہ ایک دوسرے سے خفیہ روابط قائم کیے تھے اور پہاڑوں کی گپھاؤں میں جنگ کی تیاری اور اسلحہ ڈھالنے کا کام تیزی سے جاری تھا۔ پھر پہاڑیوں اور وادیوں میں بڑھتے ہوئے رات اور سرنگوں کا لبادہ اوڑھے ہوئے وہ بالآخر شمال میں اپنے مرکزی مقام گونڈاباد کے پہاڑ کے قریب جا پہنچے جہاں جنوب پر حملہ کرنے کے لیے پہلے ہی ایک بڑی فوج جمع ہو چکی تھی۔ وہاں انھیں سماگ کی موت کی خبر ملی اور ان کے دل خوشی سے باغ باغ ہو گئے۔ اس پر وہ ساری ساری رات پیش قدمی کرتے ہوئے اچانک ڈیل کے نواح میں پہنچ گئے۔ ان کی آمد کی خبر کوّوں کو بھی صرف اس وقت ہوئی جب وہ کوہِ یکتا اور اس کے اردگرد کے پہاڑی علاقوں کے درمیان ویرانے میں آن پہنچے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ گنڈالف کو اس بارے میں کتنا علم تھا لیکن صاف ظاہر تھا کہ وہ بھی اس ناگہانی حملے کی توقع نہ کر رہا تھا۔

گنڈالف نے پری زاد بادشاہ، بارڈ اور اور ڈین آہن قدم کے ساتھ مشاورت کے بعد منصوبہ ترتیب دیا۔ بونوں کے سردار ڈین آہن قدم نے بھی اب ان کا ساتھ دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ بھتنے سب کے دشمن تھے اور ان کی آمد پر دوسرے تمام معاملات پسِ پشت ڈال دیئے گئے۔ ان کی واحد امید یہ تھی کہ بھتنوں کو پہاڑ کے دونوں پہلوؤں کے درمیان واقع وادی میں آنے پر مجبور کر دیا جائے۔ جہاں جنوب اور مشرق میں واقع بلند چٹانوں پر وہ ان کے منتظر ہوں گے۔ اس حکمتِ عملی میں بھی ایک خطرہ تھا کہ اگر بھتنے بہت زیادہ تعداد میں ہوئے تو وہ سارے پہاڑ کے گرد پھیل سکتے تھے اور بہ یک وقت سامنے اور عقب دونوں جانب سے ان پر حملہ آور ہو سکتے تھے۔ لیکن اب ان کے پاس کوئی دوسرا منصوبہ تیار کرنے یا کہیں سے مزید کمک منگوانے کا وقت نہ تھا۔

جلد ہی امڈتے گرجتے بادل جنوب مشرق کی جانب بڑھ گئے لیکن چمگادڑوں کا غول پہاڑ کے پہلو سے نچلی پرواز کرتا پہنچ گیا اور ان کے سروں پر منڈلانے لگا۔ ان کے غول سے آسمان تاریک ہو گیا اور ان کے دلوں میں خوف بیٹھنے لگا۔

بارڈ چیخا، ''پہاڑ کی طرف! پہاڑ کی طرف! ابھی وقت ہے، ہمیں اپنی جگہوں پر پہنچ جانا چاہیے۔''

جنوبی چٹانوں کے اوپر، ان کے ارد گرد اور ان کی بنیاد میں بکھرے پتھروں میں پری زادوں کو متعین کیا گیا۔ مشرقی پہاڑ پر انسان اور بونے جا چھپے۔ بارڈ اور کچھ پھرتیلے پری زاد اور انسان مشرقی پہاڑ کے اوپر جا پہنچے جہاں سے وہ شمال کی جانب نگاہ رکھ سکتے تھے۔ یہاں سے انھیں پہاڑ کی بنیاد میں وہ مقام دکھائی دیا جہاں بھتنوں کی تیزی سے بڑھتی فوجوں سے زمین سیاہ ہو رہی تھی۔ جلد ہی ہراول دستوں نے دریا کا موڑ عبور کیا اور ڈیل تک جا پہنچے۔ یہ بھیڑیا سوار تھے اور ان کی دہشت ناک غراہٹیں دور سے فضا کو چیر رہی تھیں۔ ان کے عین سامنے بہادروں کا ایک دستہ موجود تھا جن کا کام ان کے خلاف مدافعت کا ناٹک کرنا تھا۔ ان میں بہت سے کام آئے اور باقیوں نے حسبِ منصوبہ پیچھے کی جانب اور دونوں اطراف میں پسپائی اختیار کی۔ گنڈالف کی امید کے مطابق بھتنوں کی فوج ہراول دستے کے عین پیچھے جمع ہو گئی اور غیظ و غضب کے عالم میں وادی کے اندر داخل ہوتی گئی اور ان کا ریلا پہاڑ کے دونوں پہلوؤں کے درمیان اپنے دشمن کی تلاش میں بڑھتا چلا گیا۔ ان کے لاتعداد سیاہ اور سرخ جھنڈے ہوا میں لہرا رہے تھے اور وہ بپھرے ہوئے لیکن بے ترتیب ایک سیلاب کی مانند امڈتے آ رہے تھے۔

یہ جنگ انتہائی خونچکاں تھی۔ یہ بلبو کی زندگی کا خوفناک ترین اور عین اس وقت قابلِ نفرت ترین تجربہ تھا۔ اگرچہ بلبو کا اس جنگ میں کوئی اہم کردار نہ تھا لیکن پھر بھی وہ بعد میں بڑے فخریہ انداز میں اس کے واقعات بیان کرتا تھا۔ حقیقت تو یہ تھی کہ جنگ کے شروع میں ہی اس نے اپنی انگوٹھی پہن لی تھی اور نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ البتہ وہ خطرے سے دور نہ تھا۔ ایسی طلسماتی انگوٹھی بھی بھتنوں کے حملے سے پہننے والے کو مکمل طور نہیں بچا سکتی۔ تاہم یہ خطرے کی راہ سے بچ نکلنے میں اس کی مدد ضرور کر سکتی تھی اور اس کے سر کو کسی بھتنے تلوار باز کے وار کی زد میں آنے سے بھی بچا سکتی تھی۔

سب سے پہلے پری زادوں نے حملہ کیا۔ بھتنوں کے لیے ان کی نفرت سرد اور شدید ہوتی ہے۔ اس تاریکی میں ان کے نیزے اور تلواریں سرد شعلوں کی مانند لپک رہی تھیں۔ انھیں استعمال کرنے والے ہاتھوں کا ولولہ اور جذبہ مہلک تھا۔ جیسے ہی دشمنوں کی فوج کا بڑا حصہ وادی میں جمع ہوا، پری زادوں نے ان پر تیروں کی برسات شروع کر دی۔ ہر تیر یوں چمک رہا تھا جیسے اس کی نوک میں بجلی کے کوندے لپک رہے ہوں۔ ان تیروں کے عقب میں ہزاروں نیزہ بردار اچھل کر آگے بڑھے اور حملہ آور ہوئے۔ نعروں اور چیخوں سے کان پھٹے جا رہے تھے۔ بھتنوں کے کالے خون سے زمین اور پتھر سیاہ ہونے لگے۔

ابھی بھتنے پری زادوں کے حملے سے سنبھلے ہی تھے اور ان کا پہلا حملہ روک ہی پائے تھے کہ وادی میں ایک اور گہری گرجدار آواز بلند ہوئی۔ ''موریہ۔'' اور ''ڈین! ڈین!'' کے فلک شگاف نعرے لگاتے ہوئے فولاد پہاڑی کے بونے اپنے کلہاڑے اور جھیل نگر کے باسی اپنی لمبی تلواریں لہراتے نمودار ہوئے۔

بھتنوں کی صفوں میں خوف پھیل گیا اور جیسے ہی وہ اس نئے حملے سے نمٹنے کو مڑے تو پہلے سے بڑی تعداد میں پری زادوں نے دوبارہ یلغار کر دی۔ بہت سے بھتنے ابھی سے اس گھات سے بچنے کے لیے واپس دریا کی جانب بھاگ اٹھے۔ ان کے اپنے بھیڑیئے بھی اب انہی پر ٹوٹ پڑے تھے اور زخمیوں اور لاشوں کی چیر پھاڑ کرنے لگے۔ یوں لگتا تھا کہ فتح یقینی ہے کہ یکا یک پہاڑ کے اوپر سے ایک اور آواز بلند ہوئی۔

پہاڑ کے عقب سے بھتنے اوپر چڑھ چکے تھے اور بہت سے پہاڑ پاتال کے بیرونی دروازے کے اوپر پہنچ چکے تھے اور اب وہ سب پہاڑ کے پہلوؤں کی چوٹیوں پر اوپر سے حملہ کرنے کے لیے دیوانگی کے عالم میں نیچے اتر رہے تھے۔ انھیں کوئی پروا نہ تھی کہ ان کے اپنے ساتھی نیچے لڑھک لڑھک کر گہری کھائیوں میں گر رہے تھے۔ ان دونوں چوٹیوں پر پہنچنے کے لیے پہاڑ کے درمیان میں اترنے والے راستے موجود تھے۔ یہاں پر انسانوں اور پری زادوں کی تعداد اتنی نہ تھی کہ وہ زیادہ دیر تک ان بھتنوں کو روک پاتی۔ فتح کی امید اب پھر معدوم

ہونے لگی تھی۔ اب تک وہ صرف پہلے حملے کو ہی روک پائے تھے۔

دن ڈھلتا گیا۔ بھتنے اب ایک مرتبہ پھر وادی میں جمع ہو رہے تھے۔ اب یہاں وارگ بھیڑیے بھی آن پہنچے تھے۔ اس کے ساتھ بالگ کے ذاتی محافظ بھی تھے جو دیوہیکل بھتنے تھے اور ہاتھوں میں دو دھاری تلواریں اٹھائے تھے۔ جلد ہی شام کی تاریکی ہر طرف پھیلنے لگی۔ چمگادڑیں انسانوں اور پری زادوں کے سروں پر منڈلا رہی تھیں یا زمین پر بکھری لاشوں کا خون چوس رہی تھیں۔ بارڈ اور اس کے آدمی اب مشرقی چوٹی کے دفاع میں مصروف تھےلیکن آہستہ آہستہ وہ بھی پسپائی پر مجبور ہونے لگے۔ دوسری جانب پری زادا اپنے بادشاہ کے گرد گھیرا بنائے جنوبی چوٹی کے اوپر ریون ہل کی چوکی کے قریب چومکھی لڑائی لڑ رہے تھے۔

اور پھر اچانک نعرے بلند ہوئے اور پہاڑ پاتال کے بیرونی دروازے سے نقاروں کی آواز سنائی دی۔ وہ تھورین کو بھول چکے تھے، ایک دھماکے کے ساتھ دیوار کا ایک حصّہ آگے کو تالاب میں منہدم ہوا اور اندر سے پہاڑ پاتال کا بادشاہ نمودار ہوا اور اس کے پیچھے اس کے تمام ساتھی تھے۔ ان کے کنٹوپ اور لبادے غائب تھے۔ اب ان کے جسموں پر صرف چمکتی زرّہ بکتر اور ان کی آنکھوں میں اترا خون دکھائی دے رہا تھا۔ بڑھتی تاریکی میں بونوں کا بادشاہ بجھتی آگ میں پگھلتے سونے کی مانند دکھائی دے رہا تھا۔

پہاڑ کے اوپر موجود بھتنے اب بھاری پتھروں سے سنگ باری کر رہے تھے۔ لیکن بونوں نے حوصلہ نہ ہارا اور نیچے لپکتے ہوئے میدانِ جنگ کی جانب بڑھے۔ ان کے سامنے بھیڑیے اور ان کے سوار کٹ گرنے یا بھاگ اٹھنے لگے۔ تھورین کا خون آشام کلہاڑا چاروں جانب ضربیں لگا رہا تھا اور یوں لگتا تھا کہ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

وہ چیخا، ''میری طرف آؤ! میری طرف آؤ! انسانوں اور پری زادو! میری طرف! اے میری نسل کے جوانو، میری طرف۔'' اس کی گرجدار آواز بادلوں کی گرج کی مانند وادی میں پھیلتی گئی۔

ڈین آہن قدم کے بونے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اس کی مدد کو نیچے کو بھاگے۔ بہت سے جھیل نگر کے باسی بھی نیچے بھاگے کیونکہ بارڈ بھی انھیں روک نہ سکا تھا۔ دوسری جانب سے

پری زادوں کے نیزہ برداروں کی ایک بڑی تعداد بھی نیچے اتر آئی۔ بھتنے ایک مرتبہ پھر وادی میں پھنس چکے تھے۔ ان کی لاشوں کے ڈھیر لگ چکے تھے اور ان کی سرانڈ سے ڈیل میں تعفن پھیل چکا تھا۔ وارگ بھیڑیئے تتر بتر ہو رہے تھے اور تھورین بالگ کے محافظوں کے عین سامنے پہنچ گیا لیکن اپنی تمام تر کوشش کے باوجود بھی وہ ان کا دفاعی حصار نہ توڑ سکا۔

اس کے عقب میں بھتنوں کے لاشوں کے درمیان بہت سے انسانوں اور بہت سے بونوں اور بہت سے خوبصورت پری زادوں کی لاشیں گری تھیں جنھیں نجانے کتنے سال مزید اپنے جنگل میں ہنسی خوشی رہنا تھا۔ جیسے جیسے وادی چوڑی ہوتی گئی ان کی پیش قدمی آہستہ ہوتی گئی۔ اس کے ساتھیوں کی تعداد بہت کم تھی۔ ان کے پہلو محفوظ نہ تھے اور پھر جلد ہی حملہ آور خود حملے کی زد میں آ گئے۔ اب وہ ایک دائرے کی صورت میں چاروں طرف سے نرغے میں آ چکے تھے اور چاروں جانب سے بھتنے اور بھیڑیئے ان پر حملہ آور تھے۔ بالگ کے دیو قامت محافظوں کا جتھا غراتا ہوا ان کی جانب بڑھا اور ریتلے ٹیلوں سے ٹکرانے والی سمندری لہروں کی طرح ان پر پل پڑا۔ ان کے دوست بھی ان کی مدد کو نہ پہنچ سکتے تھے کیونکہ پہاڑ پر بھتنوں کی جانب سے بھی ایک تازہ دم حملہ ہو چکا تھا اور دونوں طرف پری زادوں اور انسانوں کو پسپا کیا جا رہا تھا۔

بلبو ناامیدی اور بے یقینی کے عالم میں یہ سب دیکھ رہا تھا۔ وہ پری زادوں کے درمیان ریون ہل پر کھڑا تھا۔ شاید اس لیے کہ یہاں سے فرار ہونا قدرے زیادہ آسان تھا یا شاید اس لیے کہ (اس کے دماغ کے ٹُوک حصے کے مطابق) اگر اسے کسی نہ کسی طرح اس جنگ کا حصہ بننا ہی تھا تو وہ پری زاد بادشاہ کے لیے لڑنا زیادہ پسند کرتا۔ گنڈالف بھی یہیں زمین پر بیٹھا گہری سوچ میں گم تھا۔ میرے خیال میں وہ خاتمے سے پہلے اپنا کوئی آخری جادو منتر تیار کر رہا تھا۔

خاتمہ بہت دور نہ تھا۔ بلبو سوچنے لگا، ''اب بہت دیر نہ ہوگی کہ بھتنے بیرونی دروازے پر قابض ہو جائیں گے اور ہم یا تو مر جائیں گے یا ہمیں قید کر لیا جائے گا۔ اپنی جان جوکھوں میں ڈالنے کے باوجود ایسے انجام پر تو رونے کو جی چاہتا ہے۔ اب تو میرا جی چاہتا ہے کہ سماگ ہی

زندہ ہوتا اور اس خزانے پر کنڈلی مارے بیٹھا ہوتا بجائے اس کے کہ وہ ان وحشیوں کے ہاتھ لگ جائے اور بومبور اور بالین اور فیلی اور کیلی اور بارڈ اور جھیل نگر کے باسیوں اور یہ پری زادوں اور دوسروں کی جانیں خطرے میں پڑ جائیں۔ اوہ میرے خدا، میں نے نجانے جنگوں کے بارے میں کتنے گیت سنے ہیں اور ہمیشہ یہی سمجھتا تھا کہ شکست میں بھی کوئی نہ کوئی عظمت ہوتی ہے۔ لیکن شکست انتہائی اذیت ناک اور کربناک چیز ہے۔ کاش میں اس معاملے سے دور ہی رہتا۔"

تیز ہوا سے بادل چھٹنے لگے تھے اور مغرب کی جانب سے غروبِ آفتاب کی سرخ روشنی ظاہر ہوئی۔ اندھیرے میں یکا یک سرخ روشنی دیکھتے ہی بلبو نے مڑ کر دیکھا اور وہ چلّا اٹھا۔ اس کا دل خوشی سے بلیوں اچھلنے لگا۔ دور سرخ روشنی کے سامنے اسے آسمان میں چھوٹے لیکن شاندار سیاہ دھبے دکھائی دے رہے تھے۔

وہ چیخا، "عقاب! عقاب! عقاب آ رہے ہیں۔"

بلبو کی نگاہیں عموماً اسے دھوکا نہ دیتی تھیں۔ دور عقاب قطار اندر قطار اڑتے آ رہے تھے۔ ان کی تعداد سے لگتا تھا کہ شمال کے تمام علاقوں کے عقاب جمع ہو چکے ہوں۔

بلبو چیختا گیا اور اپنے ہاتھ لہراتا ہوا ناچنے لگا۔ اگرچہ وہ پری زادوں کو دکھائی نہ دے رہا تھا لیکن اس کی آواز انھیں سنائی دے رہی تھی۔ انھوں نے بھی آسمان کی جانب دیکھا اور جلد ہی ساری وادی میں خبر پھیل گئی۔ حیرت بھری سب نگاہیں آسمان کی جانب اٹھ گئیں لیکن پہاڑ کے جنوبی پہلو کے سوا ابھی کسی کو عقاب دکھائی نہ دے رہے تھے۔

بلبو ایک مرتبہ پھر چیخا، "عقاب۔" لیکن عین اسی لمحے پہاڑی کے اوپر سے ایک پتھر اس کے آہنی خود پر آن لگا اور وہ چکرا کر دھڑام سے نیچے گر پڑا اور پھر اسے کچھ یاد نہ رہا۔

اٹھارواں باب

واپسی کا سفر

جب بلبو کو ہوش آیا تو وہ واقعی اکیلا تھا۔ وہ ریون ہل کے سپاٹ پتھروں پر پڑا تھا اور اس کے ارد گرد کوئی نہ تھا۔ وہ سردی سے کپکپا رہا تھا اور اس کا جسم کسی پتھر کی مانند سرد ہو رہا تھا۔ اس کا سر درد سے پھٹ رہا تھا۔ وہ خود سے بولا، ''نجانے کیا ہوا ہے؟ بہر حال ایک بات یقینی ہے کہ میں جنگ میں کام آنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ لیکن شاید معرکہ ابھی باقی ہے۔''

وہ بمشکل اٹھ بیٹھا۔ وادی میں نظر دوڑاتے ہوئے اسے کوئی بھتنا دکھائی نہ دیا۔ تھوڑی دیر میں اس کے ہوش وحواس بحال ہوئے اور اسے یوں لگا جیسے اسے نیچے پتھروں کے درمیان پری زاد پھرتے دکھائی دے رہے ہوں۔ اس نے اپنی آنکھیں مسلیں۔ کچھ فاصلے پر نیچے میدان میں واقعی ایک پڑاؤ تھا۔ ارے، یہ کیا؟ کچھ لوگ بیرونی دروازے کے قریب موجود تھے؟ بونے اپنی دیوار ڈھانے میں مصروف تھے۔ لیکن پھر بھی چاروں جانب موت کی سی خاموشی چھائی تھی۔ کہیں سے کوئی آواز یا کوئی گیت نہ سنائی دے رہا تھا۔ ہر طرف افسردگی پھیلی تھی۔

وہ بولا، ''شاید فتح ہماری ہوئی، لیکن یہ فتح کتنی افسوس ناک ہے۔''

اچانک اس نے دیکھا کہ ایک شخص اوپر چڑھتا ہوا اس کی جانب آ رہا ہے۔

وہ کپکپاتی ہوئی آواز میں پکار اٹھا، ''ارے! ارے! رکو.... کیا خبر ہے؟''

وہ شخص رک گیا اور اس جانب دیکھنے لگا جہاں بلبو بیٹھا تھا، ''یہ پتھروں میں کہاں سے آواز آرہی ہے؟''

پھر بلبو کو یکا یک اپنی انگوٹھی یاد آئی، ''اوہ میرے خدا! غائب ہو جانے کے کچھ نقصانات بھی ہیں۔ ورنہ میں آج اپنے نرم و گرم بستر میں سویا ہوتا۔''

وہ تیزی سے اپنی انگوٹھی اتارتا ہوا بولا، ''یہ میں ہوں، بلبو بیگنز، تھورین کا ساتھی۔''

وہ شخص اس کی جانب بڑھتا ہوا بولا، ''اچھا ہوا تم مجھے مل گئے۔ ہمیں تمھاری ضرورت ہے اور بہت دیر سے ہم تمھیں تلاش کر رہے ہیں۔ اگر گنڈالف جادوگر ہمیں نہ بتاتا کہ تم یہیں کہیں ہو گے تو ہم تمھیں بھی جنگ میں مرجانے والوں میں شمار کر بیٹھتے۔ مجھے آخری مرتبہ تمھیں یہاں ڈھونڈنے بھیجا گیا ہے۔ کیا تم زخمی ہو؟''

بلبو نے جواب دیا، ''میرا خیال ہے میرے سر پر چوٹ لگی ہے۔ لیکن میں نے خود پہنا تھا اور میری کھوپڑی بھی کافی مضبوط ہے۔ پھر بھی میری طبیعت خراب ہے اور میری ٹانگیں سرکنڈوں کی طرح کمزور ہو رہی ہیں۔''

''فکر نہ کرو، میں تمھیں اٹھا کر نیچے وادی میں پڑاؤ تک لے جاتا ہوں۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے بآسانی بلبو کو اپنے کاندھے پر اٹھالیا۔

وہ شخص پھرتیلا اور پہاڑوں پر چڑھنے اور اترنے میں ماہر تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد اس نے بلبو کو ڈیل میں ایک خیمے کے سامنے لا اتارا۔ وہاں ایک بازو پٹی میں لٹکائے گنڈالف کھڑا تھا۔ جادوگر بھی زخموں سے نہ بچ سکا تھا۔ پوری فوج میں بہت کم ایسے تھے جنھیں کوئی زخم نہ آیا ہو۔

جیسے ہی گنڈالف کی بلبو پر نگاہ پڑی تو اس کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا۔ وہ چلّا اٹھا، ''بلبو.... میرے خدا! تم زندہ بچ گئے۔ اب میں واقعی خوش ہوں۔ میں تو سوچ رہا تھا کہ نجانے تمھاری خوش قسمتی بھی تمھیں بچا سکے گی یا نہیں۔ بہت خوفناک معرکہ ہوا اور ہم تو برباد ہو چلے تھے.... لیکن خیر باقی باتیں بعد میں ہوں گیم چلو میرے ساتھ۔'' پھر وہ سنجیدہ لہجے میں بولا، ''کوئی

تمھیں یاد کر رہا ہے۔'' یہ کہتے ہوئے وہ اسے لیے خیمے میں داخل ہوا۔

خیمے میں داخل ہوتے ہی وہ بول اٹھا، ''اے تھورین.... میں اسے لے آیا ہوں۔''

زخموں سے چور تھورین اوکن شیلڈ ایک بستر پر لیٹا تھا اور اس کی ٹوٹی پھوٹی خون آلود زرّہ بکتر اور کند جنگی کلہاڑا قریب ہی فرش پر پڑا تھا۔ جیسے ہی بلبو اس کے قریب پہنچا اس نے نگاہیں اٹھائیں۔ وہ بولا، ''الوداع میرے دوست! میں اب اپنے آباؤاجداد کے پاس ان کے آسمانی محلات میں جا رہا ہوں جہاں میں اس وقت تک رہوں گا جب تک دنیا دوبارہ سنور نہیں جاتی۔ میں تمام سونا چاندی یہیں چھوڑے جا رہا ہوں کیونکہ وہاں ان کی کوئی وقعت نہیں ہے اس لیے میں تم سے ایک دوست کی حیثیت سے الوداع کہنا چاہتا ہوں اور تم سے غار کے دروازے پر اپنے قول و فعل کی معافی چاہتا ہوں۔''

بلبو دکھ بھرے انداز میں گھٹنے کے بل بیٹھا اور بولا، ''الوداع اے پہاڑ پاتال کے بادشاہ! اگر ہماری مہم کا ایسا ہی خاتمہ ہونا ہے تو یہ انتہائی المناک مہم تھی اور سونے کا پہاڑ بھی اس کا نعم البدل نہیں ہے۔ پھر بھی مجھے خوشی ہے کہ مجھے تمھاری اس مہم میں شرکت کا موقع ملا اور یہ کسی بھی بیگنز کے لیے بلاشبہ ایک بہت بڑا اعزاز ہے۔''

تھورین بولا، ''نہیں، نرم دل مغرب کے صلح پسند باسی، تم نہیں جانتے کہ تمھارے اندر کتنی اچھائی ہے۔ برابر کے امتزاج میں بہادری بھی اور دانشمندی بھی ہے۔ اگر ہم میں زیادہ لوگ تمھاری طرح خزانوں کی بجائے کھانے پینے، ہنسی خوشی اور گانے بجانے کو اہمیت دیتے تو یہ دنیا کہیں زیادہ خوشگوار جگہ ہوتی۔ بہرحال خوشگوار یا افسردہ مجھے یہاں سے جانا ہے، الوداع۔''

پھر بلبو وہاں سے چلا آیا اور ایک کونے میں ایک کمبل میں لپٹا اکیلا بیٹھا رہا اور یقین کریں یا نہ کریں اتنی دیر تک روتا رہا کہ اس کی آنکھیں سرخ اور گلا بیٹھ گیا۔ بلبو بیچارہ بہت نرم دل تھا۔ اس دن کے بعد نجانے کتنے دن گزر گئے اور کسی نے اس کے چہرے پر مسکراہٹ نہ دیکھی۔ پھر ایک دن وہ خود سے کہنے لگا، ''اچھا ہی ہوا کہ میں جنگ ختم ہونے کے بعد ہوش میں آیا۔ کاش تھورین زندہ رہتا لیکن یہ بھی اچھا ہوا کہ ہم نے دوستی میں ایک دوسرے کو الوداع کہا۔ بلبو بیگنز تم بھی

بڑے احمق ہو، اس ایک ہیرے کے معاملے میں سارا کام بگاڑ دیا۔ امن وسکون خریدنے کی تمھاری تمام تر کوششوں کے باوجود جنگ ہوکر رہی لیکن شاید اس میں تمھارا کوئی قصور نہ تھا۔''

بلبو کو بعد میں معلوم ہوا کہ اس کی بے ہوشی کے دوران کیا ہوا اور یہ سب جان کر اسے خوشی سے زیادہ افسوس ہوا اور اب وہ اپنی اس مہم سے اکتا چکا تھا۔ اب اس کی ہڈیاں تک واپس گھر جانے کو تڑپ رہی تھیں۔ تاہم اس میں ابھی کچھ دیر تھی اس لیے میں آپ کو وہ واقعات بیان کرتا ہوں جن کی بنا پر جنگ کا پانسا پلٹ گیا تھا۔ عقابوں کو کافی عرصے سے بھتنوں کی تیاریوں پر شک ہونے لگا تھا۔ ان کی تیز نگاہوں سے پہاڑوں میں ہونے والی نقل وحرکت دیر تک نہ چھپی رہ سکتی تھی۔ اسی لیے وہ بھی دھندلے پہاڑوں پر رہنے والے عقابوں کے بادشاہ کی قیادت میں جمع ہونے لگے اور پھر جب انھیں جنگ وجدل کی بومحسوس ہونے لگی تو وہ ہوا کے دوش پر سوار برق رفتاری سے اڑتے ہوئے عین وقت پر میدانِ جنگ میں پہنچ گئے۔ یہ عقاب ہی تھے جنھوں نے پہاڑ کی چوٹیوں پر بیٹھے بھتنوں کو وہاں سے چن چن کر اٹھایا اور گہری کھائیوں میں پھینک دیا یا ان پر حملے کرتے ہوئے انھیں خوف اور دہشت کے عالم میں بھاگتے ہوئے اپنے ہی دشمنوں کے نشانے پر پہنچنے پر مجبور کر دیا۔ جلد ہی کوہِ یکتا بھتنوں کی موجودگی سے پاک ہو گیا اور وادی کے دونوں جانب موجود انسان اور پری زاد وہاں پہنچنے میں کامیاب ہو گئے تا کہ وہاں پر چاروں جانب سے دشمنوں میں گھرے اپنے ساتھیوں کی مدد کر سکیں۔

عقابوں کی آمد کے باوجود بھی ان کے دشمنوں کی تعداد ان سے کہیں زیادہ تھی۔ لیکن اس آخری لمحے میں بیورن خود آن پہنچا۔ کوئی نہیں جانتا کہ وہ کیسے اور کہاں سے پہنچا۔ وہ اکیلا تھا اور ریچھ کی شکل میں تھا۔ غصّے کے عالم میں کسی دیو کی مانند وہ اپنے عمومی قد کاٹھ سے بھی کہیں بڑا دکھائی دے رہا تھا۔ اس کی دھاڑ ایسی تھی جیسے لاتعداد ڈھول بج رہے ہوں اور توپیں گرج رہی ہوں۔ وہ اپنے سامنے آنے والے بھتنوں اور بھیڑیوں کو گھاس پھونس کی طرح چیرتا پھاڑتا اچھالتا جا رہا تھا۔ اس نے بھتنوں پر عقب سے حملہ کیا چند ہی لمحوں میں بونوں کے گرد حصار توڑنے میں کامیاب ہو گیا۔ تیرہ بونے ایک چھوٹی سی پہاڑی پر کھڑے اپنی زندگی کی آخری

جنگ لڑ رہے تھے۔ بیورن نے جھک کر تھورین کو زمین سے اٹھایا جس کا جسم نیزوں سے چھلنی تھا اور اسے لے کر وہاں سے دور چلا گیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ واپس آن پہنچا اور اس کا غصّہ پہلے سے بھی دوچند ہو چکا تھا۔ اس کے سامنے کچھ بھی کھڑا نہ ہو سکتا تھا اور کوئی ہتھیار اس پر کارآمد نہ ہوتا تھا۔ اس کے حملے سے سامنے محافظوں کا دستہ بھی نہ ٹھہر سکا اور پھر اس نے بھتنوں کی فوج کے سردار بالگ کو نیچے گرا ڈالا اور اسے اپنے پنجوں سے چیر پھاڑ ڈالا۔ بھتنوں کی رہی سہی ہمت جواب دے گئی اور وہ تتر بتر چاروں جانب بھاگ اٹھے۔ لیکن ان کے دشمنوں کی امیدیں بحال ہو چکی تھیں اور وہ اپنی تھکاوٹ کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ان کے تعاقب میں بھاگے اور ان میں سے بہت سوں کو فرار ہونے میں کامیاب نہ ہونے دیا۔ بہت سوں کو دریائے رواں میں دھکیل دیا گیا اور جو بچے کھچے جنوب اور مغرب کی جانب بھاگے ان کا جنگل کے دریا کے دلدلی علاقوں تک پیچھا کیا گیا اور یہاں ان کی بڑی تعداد اپنے انجام کو پہنچی۔ کچھ کے پیچھے پری زاد بن سیاہ کے اندر تک پہنچے اور وہ سب جنگل کی بھول بھلیوں میں موت کے گھاٹ اتر گئے۔ بعد میں گائے جانے والے گیتوں اور سنائی جانے والی داستانوں کے مطابق شمال کے بھتنوں کا تین چوتھائی حصّہ اس دن اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے اور بعد ازاں سالہا سال تک پہاڑوں میں امن وسکون رہا۔

اگرچہ رات ڈھلنے سے پہلے ہی فتح ان کا مقدر بن چکی تھی تاہم دشمنوں کا تعاقب اس وقت بھی جاری تھا جب بلبو واپس پڑاؤ میں لوٹا۔ وادی میں سوائے شدید زخمیوں کے بہت لوگ موجود نہ تھے۔

رات کو جب وہ تین چار گرم کمبلوں میں لپٹا لیٹا تھا تو اس نے گنڈالف سے پوچھا، ''عقاب کہاں ہیں؟''

جادوگر نے جواب دیا، '' کچھ تو دشمنوں کے تعاقب میں ہیں لیکن بہت سے واپس اپنے نشیمن کی جانب روانہ ہو گئے ہیں۔ وہ یہاں رکنے پر تیار نہیں تھے اور پہلی روشنی پھوٹتے ہی روانہ ہو گئے۔ ڈین آہن قدم نے ان کے سردار کو سونے کا تاج پیش کیا اور تاحیات دوستی اور

خیر سگالی کا وعدہ کیا۔"

بلبو غنودگی کے عالم میں بولا، "اوہ، بہت افسوس ہوا۔ میرا مطلب ہے کہ میں انھیں ایک مرتبہ پھر ملنا چاہتا تھا۔ شاید واپسی کے سفر کے دوران ان سے پھر ملاقات ہو جائے۔ اب میرا خیال ہے ہمیں واپس لوٹنا ہوگا؟"

جادوگر نے جواب دیا، "جب بھی تم چاہو۔"

بلبو کی روانگی مزید چند دن تک نہ ہو سکی۔ تھورین کو پہاڑ کے اندر دفن کیا گیا اور بارڈ نے اس کے سینے پر آرکن سٹون رکھا اور بولا، "یہ اس وقت تک یہاں رہے گا جب تک یہ پہاڑ چکنا چور ہو کر زمین بوس نہیں ہو جاتا۔ میری دعا ہے کہ یہ یہاں رہنے والے اس کی نسل کے بونوں کے لیے خوش قسمتی کا باعث ہو۔"

پری زادوں کے بادشاہ نے اس کی قبر پر آرکرسٹ تلوار رکھی جو قید کے دوران تھورین سے چھین لی گئی تھی۔ کہتے ہیں کہ جب بھی کوئی دشمن پاتال پہاڑ کی جانب پیش قدمی کرتا ہے تو یہ تلوار اندھیرے میں چمکنے لگتی ہے اور اس دن کے بعد کبھی کوئی دشمن بونوں کے اس قلعے پر اچانک حملہ نہ کر سکا۔ یہاں ڈین آہن قدم ولد نین نے اپنی سلطنت قائم کی اور پہاڑ پاتال کا بادشاہ کہلایا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دور دراز سے لاتعداد بونے اس کے دربار میں پیش ہوئے۔ تھورین کے بارہ ساتھیوں میں سے دس زندہ بچے۔ فیلی اور کیلی اپنی ڈھالوں اور اپنے سینوں سے تھورین کی حفاظت کرتے ہوئے مارے گئے کیونکہ وہ ان ماں کا بڑا بھائی تھا۔ باقی ڈین آہن قدم کے ساتھ ہی رہ گئے کیونکہ ڈین آہن قدم نے بہت سوچ سمجھ کر خزانے کی تقسیم کی تھی۔

اب خزانے کو پہلے طے گئے معاہدے کے مطابق تقسیم کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا، جس کے تحت بالین، ڈوالین، ڈوری اور نوری اور اوری، اوئین اور گلوئین اور بوفور، بیفور اور بومبور..... اور بلبو سب کو حصہ ملنا تھا۔ پھر بھی چودھواں حصہ جس میں سونا چاندی شامل تھا بارڈ کو دیا گیا کیونکہ ڈین آہن قدم کا کہنا تھا کہ، "ہم مرنے والوں کے وعدوں کا پاس کریں گے، یوں بھی آرکن سٹون جس کی ملکیت تھی اس کو پہنچ چکا ہے۔"

خزانے کا چودھواں حصہ بھی اپنی جگہ پر ایک عظیم الشان دولت پر مشتمل تھا جو بہت سے فانی بادشاہوں کے خزانوں سے کہیں زیادہ تھی۔ بارڈ نے اپنے حصے میں سے بہت سا سونا چاندی جھیل نگر کے حاکم اعلیٰ کو بھجوا دیا اور اپنے ساتھیوں اور حواریوں کو کھلے دل سے نوازا۔ اپنی طرف سے [illegible] کے بادشاہ کو تحفے میں گیریان کے زمرد دیے۔

پھر وہ بلبو سے بولا، ”یہ خزانہ اتنا ہی تمھارا ہے جتنا میرا، لیکن ہم پرانے معاہدوں پر نہیں چل سکتے کیونکہ خزانے کے حصول اور اس کے دفاع میں بہت لوگوں نے حصہ لیا ہے۔ اگرچہ تم اپنے سارے حصے سے دستبردار ہونے پر تیار تھے پھر بھی میں چاہتا ہوں کہ تھورین کے وہ الفاظ جن پر وہ ندامت کا اظہار کر چکا تھا درست ثابت نہ ہوں۔ تمھیں سب سے زیادہ انعام دیا جائے گا۔“

بلبو نے جواب دیا، ”میں آپ کا بہت شکر گزار ہوں۔ لیکن حقیقت میں تو میں نے سکھ کا سانس لیا ہے۔ یوں بھی مجھے کوئی اندازہ نہیں کہ یہ سارا سونا چاندی کسی خون خرابے کے بغیر میں گھر کیسے پہنچا پاؤں گا اور اگر میں گھر پہنچ بھی جاؤں تو اتنی ساری دولت کا کیا کروں گا؟ مجھے یقین ہے کہ ساری دولت آپ کے ہاتھوں میں ہی زیادہ محفوظ رہے گی۔“

آخر میں وہ صرف سونے سے بھری ایک اور چاندی سے بھری دوسری صندوقچی قبول کرنے پر راضی ہوا، جو باآسانی ایک خچر پر لادی جا سکتی تھیں اور بولا، ”بس میرے لیے اتنا ہی کافی ہے۔“

پھر وہ وقت آن پہنچا جب اسے اپنے ساتھیوں کو الوداع کرنا پڑا۔ وہ بولا، ”الوداع بالین! اور الوداع ڈوالین، اور الوداع ڈوری، نوری، اوری، اوئین، گلوئین، بیفور، بوفور، اور بومبور... کاش تم سب کی داڑھیاں کبھی کم نہ ہوں۔“ اور پھر پہاڑ کی جانب رخ کرتے ہوئے وہ بولا، ”الوداع تھورین اوکن شیلڈ! اور فیلی اور کیلی! کاش تمھاری یادیں کبھی دھندلی نہ پڑیں۔“ بونے اس کے سامنے تعظیماً جھکے لیکن ان کے ہونٹوں سے کوئی لفظ نہ نکل پایا۔ آخر میں بالین ہی بول اٹھا، ”الوداع، جہاں بھی جاؤ، کاش خوش نصیبی تمھارے قدم چومے۔“

جب ہمارے محلات کی دوبارہ تزئین و آرائش ہو جائے اور تمھارا اس جانب آنا ہو تو تمھارے اعزاز میں یہاں یقیناً ایک شاندار دعوت کا انعقاد کیا جائے گا۔"

بلبو بولا، "اور اگر تم لوگوں کا میرے گھر کی جانب آنا ہو تو دستک دینے میں ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہ کرنا۔ چائے چار بجے پیش کی جائے گی لیکن تم جس وقت بھی آؤ، میرے گھر کے دروازے تمھارے لیے کھلے ہیں۔"

... پھر وہ مڑ گیا۔

پری زادوں کی فوج رواں دواں تھی۔ افسردگی کی بات یہ تھی کہ ان کی تعداد پہلے سے کہیں کم تھی لیکن پھر بھی بہتوں کے چہروں پر خوشی چھائی تھی کیونکہ اب آنے والے بہت دنوں تک شمالی علاقے پُرسکون اور پُرامن رہیں گے۔ اژدھا مر چکا تھا اور بھتنوں کا غلبہ ختم ہو چکا تھا اس لیے ان کے دل سردیوں کے بعد آنے والی خوشگوار بہار کی امید میں شاداں تھے۔

گنڈالف اور بلبو پری زاد بادشاہ کے عقب میں چلے جا رہے تھے اور ان کے ساتھ ہی اپنی انسانی جون میں بیورن تھا جو چلتے چلتے بلند آواز سے ہنستا اور گیت گاتا جا رہا تھا۔ وہ اس وقت تک چلتے گئے جب تک وہ بن سیاہ کے کنارے پر پہنچ گئے جہاں شمال کی جانب جنگل دریا بہتا تھا۔ یہاں وہ رکے کیونکہ بلبو اور گنڈالف جنگل میں داخل نہ ہونا چاہتے تھے حالانکہ پری زاد بادشاہ نے انھیں اپنے ہاں چند روز قیام کرنے کی دعوت دی۔ وہ جنگل کے ساتھ ساتھ اس کے شمالی کنارے تک جانا چاہتے تھے جہاں سرمئی پہاڑوں کی ابتدا ہوتی تھی۔ اگرچہ یہ راستہ طویل اور سنسان تھا لیکن بھتنوں کی شکست کے بعد اب جنگل کے گھنے درختوں کے نیچے تاریک بھول بھلیوں کی نسبت یہ راستہ قدرے محفوظ دکھائی دیتا تھا۔ مزید برآں بیورن بھی اسی راستے سے جا رہا تھا۔

گنڈالف بولا، "الوداع اے پری زادوں کے بادشاہ! جب تک دنیا جوان ہے، تمھارے جنگل میں شادمانی قائم رہے اور تمھارے سب ساتھی خوش باش رہیں۔"

بادشاہ نے جواب دیا، "الوداع اے گنڈالف! کاش تم ہمیشہ وہاں پہنچ پاؤ جہاں تمھاری موجودگی کی ضرورت زیادہ اور توقع کم ہو۔ تم جتنی مرتبہ میرے محلات میں آؤ گے میری خوشی اتنی

ہی دوبالا ہوگی۔''

بلبو ہکلاتے ہوئے ایک پیر پر کھڑا بولا، ''اے بادشاہ، میری آپ سے درخواست ہے کہ آپ یہ قبول کریں۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے چاندی میں جڑے موتیوں کا ایک ہار اسے پیش کیا جوڈین آہن قدم نے جاتے وقت اسے دیا تھا۔

بادشاہ بولا، ''اے ہابٹ، میں اس تحفے کا کیوں کر حقدار ہوا؟''

بلبو قدرے گڑبڑاتے ہوئے بولا، ''وہ.... میرا خیال ہے، کیا آپ جانتے نہیں.... کہ مجھے آپ کی.... مہمانداری کا کسی طریقے سے تو شکریہ ادا کرنا ہوگا۔ میرا مطلب ہے کہ چوروں کے بھی کچھ اصول ہوتے ہیں۔ میں بہت دنوں چپکے چپکے آپ کی شراب اور آپ کی روٹیوں سے لطف اندوز ہوتا رہا ہوں۔''

بادشاہ نے سنجیدگی سے جواب دیا، ''مجھے تمھارا تحفہ دل وجان سے قبول ہے، بلبو میرے معزز دوست۔ میں آج تمھیں پری زادوں کا دوست کا خطاب دیتا ہوں۔ کاش تمھارا سایہ کبھی کم نہ ہو (ورنہ چوری کرنا بہت آسان ہوجائے گا)، الوداع۔''

یہ کہہ کر پری زادوں کی فوج جنگل کی جانب چل دی اور بلبو اپنے گھر کی طرف اپنے طویل سفر پر چل دیا۔

گھر پہنچنے سے پہلے اسے مزید بہت سی مشکلات اور دشواریوں کا سامنا رہا۔ اجاڑستان پھر اجاڑستان تھا اور ان دنوں میں بھتنوں کے علاوہ بھی بہت سے خطرات ابھی بھی یہاں موجود تھے۔ لیکن اس کی رہنمائی اور حفاظت کے لیے گنڈالف اور بیشتر راستے تک بیورن بھی موجود تھا۔ یوں اسے کسی سنگین خطرے کا سامنا نہ ہوا۔ بہرحال سردیوں کے وسط تک بلبو اور گنڈالف تاریک جنگل کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے بیورن کے گھر کے دروازوں تک آن پہنچے جہاں انھوں نے چند دن قیام کیا۔ سال کے آخر کا تہوار بھی بہت گرمجوشی اور خوشی سے منایا گیا۔ بیورن کی دعوت پر دور دراز سے لوگ اس دعوت میں شرکت کے لیے آئے۔ دھندلے پہاڑ کے بھتنے اب خوفزدہ اور تعداد میں کم تھے اور زیادہ تر اندھیرے تاریک غاروں میں چھپے بیٹھے تھے۔

وارگ بھیڑیئے بھی جنگلوں سے اوجھل ہو چکے تھے اس لیے لوگوں نے بے خوفی سے سفر کرنا شروع کر دیا۔ حقیقت میں بیورن اس علاقے کا بڑا سردار بن گیا تھا اور جنگل اور پہاڑوں کے درمیان وسیع علاقے کی حکمرانی سنبھالنے لگا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی آنے والی کئی نسلوں میں انسانوں میں ریچھ کی جون اختیار کرنے کی طاقت رہی تھی۔ ان میں کچھ سنگدل اور برے لوگ بھی تھے لیکن اکثر دلی طور پر بیورن کی طرح نیک ہی تھے اگرچہ ان میں کوئی بھی بیورن کی مانند طاقتور اور دیو ہیکل نہ تھا۔ ان کے دور میں دھندلے پہاڑوں میں باقی رہ جانے والے آخری بھتنوں کو بھی چن چن کر ختم کر دیا گیا تھا اور اجاڑستان پر ایک نیا امن پھیل گیا۔

دھیمے موسم اور چمکدار دھوپ والی بہار آن پہنچی تو بالآخر گنڈالف اور بلبو نے بیورن سے اجازت چاہی۔ اگرچہ بلبو کو اپنے گھر کی یاد ستا رہی تھی لیکن پھر بھی اسے بیورن کے گھر سے جاتے ہوئے افسوس ہوا کیونکہ بیورن کے باغیچے میں کھلنے والے پھول بہار میں بھی اتنے ہی حسین اور خوبصورت تھے جتنے عین موسم گرما میں تھے۔

وہ طویل راستے پر چلتے گئے اور آخر کار اسی درّے میں آن پہنچے جہاں انھیں پہلی مرتبہ بھتنوں نے پکڑ لیا تھا۔ لیکن یہ اس بلند مقام پر صبح کے وقت پہنچے اور انھوں نے مڑ کر دیکھا تو انھیں اپنے عقب میں وسیع و عریض علاقے پر سفید دھوپ چمکتی دکھائی دی۔ اس کے پیچھے فاصلے پر نیلگوں رنگ کا بن سیاہ دکھائی دے رہا تھا جس کا قریبی کنارا بہار کے موسم میں بھی گہرا سبز تھا اور دور افق پر نگاہوں کے آخری سرے پر کوہِ یکتا دکھائی دے رہا تھا۔ اس کی چوٹی پر ابھی تک جمی برف زردی مائل دھوپ میں چمک رہی تھی۔

بلبو بولا، ''آگ کے بعد برف بھی آن پہنچتی ہے اور اژدھے بھی مر ہی جاتے ہیں۔'' اور اپنی اس مہم سے پیٹھ موڑ لی۔ اس کے اندر کا ٹوک خون اب تھکنے لگا تھا اور بیگنز خون دن بدن جوشیلا ہوتا جاتا تھا۔ وہ بولا، ''میری بس اب یہی خواہش ہے کہ میں اپنی آرام کرسی میں جا بیٹھوں۔''

آخری مرحلہ

مئی کی پہلی تاریخ کو یہ دونوں ریونڈیل کی وادی کے کنارے پر آن پہنچے جہاں آخری (یا پہلا) مسکنِ آسودہ واقع تھا۔ اس مرتبہ بھی شام ہو رہی تھی اور ان کے خچر تھک چکے تھے خصوصاً وہ جس پر ان کا اسباب لدا تھا۔ انھیں سستانے کی ضرورت تھی۔ جیسے ہی وہ ڈھلوان سے نیچے اترنے لگے بلبو کو پری زادوں کے گیتوں کی آواز سنائی دی جیسے وہ اس کے جانے کے وقت سے ابھی تک متواتر گیت گا رہے ہوں۔ جیسے ہی یہ دونوں جنگل کے قریب پہنچے تو پری زادوں نے ایسا ہی گیت چھیڑ دیا جیسا پہلے گایا تھا۔ یہ گیت کچھ یوں تھا۔

[illegible] اب مر چکا، اس کی ہڈیاں گل گئیں
اس کی کھال جھڑ گئی، اس کی شان خاک ہوئی
تلوار دھوئی زنگ آلود، تخت ہوا تاراج
طاقت پر بھروسہ تھا، دولت پر اعتبار تھا
یہاں گھاس اگتی ہے اور پتے ابھی تک لہلاتے ہیں

تھا۔لیکن پھر بھی جب کہانی کا کوئی ایسا حصّہ آتا جس سے وہ آگاہ نہ ہوتا تو وہ ایک آنکھ کھول کر سننے لگتا۔

یوں اسے معلوم ہوا کہ گنڈالف کہاں غائب ہوگیا تھا۔اس نے گنڈالف اور ایلرانڈ کے درمیان گفتگو سن لی۔ ہوا یوں کہ گنڈالف پرانی روایات کے امین اور پاکیزہ جادو کے ماہر سفید ساحروں کی ایک منڈلی میں شرکت کرنے گیا تھا۔ انھوں نے ہی آخر کار سیاہ ساحر ساؤرون کو بن سیاہ کے جنوب میں اس کے تاریک محل سے نکال باہر کیا تھا۔

گنڈالف کہہ رہا تھا،''یوں اب بہت عرصے تک جنگل پھر ہرا بھرا اور سرسبز وشاداب رہے گا۔شمال کا علاقہ بھی اب اس عفریت سے آزاد ہو چکا ہے۔ پھر بھی میری خواہش ہے کہ دنیا کو اس کی موجودگی سے پاک کر دینا چاہیے۔''

ایلرانڈ نے جواب دیا،''ہاں ایسا ہوا تو بہت اچھا ہوگا لیکن مجھے ڈر ہے کہ دنیا کے اس دور میں ایسا ہونا ممکن نہیں ہے اور نہ ہی آنے والے بہت سالوں میں۔''

جب یہ داستان ختم ہوئی تو دوسری داستانیں سنائی گئیں، اور پھر مزید داستانیں، پرانے دنوں کی کہانیاں، نئے وقتوں کی کہانیں اور کچھ ایسی کہانیاں جو وقت کی پابندیوں سے ماورا تھیں حتیٰ کہ بلبو کا سر اس کی چھاتی پر آن گرا اور وہ ایک کونے میں سکون سے خراٹے لینے لگا۔

اس کی آنکھ کھلی تو اس نے خود کو ایک سفید بستر پر پایا۔ایک کھلی کھڑکی سے چاند کی روشنی کمرے میں پھیل رہی تھی۔ کھڑکی کے نیچے باہر ندی کے کنارے پری زادوں کی ایک ٹولی بیٹھی خوش الحانی سے گیت گا رہی تھی...

آؤ مل کر خوشی کے گیت گائیں، مل کر گائیں گیت
ہوا چلے درختوں پر، ہوا چلے پہاڑوں میں
کلیوں میں ستارے چمکیں، پھولوں میں چاند
اور رات کے محل میں کھڑکیاں روشن ہیں

آؤ مل کر خوشی میں ناچیں، مل کر ناچیں سب
نازک نرم ہوئی ہے گھاس، پیر ہوئے جیسے پنکھ
دریا ہوا چاندی مانند، سائے ہوئے ہیں گم
مہینہ آیا خوشیوں کا، اور خوشیوں کی ملاقات
ہولے ہولے گائیں گیت اور اس کے لیے ہم خواب بنائیں
نیند کے ہولے ہولے جھونکے جہاں اسے چھوڑ آئیں
نندیا وادی میں ہوا گم مسافر، ٹیک ہو اس کی نرم
لوری گائیں لوری گائیں، بید اور بیدِ مجنوں
بند کر صنوبر سسکنا، صبح کی ہوا کے آنے تک
چھپ جا چاند، تاریکی چھا جائے زمین پر
شش، شش، بلوط، راکھ اور کانٹا
پانی بھی ہو جائے ساکت، صبح کے روشن ہونے تک

بلبو نے کھڑکی سے باہر جھانکا اور خوشگوار لہجے میں بولا، ''اے میرے دوستو! چاند کے حساب سے کیا وقت ہوا ہے؟ تمھارے گیتوں سے تو شراب میں دھت کوئی بھتنا بھی اٹھ بیٹھے گا۔ بہرحال شکریہ۔''

پری زادوں نے ہنستے ہوئے جواب دیا، ''اور تمھارے خراٹوں سے تو پتھر کا تراشا اژدھا بھی جاگ اٹھے گا۔ تمھارا بھی شکریہ! اب تو صبح ہونے کو ہے۔ تم تو رات کی ابتدا ہی سے سو رہے ہو۔ شاید تم کل تک اپنی تھکاوٹ سے نجات پالو۔''

بلبو نے جواب دیا، ''ایلرانڈ کے گھر میں چند لمحوں کی نیند بھی عمر بھر کی تھکاوٹ کا بڑا علاج ہے۔ لیکن میں تھوڑی دیر مزید یہ علاج کروانا چاہتا ہوں۔ ایک مرتبہ پھر شب بخیر میرے عزیز دوستو۔''

یہ کہتے ہوئے وہ دوبارہ اپنے بستر پر جا گرا اور بعد دوپہر تک سوتا رہا۔

یہاں آتے ہی جیسے تکان اس کے بدن سے نکلتی چلی گئی اور جلد ہی وہ صبح دوپہر اور شام اپنے پری زاد دوستوں کے ساتھ ہنسی مذاق اور گانا بجانا کرتا رہا۔ لیکن پھر بھی یہ پُرسکون اور خوشگوار جگہ بھی اسے اپنے گھر سے دور نہ رکھ سکتی تھی اور اسے رہ رہ کر اپنے گھر کی یاد ستانے لگی۔ پھر تقریباً ایک ہفتے بعد اس نے ایلرانڈ کو بھی الوداع کہا اور اسے چند ایسے چھوٹے موٹے تحائف پیش کرنے کے بعد جسے وہ آسانی سے قبول کر لے، بلبو گنڈالف کے ساتھ وہاں سے بھی روانہ ہو گیا۔ جیسے ہی وہ وادی سے روانہ ہوئے تو ان کے سامنے مغرب کی جانب آسمان تاریک ہونے لگا اور تھوڑی ہی دیر میں ہوا کے ساتھ بارش ہونے لگی۔

بلبو کے چہرے پر بارش کی پھوار پڑی تو وہ کہہ اٹھا، "مئی کا مہینہ بھی کیسا بھلا ہوتا ہے۔ لیکن اب ہم سب داستانیں پیچھے چھوڑے جا رہے ہیں اور گھر کی جانب جا رہے ہیں۔ شاید گھر لوٹنے کی یہی پہلی نشانی ہے۔"

گنڈالف بولا، "ابھی ہمارا راستہ بہت طویل ہے۔"

بلبو نے جواب دیا، "لیکن یہی طویل راستہ آخری بھی تو ہے۔"

[illegible] اب وہ اس دریا کے کنارے آن پہنچے جہاں اجاڑستان کی آخری حدود ختم ہوتی تھیں اور عمودی کناروں کے قریب دریا کے اس کنارے پر جو شاید آپ کو یاد ہو۔ گرمیوں کی آمد پر برف کے پگھلنے اور سارا دن برسنے والی بارش کی وجہ سے پانی کا بہاؤ تیز تھا لیکن کچھ دشواری کے باوجود انھوں نے دریا پار کر ہی لیا اور ڈھلتی شام میں اپنے سفر کے آخری مرحلے میں آگے بڑھتے گئے۔ [illegible]

یہ سفر تقریباً ویسا ہی تھا جیسے پہلے تھا، بس اب ہمراہیوں کی تعداد کم تھی اور خاموشی زیادہ۔ اس مرتبہ اب کوئی دیو بھی نہ تھے۔ ہر موڑ پر بلبو کو تقریباً ایک سال قبل اپنے پہلے سفر کے دوران اس مقام پر وقوع پذیر واقعات اور ادا کیے گئے الفاظ یاد آ جاتے حالانکہ اسے یوں لگتا تھا جیسے سو سال گزر چکے ہوں۔ یوں وہ اس جگہ کو فوراً پہچان گیا جہاں خچر دریا میں جا گھسا تھا اور جہاں

راہیں چلتی چلتی جائیں، پہاڑوں کے اوپر درختوں کے نیچے
بادلوں کے نیچے ستاروں کے نیچے
اور بھٹکے قدم ان راہوں پر، پھر واپس لوٹے گھر کی طرف
دیکھی جن آنکھوں نے آگ اور جنگ، پتھریلے غاروں میں خوف کے سنگ
وہ دیکھ رہی ہیں سرسبز کھلیان، اور سالوں سے شناسا درخت پہاڑ

گنڈالف نے اسے بغور دیکھا اور کہہ اٹھا، ''میرے عزیز بلبو! تمھیں کچھ ہو گیا ہے! تم وہ ہابٹ نہیں ہو جو پہلے ہوتے تھے۔''

انھوں نے پل پار کیا، دریا کنارے آٹے کی چکی کے سامنے سے ہوتے ہوئے وہ بلبو کے گھر کی دہلیز پر آن پہنچے۔

وہ بول اٹھا، ''اوہ میرے خدا! یہ کیا ہو رہا ہے؟'' بلبو کے گھر کے سامنے ایک مجمع لگا تھا اور امیر غریب ہر طرح کے لوگ اس کے گھر اندر باہر آ جا رہے تھے۔ بلبو بہت جز بز ہوا کہ ان میں سے بہت سے اندر داخل ہوتے ہوئے دہلیز پر پڑے بوریئے پر پیر صاف کرنے کا تکلف بھی نہیں کر رہے تھے۔

اگر بلبو اس صورتِ حال سے پریشان ہوا تو وہ لوگ اس بھی کہیں زیادہ پریشان ہوئے۔ وہ اپنے گھر عین اس وقت پہنچا جب اس کے گھر کے ساز و سامان کی نیلامی کی جا رہی تھی۔ گیٹ پر کالے اور سرخ رنگ کا ایک اشتہار چسپاں تھا جس پر تحریر تھا ''بائیس جون کو میسرز گرب گرب اینڈ برادرز بیگ اینڈ، انڈر ہل، ہابیٹن کے مرحوم بلبو بیگنز کی گھریلو اشیا کی نیلامی کریں گے۔ نیلامی ٹھیک دس بجے شروع ہو گی۔'' اس وقت دوپہر کے کھانے کا وقت ہو چکا تھا اور گھر کا بیشتر سامان بک چکا تھا جن میں کچھ کوڑیوں کے مول بیچ دیا گیا تھا اور کچھ کی قیمت انتہائی بڑھا چڑھا کر لگائی گئی تھی (جیسا کہ عموماً ایسی نیلامیوں میں ہوتا ہے) بلبو کے دور پرے کے عم زاد سیک ویل بیگنز کا خاندان اس کے کمروں کا ناپ لینے میں مصروف تھے کہ ان کا اپنا گھریلو سامان

بلبو کے گھر میں پورا آتا ہے یا نہیں۔ قصّہ مختصر، بلبو کو ''مرحوم'' قرار دیا گیا تھا اور بہت سے لوگ ایسے بھی تھے جو اپنے اس اندازے کے غلط ثابت ہونے پر خوش نہ ہوئے تھے۔

بلبو بیگنز کی واپسی سے پہاڑی کے اوپر پہاڑی کے نیچے اور دریا کے پار شدید ہلچل مچا دی جو کافی دنوں تک زبان زدِعام رہی۔ قانونی کارروائیاں البتہ سالوں جاری رہیں۔ پھر کافی عرصہ گزرنے کے بعد ہی مسٹر بیگنز کو بالآخر زندہ مان لیا گیا۔ وہ لوگ تو خاص طور پر یہ بات ماننے پر تیار نہ تھے جنھوں نے اس کا سامان سستے داموں خریدا تھا۔ آخر میں صرف وقت بچانے کی خاطر بلبو کو اپنے ہی گھر کا سامان واپس خریدنا پڑا۔ اس کے چاندی کے چمچے تو ایسے غائب ہوئے کہ دوبارہ دکھائی ہی نہ دیئے۔ ذاتی طور پر اس کو سیک ویل بیگنز پر ہی شک رہا تھا۔ دوسری جانب انھیں کبھی یقین نہ آیا کہ واپس آنے والا بلبو بیگنز ہی اصلی بلبو بیگنز ہے اور اس واقعے کے بعد ان کے بلبو کے ساتھ تعلقات کشیدہ ہی رہے۔ وہ تو پوری تیاری کیے بیٹھے تھے کہ جلد ہی بلبو کے گھر میں منتقل ہو جائیں گے۔

بعد ازاں بلبو کو اندازہ ہوا کہ چمچوں کے علاوہ بھی وہ بہت کچھ کھو بیٹھا ہے۔ وہ اپنی ساکھ بھی کھو بیٹھا تھا۔ یہ سچ تھا کہ اس واقعے کے بعد اسے ہمیشہ کے لیے پری زادوں کی دوستی اور بونوں کی تعظیم حاصل رہی بشمول جادوگروں اور ایسے دیگر تمام لوگوں کے جن کا اس علاقے سے گزر ہوتا تھا۔ لیکن اپنے گاؤں میں اب اسے معزز اور شریف شمار نہیں کیا جاتا تھا۔ حقیقت میں اس کے گرد و نواح میں سارے ہابٹ اب اسے ''پُراسرار'' سمجھتے تھے ماسوائے اس کے خاندان کی ٹُوک طرف سے بھتیجے اور بھتیجیاں۔ یوں تو ان کے بڑے بوڑھے بھی بلبو سے ان کے میل ملاپ کو اچھی نگاہ سے نہ دیکھتے تھے۔

مجھے اس بات کا افسوس ہے لیکن بلبو کو اس کا کوئی گلہ نہ تھا۔ وہ مطمئن تھا۔ اس کے لیے آتشدان پر کھولتی چائے کی کیتلی کی سیٹی بھی اس کے سفر سے پہلے کے خاموش اور پُرسکون دنوں سے کہیں زیادہ مترنم ہو چکی تھی۔ اس نے اپنی تلوار آتشدان کے اوپر لٹکا ڈالی تھی۔ ہال میں ایک جانب اس کی زرّہ بکتر لٹک رہی تھی۔ اس کے سونے چاندی کا بیشتر حصّہ تحفے تحائف دینے میں

خرچ ہو گیا جن میں کچھ کارآمد تھے اور کچھ انتہائی مہنگے اور بے کار۔ لیکن انہی تحائف کی بنا پر اس کے بھتیجے اور بھتیجیاں اس کے اتنے شیدائی تھے۔ البتہ طلسماتی انگوٹھی اس نے احتیاط سے چھپا کر رکھی تھی۔ وہ محض اس وقت استعمال کیا کرتا جب بن بلائے اور ناپسندیدہ مہمان آ ٹپکتے۔

[illegible] خزاں کے ایک دن وہ اپنے مطالعے کے کمرے میں بیٹھا اپنی یادداشتیں قلم بند کر رہا تھا، جسے وہ "وہاں اور واپسی، ایک ہابٹ کا سفر" کا عنوان دینے کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ اس کے دروازے پر دستک ہوئی۔ یہ گنڈالف تھا جس کے ساتھ ایک بونا تھا۔ یہ بونا بالین تھا۔

بلبو خوشی سے چلا اٹھا، "اندر آؤ! اندر آؤ!" تھوڑی دیر بعد وہ تینوں آتشدان کے سامنے کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ بالین دیکھے بنا نہ رہ سکا کہ مسٹر بیگنز کی واسکٹ پہلے سے کہیں پھیل چکی تھی اور اس میں اصلی سونے کے بٹن ٹانکے گئے تھے۔ بلبو بھی دیکھے بنا نہ رہ سکا کہ بالین کی داڑھی پہلے سے کئی انچ لمبی ہو چکی تھی اور اس کی شاندار پیٹی میں بیش قیمت جواہرات جڑے تھے۔

حسبِ توقع وہ پرانے وقتوں کی باتیں کرنے لگے اور بلبو پوچھنے لگا کہ پہاڑ کے علاقوں میں حالات کیسے ہیں۔ وہاں کے حالات پہلے کی نسبت بہت بہتر تھے۔ بارڈ نے ڈیل کے شہر کی تعمیرِ نو کر دی تھی اور جھیل نگر اور شمال اور جنوب سے بہت سے لوگ اب وہاں آباد ہو چکے تھے اور ساری وادی کھیتی باڑی سے سرسبز و شاداب ہو چکی تھی اور تباہی اور بربادی کی جگہ بہار میں پھولوں اور خزاں میں پھلوں اور میووں سے لدنے لگی تھی۔ جھیل نگر کو بھی دوبارہ تعمیر کر دیا گیا تھا اور شہر پہلے سے بھی زیادہ متمول ہو گیا۔ دریائے رواں میں پہلے سے کہیں زیادہ تجارت ہونے لگی تھی۔ ان علاقوں میں ایلفوں، بونوں اور انسانوں میں گہری خیر سگالی کی فضا قائم ہو چکی تھی۔

جھیل نگر کے حاکمِ اعلیٰ کا انجام اچھا نہ ہوا تھا۔ اگرچہ بارڈ نے اسے جھیل نگر کے لوگوں کی امداد کے نام پر بہت سی دولت بخش دے ڈالی لیکن چونکہ وہ ان لوگوں میں سے تھا جنہیں اژدھا روگ اور دولت کی حرص جلد لاحق ہو جاتی ہے اس لیے وہ بیشتر دولت کے ساتھ جھیل نگر سے غائب ہو گیا اور بعد ازاں ویرانوں میں کہیں بھوک اور پیاس سے مر کھپ گیا۔ اس کے ساتھی

بھی اس کا ساتھ چھوڑ گئے تھے۔ لیکن جاتے جاتے اس کی ساری دولت ضرور ساتھ لے گئے تھے۔

بالین کہتا چلا گیا، ''نیا حاکم عقل منداور خاصا مقبول شخص ہے۔ لوگ اسے ہی موجودہ ترقی اور خوشحالی کا باعث گردانتے ہیں۔ اب تو شہر میں گیت گائے جاتے ہیں کہ اس کے دور میں دریا میں سونا بہنے لگا ہے۔''

بلبو بولا، ''یعنی ایک لحاظ سے وہ پرانے گیتوں والی پیشین گوئیاں بالآخر درست ثابت ہو گئیں۔''

گنڈالف بولا، ''یقیناً! اور وہ درست ثابت کیوں نہ ہوتیں؟ کیا تم اس لیے تو ان پیشین گوئیوں سے انکاری تو نہیں ہو کیونکہ ان کے درست ثابت ہونے میں تمھارا اپنا ہاتھ بھی تھا؟ کیا تم یہ تو نہیں سمجھتے کہ تمھاری تمام مشکلات اور ان سے بچاؤ میں صرف اور صرف تمھاری خوش قسمتی کا ہاتھ تھا؟ مسٹر بیگنز، تم ایک بہت اچھے شخص ہو اور مجھے تمھاری دوستی پر فخر ہے۔ لیکن اس وسیع وعریض دنیا میں تم ایک چھوٹے سے ہابٹ ہی تو ہو۔''

''چلو، یہ بھی ٹھیک کہا۔'' بلبو نے ہنستے ہوئے کہا اور تمباکو کی پوٹلی اس کی جانب بڑھا دی۔

Some Other Editions

Turkish
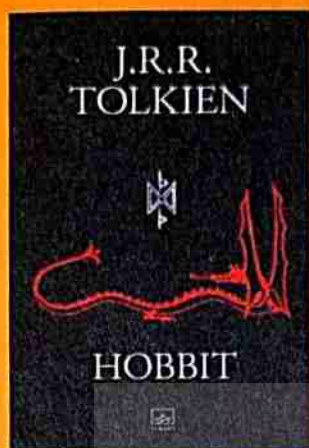
Persian
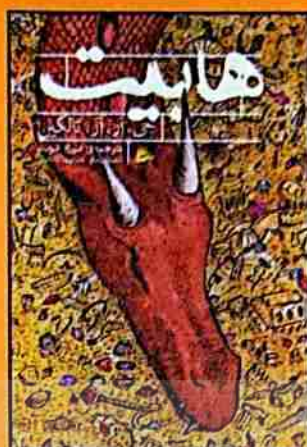
Arabic

Romanian
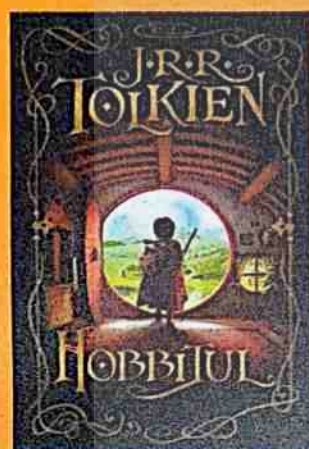
Lithuanian
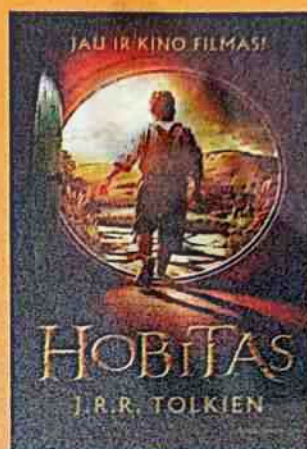
Russian

Finnish
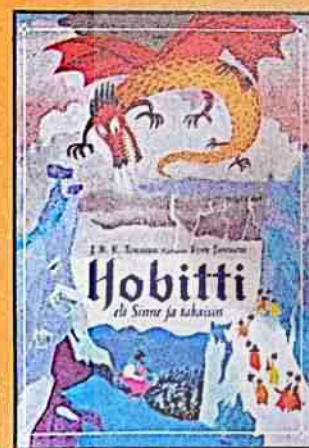
Greek
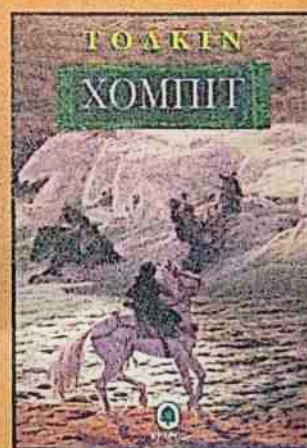
Danish
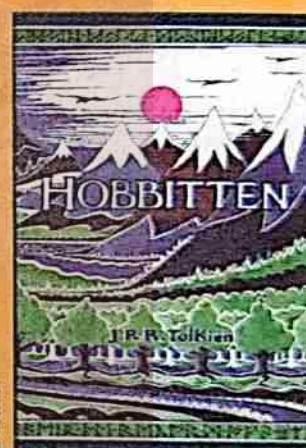
Chinese
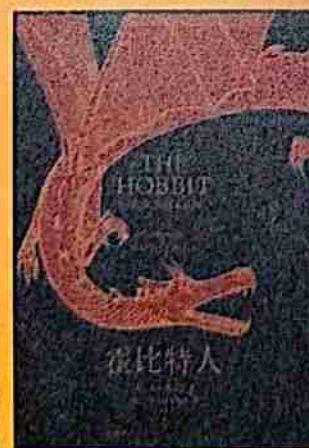
Latin
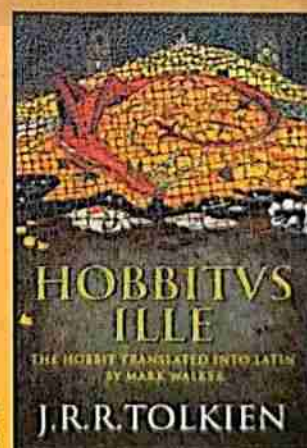
Bulgarian
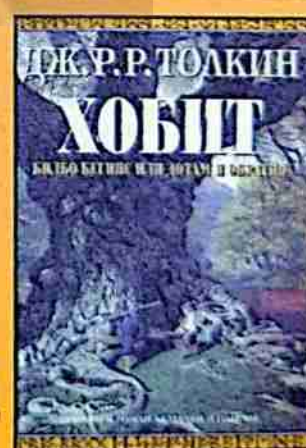
THE HOBBIT : J. R. R. TOLKIEN

English (*First edition: 1937*)
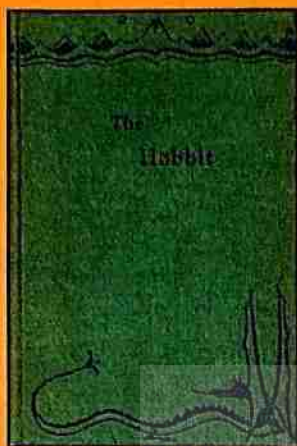
English
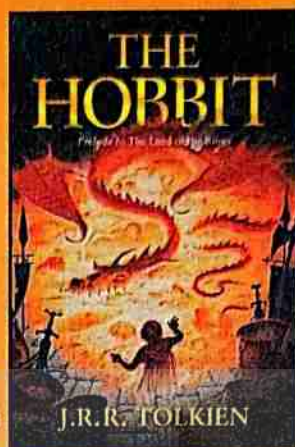
English (*illustrated*)
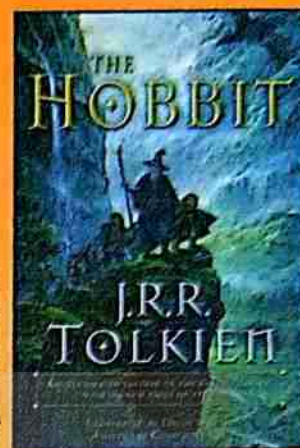
Italian
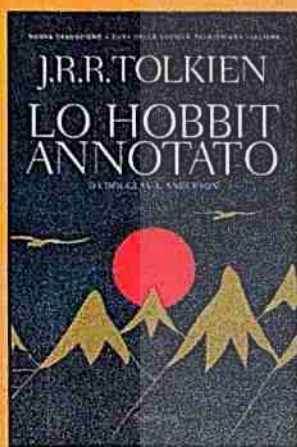
French
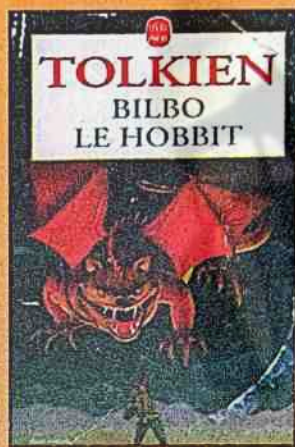
Vietnamese
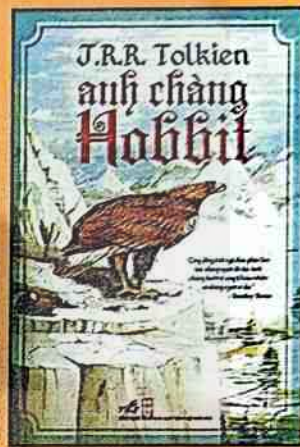
Polish
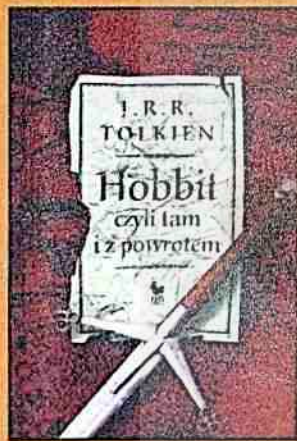
Swedish
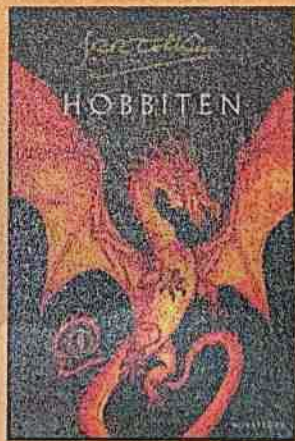
German
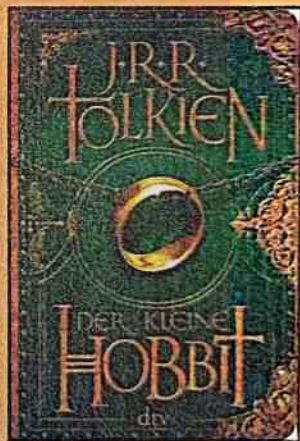
Portuguese
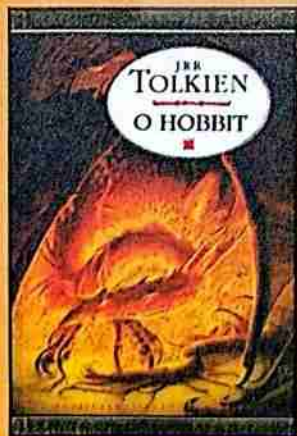
Spanish
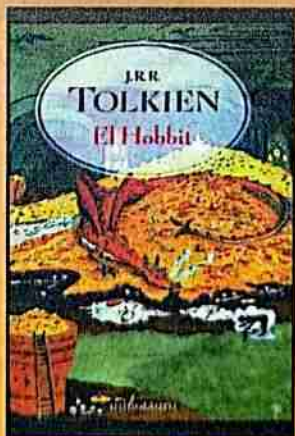
Serbian
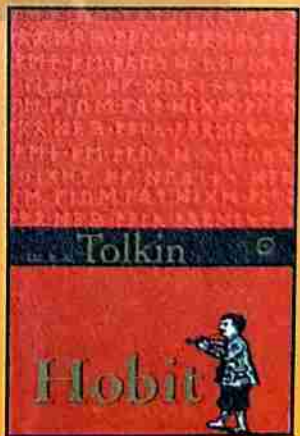
''ہابٹ'' ایک پُرخطر مہم کی داستان ہے جس میں بونوں کی ایک ٹولی اُس خزانے کی تلاش میں نکلتی ہے جس پر ایک خوفناک دیوہیکل اژدھا کنڈلی مارے بیٹھا ہے۔ جان جوکھوں میں ڈال دینے والے اس سفر میں بلبو بیگنز نامی ایک پُرامن، آرام پسند اور کسی قسم کے عزم وامنگ سے عاری ہابٹ کو بھی بادلِ نخواستہ شامل ہونا پڑا جو بعدازاں ایک چور کے طور پر اپنی حاضر دماغی اور صلاحیت پر خود بھی حیران رہ جاتا ہے...

دیوؤں، بھتنوں، بونوں، پری زادوں، وارگ بھیڑیوں، دیوہیکل مکڑیوں سے مڈبھیڑ، عظیم الشان سماگ نامی ایک دہشت ناک اژدھے سے ملاقات اور گفتگو اور پانچ لشکروں کی خونی جنگ میں شرکت، یہ سب وہ خطرات اور واقعات ہیں جن کا سامنا اس سفر کے دوران بلبو کو رہا، لیکن اس داستان میں کچھ پُرلطف لمحات بھی ہیں، مثلاً بے لوث دوستی، دل خوش کُن دعوتیں، ہنسی مذاق اور گیت سنگیت...

بلبو بیگنز بچوں کے ادب میں لافانی کرداروں کی صف میں اپنا مقام بنا چکا ہے۔ اپنے بچوں کی تفریحِ طبع کے لیے پروفیسر جے آر آر ٹولکین کے تحریر کردہ ''ہابٹ'' کو 1937ء میں اپنی پہلی اشاعت کے ساتھ ہی ناقدین کی جانب سے زبردست دادِ تحسین حاصل ہوئی۔ اگرچہ بذاتِ خود یہ ایک مکمل اور حیرت انگیز داستان ہے، تاہم یہ ''دی لارڈ آف دی رِنگز'' کے ابتدائیے کا کردار بھی ادا کرتی ہے۔

پروفیسر جے آر آر ٹولکین کے اس شاہکار ناول ''دی ہابٹ'' کا چالیس سے زائد بین الاقوامی زبانوں میں ترجمہ کیا جا چکا ہے اور کئی زبانوں میں ایک سے زائد تراجم دستیاب ہیں۔ بی بی سی کے ایک جائزے کے مطابق آج تک دُنیا بھر میں اس کتاب کی 100 ملین سے زائد کاپیاں فروخت ہو چکی ہیں۔ 2012 سے 2014 کے دوران ''دی ہابٹ'' پر بننے والی فلموں کے سلسلے نے عالمی باکس آفس پر لگ بھگ تین ارب ڈالر کمائے۔

TOLKIEN®

ISBN: 978-969-662-418-9

Rs.950.00